یورپ پر
اسلام کے احسان
www.paknovels.com
ڈاکٹر غلام جیلانی برق

آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

یورپ پر اسلام کے احسان

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

297.293 Barq, Dr. Ghulam Gillani
Europe per Islam kay Ehsan/ Dr. Ghulam Gillani Barq.- Lahore: Al-Faisal Nashran, 2011.
264p.

1. Islam aur Isayat I. Title.

ISBN 969-503-833-6

اگست 2011ء
محمد فیصل نے
آر۔آر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت:-/275 روپے

AL-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore. Pakistan
Phone: 042-7230777 & 042-7231387
http: www.alfaisalpublishers.com
e.mail: alfaisalpublisher@yahoo.com

الفہرس

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

حرفِ تعارُف

اثر خامۃ پرنسپل اشفاق علی خاں الھمزہ. ایم اے. پی ای ایس I

گورنمنٹ کالج کمبلپور

ع: ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے

آج مشرق کا نادار، صیدِ استعمار، بھولا بھالا اور فریب مغرب کا شکار انسان جاگ اٹھا ہے۔ وہ اپنے ماحول کا جائزہ لے رہا ہے۔ لٹیروں کو گھر سے نکال رہا ہے۔ اور متاع بردہ کی فہرست بنا رہا ہے۔ ان لٹے ہوؤں میں مسلمان بھی ہیں۔

پیشتر اس کے کہ گرا ہوا مسلمان اپنے حریف کے سامنے دوبارہ آئے، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون تھا اور دوبارہ کیا بن سکتا ہے؟ مغرب سے ایک شور بلند ہے کہ:

''تم کچھ نہیں ہو۔ تمہارے آبا کچھ نہ تھے تم وہم پرست ہو تمہارا کردار پست ہے۔ تم بے ہمت ہو۔ تمہاری آب و ہوا خراب ہے۔ تمہاری عظمت ایک چھوٹا خواب تھا۔ تمہارے بادشاہ اوباش، تمہارے عالم جاہل اور تمہارے رہنما ناکارہ اور ٹھگ تھے۔ اپنے آپ کو پہچانو اور ہماری ذہنی و سیاسی غلامی سے نکلنے کا خیال تک دل میں نہ لاؤ۔ تم اسی قابل ہو کہ تمہاری مائیں، بہنیں، بیٹیاں اور بچے تنکا تنکا چن کر جانوروں کا چارہ جمع کریں۔ سر پہ اٹھا کر گھر لائیں اور ڈھوروں کے آگے ڈالیں۔ تم ہل چلاؤ، کپاس چنو، مٹی کھودو، پٹ سن اُگاؤ اور ہمیں ایسے نرخوں پر بھیجو۔ کہ ہم امیر سے امیر ترین بنتے جائیں۔ اور تمہیں دو وقت کا کھانا بھی نہ مل سکے۔ تمہاری یہ

فولاد بنانے اور بھاری صنعت لگانے کی سکیمیں جہالت، جلد بازی اور
حماقت کا نتیجہ ہیں۔ احمق نہ بنو۔ یہ لو دس روپے، اور اپنا وقت مٹی کھودنے
اور فصلوں کو پانی دینے میں صرف کرو۔"

آج مسلمان کا حریف بضد ہے کہ جنگ شرق وغرب کی صحیح و مستند تاریخ وہی ہے جو خود حریف نے لکھی تھی۔ یہ ایسا ہی ہے کہ دارا کو قتل کرنے کے بعد سکندر دارا کے بیٹے سے کہے۔ کہ تمہارے باپ کے قتل کی صحیح رپورٹ مجھ سے ہی مل سکتی ہے۔ رہے تمہارے مؤرخین، تو ان کی اطلاعات یا تو اصلاً غلط ہیں اور یا مبالغہ آمیز، آؤ۔ میری لکھی ہوئی تاریخ پڑھو کیونکہ سچائی اور تحقیق صرف میرے پاس ہے۔

آج جن کتابوں کا ایک بے پناہ طوفان مغرب سے اٹھ کر مشرق کو لپیٹ میں لے رہا ہے۔ ان میں سے کوئی یہ نہیں بتاتی کہ وہ راجر بیکن جسے انگلستان میں بابائے سائنس سمجھا جاتا ہے۔ عربوں کا شاگرد تھا۔ اور وہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتا تھا۔ کہ صحیح علم حاصل کرنا ہے۔ تو عربی پڑھو۔ مؤرخین مغرب یونانیوں کو علم کا سرچشمہ بتاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتاتے کہ ان کی کتابیں چھ سو برس تک اسکندریہ، ایتھنز اور قسطنطنیہ میں مقفل پڑی رہیں عربوں نے انہیں نکالا، عربی میں ترجمہ کیا، اور یہی تراجم مسلمانوں کے ساتھ یورپ میں پہنچے۔

یورپ میں سائنس اڑھائی سو برس میں اسحاق نیوٹن سے آئن سٹائن تک جا پہنچی۔ لیکن عربوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ہزار سال تک یونانیوں کا ترجمہ ہی کرتے رہے۔ اور انہوں نے علوم وفنون میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں کیا۔ چنانچہ آج کے یہودی و عیسائی، مؤرخ اسلامی علوم و فنون کا ذکر نہیں کرتے۔ اور نہ دنیا کو یہ بتاتے ہیں کہ گلیلیو، کیپلر، برونو، جیرڈ اور راجر بیکن عربوں کے نقال تھے۔ آج کا طالب علم ان اثرات سے نا آشنا ہے جو یورپ پر عربی تہذیب نے ڈالے تھے۔ یہ اثرات قدم قدم پہ یوں نمایاں ہیں۔ جیسے ریت میں کندن کے ذرّے۔ شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ انگریزی زبان کا MEASURE معیار کا الفلوانز اِلانْـــــــزَالُ الْاَنْف (ناک بہنا) کا اور ارتھ، اَرض کا بگاڑ ہے۔

ہمارے مدارس کے بچوں کو یہ تاثر دیا گیا ہے کہ امریکہ کولمبس نے اور افریقہ بونگ سٹون نے دریافت بلکہ ایجاد کیا تھا۔ زمین و آسمان تب ہی پیدا ہوئے۔ جب کسی یورپی نے اشارہ کیا تھا۔ آسمانی طاقتیں ہمالہ کی ایک چوٹی کو کروڑوں سال سے بنا رہی تھیں۔ لیکن اس کی تکمیل اسی وقت ہوئی جب مسٹر ایورسٹ کی نظر اس پر پڑی۔ ان بچوں کو یہ نہیں بتایا جاتا کہ کولمبس نے بحر پیمائی کی تعلیم اسلامی درس گاہوں میں حاصل کی تھی۔ اس کے پاس رہنمائی کے لیے کمپاس تھا۔ جو عربوں نے ایجاد کیا تھا۔ اور افریقہ جانے والوں کے پاس وہ نقشے تھے۔ جو عرب بحیرۂ روم، بحیرۂ قلزم، بحرِ ہند اور بحرِ الکاہل کے سفر میں صدیوں سے استعمال کر رہے تھے۔

جو قوم اپنی کہانی غیروں کی زبانی سنتی ہے اس کا یہی حشر ہوتا ہے۔ وہ غیر کا مقابلہ تو رہا ایک طرف، اس کے سامنے تک آنے کی جرأت نہیں کرسکتی، وہ ایسی قوم سے اپنے حقوق کیا لے گی، جس سے وہ اپنا وجود تک تسلیم نہیں کرا سکتی۔

یہ ہے کشاکش حیات کا بنیادی مسئلہ، اگر کوئی شخص ایک ایسی کتاب لکھے، جس میں اپنے آپ کو اوّل درجے کا اور آپ کو دوسرے درجے کا انسان قرار دے اور پھر اس کتاب کو آپ کے مدارس کا نصاب بنا دے۔ تو آپ کو بہت جلد یقین آ جائے گا۔ کہ اللہ نے آپ کو دوسرے درجے کی مخلوق بنایا ہے۔ اور آپ درجہ اوّل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اسی بنیادی حقیقت سے سرد جنگ کا فلسفہ شروع ہوتا ہے۔ کسی کو کیا ضرورت پڑی ہے۔ کہ وہ آپ کے خلاف فوج کشی کرے۔ اور ظالم و غاصب کہلائے۔ کیوں نہ وہ اپنا فلسفہ آپ کے ذہن میں راسخ کر دے۔ تاکہ خون ریزی کے بغیر ہی کائنات میں آپ کا مقام متعین ہو جائے۔ یعنی وہ مرکز ہو اور آپ دائرہ، وہ اعلیٰ ہو آپ ادنیٰ وہ آقا ہو اور آپ غلام۔

یہ ہے سرد جنگ، اس کے ہتھیار ہیں۔ کتابیں، فلمیں، ریڈیو، اخبارات، رسائل، تصاویر اور سب سے زیادہ مؤثر تاریخ۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کا یہ احسان قوم کبھی فراموش نہیں کرے گی کہ انہوں نے سو سال کی غلامی کے بعد اپنی تاریخ کو دوبارہ لکھنے کا تہیہ کیا اور آج ان کی یہ محنت آپ کے سامنے ہے۔ آپ نے اس کتاب میں تفصیل سے لکھا ہے کہ ہمارے جلیل و عظیم اسلاف

کے علمی کارنامے کیا تھے؟ وہ کیسے یورپ میں پہنچے اور وہاں کے وحشیوں کو کس طرح انسان بنا دیا۔ ڈاکٹر برقؔ نے عشق کی دبی ہوئی چنگاری کو زور سے پھونک ماری ہے اور قوم کو پھر منزل کی طرف پکارا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عیسیٰ نفس استاد دیر سے قُم باذنِ اللہ کی صدائیں لگا رہا ہے۔ الحمدللہ کہ آج قوم جاگ اٹھی ہے اور منزل کی طرف روانہ ہے۔

مجھے یہ کتاب اس لیے بھی عزیز ہے کہ اس میں علامہ برقؔ اور راقم الحروف کی شش سالہ رفاقت کے نشانات ملتے ہیں۔ میں یہاں ۱۹۵۸ء میں آیا تھا۔ اس وقت سے اب تک اقوام عالم کے فلسفۂ عروج وزوال تہذیبوں کے تصادم، نصاب تعلیم کے اثرات، تاریخ کی اہمیت اور فرنگ کہ دسیسہ کاری پہ لمبی بحثیں ہوئیں اور یہ کتاب اسی طویل تبادلۂ خیالات کا نتیجہ ہے۔

اس کتاب کی تصنیف میں سیّد خالد محمود ڈپٹی کمشنر اٹک کا بھی ہاتھ ہے۔ سیّد صاحب نوجوان ہونے کے باوجود مقام خبر سے نکل کر عالم نظر میں داخل ہو چکے ہیں۔ انہوں نے یہاں ایک علمی سوسائٹی بنائی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو فکر معاش سے آزاد کر کے اسلامی علوم کے احیا پہ لگا دیا تھا۔ پچھلے آٹھ ماہ میں ڈاکٹر صاحب کی یہ دوسری تخلیق ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ فاضل مصنف اور سیّد موصوف ہر دو کو جزائے خیر دے۔ اور قوم کو توفیق دے کہ وہ اس علمی مجلس کو زندہ رکھے۔

اشفاق علی خاں

۱۲ جنوری ۱۹۶۴ء کیمبلپور

حرفِ اوّل

آپ نے یہ کہانی سنی ہوگی۔ کہ ایک گڈریے کو جنگل میں شیر کا ایک بچہ مل گیا۔ وہ اسے اٹھا لایا۔ اور بکریوں میں رکھ کر اسے پالنا شروع کر دیا۔ برسوں گزر گئے اور شیر کو معلوم نہ ہوسکا کہ وہ شیر ہے۔ وہ بکریوں کی طرح ممیاتا، گھاس کھاتا اور شام کو باڑے میں آکر آرام سے سو جاتا۔ ایک دن وہ ایک جھیل پر جانکلا، پانی پینے کے لیے گردن بڑھائی تو اسے اپنا عکس نظر آیا۔ معاً اس کی شیریت جاگ اٹھی اور وہ بکریوں کو چیر پھاڑ کر جنگل میں چلا گیا۔

صحیح تاریخ جھیل کا وہ شفاف پانی ہے۔ جس میں قومیں اپنی اصلی خدوخال دیکھتی ہیں۔ مکار اقوام کا یہ دستور ہے کہ جب کسی قوم پہ سیاسی غلبہ حاصل کر لیتی ہیں تو اس کے ذہنوں کو مسخر کرنے کے لیے اس کی تاریخ بگاڑ دیتی ہیں۔ وہ اس کے انبیاء کو ساحر۔ اولیا کو ٹھگ، سلاطین کو اوباش اور علما و حکما کو جاہل لکھتی ہیں۔ ساتھ ہی اپنے بڑے بڑے لٹیروں اور چوروں کو ہیرو بنا کر پیش کرتی ہیں۔ ہم مسلمانانِ ہندو پاک کو سو برس تک یہ پڑھایا گیا، کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا تھا۔ غزنوی لٹیرا تھا۔ اورنگ زیب متعصب اور محمد شاہ رنگیلا تھا۔ کہ کلائیو، ڈک ٹرپن اور کیپٹن ڈریک جیسے چور انسانیت کے سب سے بڑے محسن تھے۔ اس قسم کی خرافات آج بھی ان کتابوں میں موجود ہیں، جو پاکستان کے پبلک سکولز میں پڑھائی جارہی ہیں۔

یورپ میں کائنات کے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق صدیوں یہ تاثر رہا۔ کہ وہ ایک بت ہے جس کی اہل عرب پرستش کرتے تھے۔ ۱۶۹۷ء میں ناروچ یونیورسٹی کے ڈین Predeaux نے حضور پر نور ﷺ کے سوانح

The Nature of Imposture

کے عنوان سے شائع کیے اس میں حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس پر نہایت ناپاک حملے کیے۔ بے اندازہ بہتان تراشے اور جتنی غلاظت اچھال سکتا تھا، اچھالی۔ سترھویں صدی کے آغاز میں

کیمبرج اور اوکسفرڈ نے عربی علوم کے شعبے قائم کیے۔ باقی یونیورسٹیوں نے تقلید کی۔ اور قبل ازاں صدیوں سے ابنِ رشد، غزالی، سینا، رازی اور فارابی کے تراجم اٹلی، فرانس اور سپین کی یونیورسٹیوں میں پڑھائے جا رہے تھے۔ لیکن حضور ﷺ کے متعلق ایک بھی کلمۂ خیر کسی عیسائی کے قلم سے نہیں نکلا تھا۔ ۱۷۱۲ء میں ایڈرین ری لینڈ نے جو UTREACHT یونیورسٹی میں عربی کا پروفیسر تھا، اپنی کتاب میں ہمارے متعلق یہ پہلا کلمہ خیر لکھا:

''مسلمان اتنے پاگل نہیں جتنا انہیں سمجھا جاتا ہے۔''

۱۷۳۴ء میں جارج سیل نے قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ نکالا جس میں گالیاں نسبتاً کم تھیں۔ کارلائل غالباً پہلا عیسائی مصنف ہے۔ جو حضور ﷺ کی انقلابی شخصیت سے متاثر ہوا۔ اپنی مشہور تصنیف ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ میں ان کے متعلق چند تعریفی کلمات کہے۔ لیکن ساتھ ہی بار بار لکھا کہ:

''قرآن ایک غیر مربوط کلام ہے جو کسی دیوانے کی بڑ معلوم ہوتا ہے۔ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی میں ہٹی، نکلسن اور براؤن جیسے قدرے کشادہ ظرف علما سامنے آئے۔ انہوں نے ہماری علمی و ثقافتی خدمات کا تو اعتراف کر لیا، لیکن ہمارے حضور ﷺ سے متعلق ان کی روش میں بھی کوئی خاص تبدیلی نہ آئی۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اگر عرب نہ ہوتے۔ تو آج یورپ کا حال افریقہ سے بھی بدتر ہوتا۔ ہم نے یورپ کے باشندوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا، نشت و برخاست کے آداب بتائے۔ کھانے، پہننے اور نہانے کا سبق دیا۔ ان کے ذہنوں کو اوہام و اباطیل کی گرفت سے آزاد کیا۔ اور ان کی درسگاہوں میں علوم و فنون کے دریا بہائے۔ لیکن ہمیں یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ ان کے بیشتر تاریخ نگار یورپ کی ذہنی و ثقافتی تاریخ لکھتے وقت ہمیں کوئی مقام نہیں دیتے۔ ۱۹۲۲ء میں امریکہ کی اورینٹل سوسائٹی کے ایک اجلاس میں پروفیسر SHMIDT نے ''یورپ میں مشرقی علوم'' کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا اور مسلمانوں کا نام تک نہ لیا۔ ۱۹۲۸ء میں ایک امریکی پروفیسر واٹرمین نے ''مشرقی علوم'' پہ چھ لیکچر دیئے اور اسلامی علوم کا ذکر تک نہ کیا۔

اسلام کے مشہور مؤرخ ابوالفدا (۱۳۳۱ء) نے اپنے سے پہلے ساٹھ جغرافیہ دانوں کے نام لیے تھے۔ لیکن موسیو Vivien Dest Martin کا کمال دیکھیے کہ اپنی علمی تاریخ میں کسی

عرب جغرافیہ دان کا ذکر تک نہیں کیا۔

کیمبرج مِڈ یوَل ہسٹری پانچ ہزار صفحات کی ایک مبسوط تاریخ ہے۔ جس میں اسلام کی چودہ سو سالہ سیاسی، علمی اور ثقافتی تاریخ کو صرف پچیس ورق دیئے گئے ہیں۔ جیمز ہنری رابن سن کی تاریخ مِڈ یوَل اینڈ ماڈرن ٹائمز آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے اور مشرق و مغرب کی درسگاہوں میں بطور نصاب رائج ہے لیکن اس میں اسلام کا کوئی ذکر نہیں، صرف ''بدھ راہبوں'' کے تحت مسلمانوں کا نام ضمناً لیا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان بارود، قطب نما، الکحل، عینک اور دیگر بیسیوں اشیاء کے موجد تھے۔ لیکن:۔

''مؤرخین یورپ نے عربوں کی ہر ایجاد اور ہر انکشاف کا سہرا اس یورپی کے سر باندھ دیا ہے۔ جس نے پہلے پہل اس کا ذکر کیا تھا۔ مثلاً قطب نما کی ایجاد ایک فرضی شخص فلویو گوجہ کی طرف منسوب کر دی۔ وِلنے ناف کے آرنلڈ کو الکحل اور بیکن کو بارود کا موجد بنا دیا۔ اور یہ بیانات وہ خوفناک جھوٹ ہیں۔ جو یورپی تہذیب کے مآخذ کے متعلق بولے گئے ہیں۔''

صرف یہی نہیں۔ بلکہ بعض اوقات عربوں کی تصانیف پر اپنا نام بطور مصنف جڑ دیا۔ انسائیکلو پیڈیا برطانیہ میں لفظ ''جیبر'' (جابر) کے تحت ایک ایسے مترجم کا نام دیا ہوا ہے۔ جس نے اسلام کے مشہور ماہر کیمیا جابر بن حیان کے ایک لاطینی ترجمہ کو اپنی تصنیف بنا لیا تھا۔ یہی حرکت سلرنو کالج کے پرنسپل قسطنطین افریقی (۱۰۶۰ء) نے بھی کی تھی۔ کہ ابن الجزار (۱۰۰۹ء) کی زاد المسافر کا لاطینی ترجمہ Viaticum کے عنوان سے کیا۔ اور اس پر اپنا نام بطور مصنف لکھ دیا۔

وہ کون سا ظلم ہے۔ جو یورپ نے ہم پہ نہیں کیا۔ ہمارے حضور پُر نور ﷺ کی ذاتِ مقدس پہ حملے کیے۔ ہمیں بدنام کیا۔ ہماری تاریخ میں تحریف کی۔ ہماری ساٹھ لاکھ کتابیں جلائیں۔ ہم پر سسلی اور سپین میں وہ مظالم توڑے کہ کائنات کا کلیجہ لرز گیا۔ ہم سے ہزار برس تک تہذیب و تمدن کا درس لینے کے بعد ہمارے ہی منہ پہ تھوکا اور بقول موسیو لیباں کہ

''ہمیں اسلام اور پیروانِ اسلام سے تعصب وراثت میں ملا ہے۔ جو اب

ہماری فطرت کا جزو بن چکا ہے۔۔۔۔۔۔ ہماری کم بخت تعلیم نے ہمارے ذہنوں میں یہ بات راسخ کردی ہے کہ ہمارے تمام علوم وفنون کا ماخذ یونان ہے۔ اور یورپ کی تہذیب میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں ہم میں سے بعض کو یہ بات کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ ہماری ترقی وتہذیب کا باعث ایک کافر قوم تھی۔" (ملخص)

رابرٹ بریفالٹ ایک مقام پر لکھتا ہے کہ۔

"یورپی مورخ مسلمان کا ذکر کرتا جھجکتا ہے اور اس کا احسان ماننے کو تیار نہیں۔۔۔۔ یورپ سے دنیا کی ضخیم تاریخیں برابر لکھی جارہی ہیں۔ لیکن ان میں عربوں کا ذکر موجود نہیں۔ اس کی مثال یوں ہے۔ کہ شہزادہ ڈنمارک کی تاریخ میں ہیملٹ کا ذکر نہ آئے۔۔۔ ڈاکٹر اوزبرن ٹیلر نے تو کمال ہی کر دیا کہ "قرون وسطی میں ذہنی ارتقا" پر دو جلدیں لکھیں۔ اور اسلامی تہذیب کی طرف اشارہ تک نہ کیا۔" (ملخص)

مفکرین یورپ کو اس بات کا یقین ہے کہ اگر کوئی تہذیب مغربی تہذیب کو پچھاڑ سکتی ہے۔ تو وہ صرف اسلامی تہذیب ہے۔ جو علم واخلاق سے آراستہ اور عشق جیسی توانائی سے مسلح ہے۔ مصر و بابل کی تہذیبیں مرچکیں۔ یونان ختم ہو گیا چین کی قدیم تہذیب عصر رواں کا ساتھ نہیں دے سکتی اور ہندو تہذیب اوہام وخرافات کا مجموعہ ہے۔ صرف اسلامی تہذیب ہی وہ قوت ہے جو دنیائے انسانی کو تمام آلام سے نجات دلا سکتی اور بھٹکتی ہوئی زندگی کو روہ منزل بتا سکتی ہے۔ اسلام استعمار، زراندوزی، دھوکہ، مکر وفریب اور لوٹ کھسوٹ کو برداشت نہیں کر سکتا اور یورپی تہذیب کی بنیاد ہی میکاولی کی ابلیسی سیاست ہے۔ اس لیے ان دونوں میں تعاون کی کوئی صورت موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ ہم پر مسلسل، پیہم اور تابڑ توڑ حملے کر رہا ہے۔ وہ ہماری تاریخ کو مسخ کر رہا ہے۔ عریاں فلمیں بھیج کر ہمیں اوباش بنا رہا ہے۔ اس کے مصور رسائل مثلاً ٹائم، ریڈرز ڈائجسٹ، لائف، وومین، پوسٹ وغیرہ یورپ کے کھوکھلے اقدار کی تبلیغ کر رہے ہیں، ہماری درسگاہوں میں انہی کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھائی جارہی ہیں۔ وہ ہمارے قابل نوجوانوں کو وظائف دے کر اپنی درسگاہوں میں بلا رہا

ہے، اور یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ مسلمان اپنی روایات، تہذیب، تاریخ ماضی اور اسلاف سے متنفر ہو کر یورپ کا مداح و نقال بن جائے اور مجھے اعتراف ہے کہ یورپ کے یہ اقدامات نہایت کامیاب رہے۔ آج ہمارا نوجوان اپنی تہذیب کے خلاف مجسم بغاوت بن چکا ہے۔ یہ بغاوت اس درخت کا پھل ہے۔ جو ۱۸۵۷ء میں انگریز نے اس سرزمین میں لگایا تھا۔ حاکم اور محکوم دونوں نے مل کر اس کی آبیاری کی۔ اور آج یہ ایک تناور درخت بن چکا ہے۔ اس میں ہمارے نوجوان کا کوئی قصور نہیں، حکومت نے کہا۔ کہ قابلیت انگریزی زبان میں مہارت کا نام ہے۔ والدین نے اسے انگریزی رسائل پڑھنے اور انگریزی فلمیں دیکھنے کا مشورہ دیا۔ بے عمل اساتذہ نے اسے اسلامی تہذیب سے مزید بدظن کیا۔ ہمارے ادیب و شاعر نے اسے مے نوشی و عیاشی کا سبق دیا، کلبوں او ہوٹلوں نے اسے رقص و قمار بازی کا عادی بنایا۔ ارکانِ حکومت نے اس کے سامنے غیر اسلامی زندگی کا افسوس ناک نمونہ پیش کیا۔ جو کسر باقی تھی وہ ان لاتعداد مشیروں اور غیر ملکیوں نے نکال دی جو ہمارے ہاں زندگی کے ہر شعبے پہ مُسلط ہیں جوانِ خام ان تمام اثرات کا مقابلہ کیسے کر سکتا تھا۔ چنانچہ وہ باغی ہو گیا۔ لیکن مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

تقسیم ہند سے پہلے ہمارے نوجوان کو دو مخلص رہنما ملے، حکیم مشرق رحمتہ اللہ علیہ، جس نے انہیں منزل کا پتہ دیا اور حضرت قائد اعظمؒ جنہوں نے کاروانِ جادہ پیما کی قیادت سنبھالی۔ بس پھر کیا تھا۔ جوانانِ ملّت طوفانوں کی طرح بل کھا کر اٹھے۔ دریاؤں کے مہیب دھاروں کی طرح آگے بڑھے اور ہندو فرنگ کی متحدہ طاقت کو روندتے ہوئے آزادی کی منزل تک جا پہنچے۔ میرے نوجوان کی فطرت میں بڑی صلاحیت ہے۔ وہ بڑا نڈر، وطن پرست، بہادر اور جانباز واقع ہوا ہے۔ اگر وہ قائد اعظم کے اشارے پہ سر دے سکتا ہے۔ تو رقص و نغمہ کی محفلوں کو بھی برہم کر سکتا ہے۔ جس روز اسے یقین ہو گیا کہ قومی بقا کے لیے شراب زہر ہلاہل ہے اور گناہ سم قاتل، کہ کائنات کی سب سے بڑی توانائی عشق یعنی اللہ سے رابطۂ محبت ہے، اور اللہ سے فرار موت ہے۔ کہ قوتوں میں استحکام پاکیزگی اخلاق، احترام نسواں، مساوات آدم اور بے پناہ علم سے پیدا ہوتا ہے اور اسلام کی عظیم و جلیل تہذیب انہی عناصر کا مجموعہ ہے۔ تو وہ اپنی ثقافت کی طرف یوں لوٹ آئے گا۔

ع جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آ جائے۔

کچھ اس کتاب کے متعلق

آج سے کچھ عرصہ پہلے میرے پاس ایک دیہاتی مدرس یہ التجا لے کر آیا کہ میں اس کا تبادلہ کروا دوں۔ میں نے وجہ پوچھی۔ تو کہنے لگا۔ سارے گاؤں میں کسی نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ میرے آباؤ اجداد نائی تھے۔ اب معاشرے میں میرا کوئی احترام نہیں رہا۔ مجھ میں کمتری و پستی کا شدید احساس پیدا ہو چکا ہے اس لیے اس ماحول سے مجھے نکا لیے۔ یہی حال میری قوم کا ہے۔ یورپ نے اس موضوع پر کہ مسلمانوں کے اسلاف چور، لٹیرے اور اوباش تھے۔ لاکھوں کتابیں لکھیں۔ اور گھر گھر بانٹ دیں۔ نکلسن کی "تاریخ ادب عربی" پچھلے پینتالیس برس سے بی اے آنرز عربی اور ایم اے عربی کے طلبہ کو پاکستانی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جا رہی ہے۔ اس کے چند جملے ملاحظہ ہوں:

"محمد بت پرستی بھی کیا کرتے تھے" ص ۱۴۸

"گو محمد نے شاعر ہونے سے انکار کیا تھا۔ لیکن یہ محض بہانہ بازی تھی وہ شاعروں جیسا ہی تھا" ص ۱۵۹

"قرآن مبہم، بورنگ، ڈل اور بائیبل کے مقابلے میں گھٹیا ہے" ص ۱۶۱

"محمد کے تصور جنت و جہنم میں کوئی چیز روحانی نہیں۔ اس کی جنت عیاشی کا ایک شاندار باغ ہے۔ جہاں متقی ٹھنڈے سایوں کے نیچے آرام کریں گے، شرابیں پئیں گے اور سیاہ چشم حوروں سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس جنت کا مقصد اپنے سامعین کو ورغلانا اور یہ بتانا تھا کہ اسلام لانے کے بعد وہ شراب سے محروم نہیں ہوں گے۔ بلکہ یہی چیز انہیں جنت میں ملے گی۔ محمد نے غالباً جنت کا تصور عربوں کی محافل شراب ہی سے لیا تھا۔ جنت کا یہ عیاشانہ تصور محمد کے ذاتی کردار کی بھی غمازی کرتا ہے۔۔۔ ص ۱۶۷

دیکھا آپ نے کہ ہماری درسگاہوں میں ہمارے طلبہ کو کیا پڑھایا جا رہا ہے؟ اور لطف یہ۔ افات کے خلاف نہ طلبہ آواز اٹھاتے ہیں نہ اساتذہ، اور نہ کار پردازانِ جامعہ۔ سو سال کی میں غیرت سے بے گانہ کر دیا ہے۔ کسی سے کہو۔ تو جواب ملتا ہے۔ "نکلسن سے بہتر

کوئی کتاب لاؤ'' سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے کبھی کسی پاکستانی عالم سے اس موضوع پر لکھنے کو کہا ہے؟ مجھے حکم دیجئے۔ اور میں آپ کو صرف ایک برس میں عربی ادب پہ بہترین چیز لکھ دوں گا۔ جس کتاب میں قرآن، اسلام اور حضور پرنور ﷺ کی تنقیص کی گئی ہے اور تاریخ نویسی کا حال کہ ابنِ رُشد، ابن طفیل، ابنِ زہر، ابن القفطی، ابنِ ابی اصیعبہ، ابنُ القیم، علامہ ذہبی، ابن الحُجر اور امام احمد بن حنبل جیسے سینکڑوں حکماوعلماء پر دوسطریں بھی نہ لکھی ہوں اس پر وقت ضائع کرنے کا فائدہ۔

ایسی ہی کتابوں نے ہمارے نوجوانوں کو اسلامی روایات سے مُتنفّر کیا ان کے حوصلے توڑے، ان میں احساس پستی پیدا کیا اور اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ میں انہیں اپنی صحیح تاریخ سے روشناس کروں، شیر کے سامنے جمیل کا آئینہ رکھوں تا کہ ان کی جھکی ہوئی گردنیں بلند ہو جائیں۔ یہ شاہراہ حیات پہ سینہ تان کر چلیں اور علم و عشق کی مشعلیں اٹھا کر اس انداز سے مستقبل کی طرف بڑھیں۔ کہ ساری ملت پکار اٹھے:

ع ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

برق کیمبلپور

۸ جنوری ۱۹۶۴ء

آغاز کتاب......۲ نومبر ۱۹۶۳ء

تکمیل......۸ جنوری ۱۹۶۴ء

۱۔ دی عربس ہری مج از یح امین فارس ص ۱۳

۲۔ تشکیل انسانیت از رابرٹ بریفالٹ ص ۲۶۲

۳۔ میراث اسلام از آرنلڈ زیر عنوان "طب وسائنس"

۴۔ تمدن عرب ص ۵۲۳

۵۔ تشکیل انسانیت ص ۴۳۵

باب اوّل

قرونِ وسطیٰ میں یورپ کی سیاسی ہیئت

اس کتاب میں یورپ کے قدیم و جدید سلاطین و حکما کا بار بار ذکر آتا ہے۔ اس لیے امورِ ذیل کی وضاحت ضروری ہے:۔

(ا) یورپ کے اصلی باشندے کون تھے؟

(ب) وہاں ابتدائی حکومتیں کب قائم ہوئیں۔ اور موجودہ ریاستیں یعنی برطانیہ۔ فرانس۔ سپین۔ اٹلی۔ جرمنی وغیرہ کیسے معرضِ وجود میں آئیں؟

(ج) قرونِ وسطیٰ میں یورپ کے تمدن، تہذیب، اخلاق اور علوم و فنون کی کیفیت کیا تھی؟

یورپ کے اصلی باشندے

تاریخ بتاتی ہے کہ قدیم زمانے میں یورپ مختلف وحشی قبائل کا مسکن تھا۔ بحیرۂ اسود کے شمال اور دریائے ڈنیپر DNIEPER کے دونوں طرف گاتھ آباد تھے۔ ذرا مغرب میں جہاں آج کل پولینڈ، رومانیہ، ہنگری وغیرہ ہیں، ہنز رہتے تھے۔ جرمنی تین خونخوار قبائل یعنی وینڈلز، سیکسنز اور اینگلز کا وطن تھا۔ جنوبی جرمنی اور شمالی اٹلی میں لمبرڈز سکونت پذیر تھے۔ فرانس میں فرانک اور برطانیہ میں سلٹ (Celts) رہتے تھے۔ یورپ کے باقی حصوں میں بھی اُجڈ قبائل آباد تھے۔ جن کا کام لڑنا۔ بھڑنا اور ڈاکے ڈالنا تھا۔ جب رومہ کی غربی سلطنت کمزور ہو گئی تو ان قبائل میں سیاسی حرکت پیدا ہوئی۔ اور یہ اپنے اوطان سے نکل کر دور دراز علاقوں پہ چھا گئے۔ کچھ قبائل پہلے ہی حرکت میں آ چکے تھے۔ مثلاً سیکسنز اور اینگلز جو صدیوں پہلے جزائر برطانیہ میں پہنچ چکے تھے۔ پانچویں صدی میں غربی گاتھ اور وینڈل سپین تک پہنچ گئے۔ شرقی گاتھ چیکوسلواکیہ اور پھر اٹلی میں داخل ہوئے۔ ہنز کی حکومت دریائے رائن سے ایشیا تک پھیل گئی۔ اور لمبرڈ اٹلی کے بعض اضلاع

پہ قابض ہو گئے تھے۔

تاریخِ یورپ کے تین دَور

آٹھویں صدی قبل مسیح سے پہلے یورپ میں کیا ہو رہا تھا۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ قیاس یہ ہے کہ وہاں وحشی قبائل آباد تھے۔ جن کے سردار جدا جدا تھے۔ مذہباً ملحد یا بت پرست تھے۔ اور نوشت وخواند سے قطعاً نا آشنا تھے۔ آٹھویں صدی کے بعد تاریخ یورپ تین دَوروں میں بٹ گئی۔

اول:۔ دورِ قدیم۔ جو آٹھویں صدی قبل مسیح سے پانچویں صدی عیسوی تک پھیلا ہوا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے۔ جب رومہ کی عظیم سلطنت قائم ہوئی تھی۔ اور یونان سے علوم وفنون کے دریا بہہ نکلے تھے۔

دوم:۔ قرونِ وسطیٰ۔ یعنی وہ زمانہ جو زوالِ رومہ (۴۷۶ء) سے شروع ہو کر یورپ کی حیاتِ ثانیہ (سولھویں صدی) پہ ختم ہوتا ہے۔

سوم:۔ عصرِ حاضر۔ جو سولھویں صدی سے شروع ہوا۔

دوسرے دَور کے پھر دو حصّے ہیں۔ اس کے پہلے پانچ سو سال میں تاریکی۔ جہالت وحشت اور انتہائی بربریت کے سوا اور کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ گیارھویں صدی میں اسلامی تہذیب، تمدن اور علوم وفنون مختلف راستوں سے یورپ میں پہنچے۔ اور وہاں کی تاریکیوں میں ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ پانچ چھ صدیوں کے بعد وہاں اُجالا سا ہونے لگا۔ جا بجا مدارس کھل گئے۔ تالیف وترجمہ کے ادارے قائم ہو گئے۔ عربی علوم کے تراجم ہونے لگے۔ پاپائیت کا زور ٹوٹ گیا، مذہبی اوہام و اباطیل کے محل مسمار ہو گئے۔ جاگیردارانہ نظام مٹ گیا۔ اسی دور میں برطانیہ (۱۶۸۸ء) فرانس (۱۷۸۹) اور امریکہ (۱۷۷۶) میں انقلابات آئے اور انسانی فکر شخصی حکومت اور کلیسائی بندشوں سے آزاد ہو گئی۔ اور یہ تھا یورپ کا آغازِ عروج۔

رومہ اور اٹلی

اٹلی میں ایک دریا کا نام ٹائبر ہے۔ جو شمال کی طرف سے آتا ہے۔ اور رومہ یا روم سے گزر کر پچیس میل نیچے بحیرۂ روم میں جا گرتا ہے۔ یہ دریا کبھی شاہراہِ تجارت تھا۔ تاجر کشتیوں میں مال

بھر کر فلورنس سے نیپلز اور دیگر مقامات تک آتے جاتے تھے اور اس دریا کے کنارے ایک مقام سرسبزی اور دلکشی کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ وہاں تاجر خیمے لگا کر راتوں کو ٹھہرتے اور صبح کو روانہ ہو جاتے۔ ولادت مسیح سے ساڑھے سات سو سال پہلے ان تاجروں نے چندہ کر کے وہاں ایک سرائے بنا دی۔ جہاں رفتہ رفتہ ایک شہر بن گیا۔ یہی شہر روم کہلاتا ہے۔ جو اڑھائی ہزار برس سے اٹلی کا دارالخلافہ ہے۔

تشکیلِ رومہ

اس زمانے میں ہر خاندان کا سردار الگ تھا۔ جو خاندانی جھگڑے چکاتا۔ شادیاں کراتا۔ ہر معاملے میں حکم چلاتا اور اپنے قبیلے کی بستیوں کو ڈاکوؤں اور حملہ آوروں سے بچاتا تھا۔ چھٹی صدی ق م میں ایشیا کا قبیلہ وہاں جا نکلا جس کے سردار Tarquins کہلاتے تھے۔ ان کی قابلیت اور شجاعت سے متاثر ہو کر اہل روم نے انہیں اپنا سردار تسلیم کر لیا اور یہ صورتِ حال سو سال تک باقی رہی۔

۵۰۹ ق م میں وہاں ایک اسمبلی بھی تھی۔ جس میں تمام اختیارات خواص کے نمائندوں (Patricians) کے پاس تھے۔ صدر، وزراء، اور مجسٹریٹ ان ہی سے منتخب ہوئے تھے۔ اور عوامی نمائندوں (Plebcians) کی کوئی تجویز اس وقت تک قانون نہیں بن سکتی تھی۔ جب تک خواص اسے منظور نہ کرتے۔

اس جمہوریت نے رفتہ رفتہ گردونواح کے تمام قبائل کو قابو کر لیا۔ پھر مزید پاؤں پسارے۔ یہاں تک کہ ۲۶۵ ق م میں روم ایک خاصی طاقت بن گئی۔ اب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ ۱۹۷ ق م میں سپین، ایک سال بعد شمالی افریقہ اور مقدونیہ، ۶۴ ق م میں شام ۵۰ ق م میں فرانس اور بلجیم، ۹ء میں جرمنی، ۴۴ء میں برطانیہ، ۱۰۵ء میں فلسطین، ۱۱۴ء میں آرمینیہ اور ۱۱۷ء میں عراق سلطنتِ رومہ کا حصہ بن گئے۔

سُلاّ

کارنیلیس سُلاّ (۷۸ ق م) رومہ کا ایک قابل جرنیل تھا۔ یہ سیاست دانوں کی رقابتوں سے

تنگ آ گیا۔ اور اس نے ۸۳ قم میں پارلیمان کو معطل کر کے عنان حکومت خود سنبھال لی۔ لیکن اس دور کے فلسفی سسرو (۱۰۶۔۴۳ قم) نے آمریت کی مخالفت کی۔ چنانچہ ۸۹ قم میں سُلاّ نے دوبارہ جمہوریت قائم کر دی اور خود سیاست سے کنارہ کش ہو گیا۔

جولیس سیزر سینٹ کا ممبر تھا۔ اسے ۵۸ قم میں فرانس کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس نے پہلے ارد گرد کے تمام علاقے فتح کیے۔ پھر برطانیہ پہ حملہ کر دیا اور دریائے ٹیمز تک نکل گیا۔ مشرق میں جرمنی کو بھی شکست دی۔ سیزر کی ان کامیابیوں کو دیکھ کر سینٹ کو ڈر پیدا ہوا کہ کہیں یہ آمر نہ بن جائے۔ چنانچہ ۵۰ قم میں سینٹ نے حکم دیا کہ سیزر فوج کو منتشر کر دے۔ اس پر سیزر بگڑ گیا۔ اور روم پہ قبضہ کر کے آمر بن بیٹھا۔ اس وقت بحریہ کا کمانڈر ان چیف پمپی تھا۔ وہ مخالف ہو گیا۔ ان دونوں میں جنگ ہوئی اور پمپی شکست کھا کر مصر میں چلا گیا۔

۴۴ قم میں بَروٹس نے سازش کی۔ اور سیزر کو قتل کر دیا۔ اینٹنی (سیزر کا دوست) اور آکٹیوین نے بروٹس کا پیچھا کیا۔ ۴۲ قم میں مقدونیہ کے قریب جنگ ہوئی۔ اور بروٹس مارا گیا۔ اس کے بعد ان دونوں نے سلطنت بانٹ لی۔ غربی حصے پہ آکٹیوین اور مشرقی خطوں پہ اینٹنی حکومت کرنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد اینٹنی قلوپطرہ کے دامِ حُسن میں پھنس گیا۔ اور یہ دونوں مل کر سارے رومہ پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھنے لگے۔ جب سینٹ کو ان کے ارادوں کی اطلاع ملی۔ تو اعلانِ جنگ کر دیا۔ ان دونوں کو شکست ہوئی اور ہر دو نے خودکشی کر لی۔

غربی رومہ کے بادشاہ

جولیس سیزر سے رومی شہنشاہوں کا سلسلہ شروع ہو کر پانچ صدیوں تک جاری رہتا ہے ان کے نام بقید سالِ جلوس یہ ہیں۔

۱۔ جولیس سیزر	۵۰ ——— ۴۴ قم
۲۔ آکٹیوین	۴۴ قم ـــ ۱۴ء۔ سینٹ نے شاہانہ اختیارات اسے ۲۷ قم میں دیئے تھے۔

۳۔ ٹاے بیریس ۱۴ء ——— ۳۷ء

۴۔ کالی گولہ ۳۷ ——— ۴۱ء

۵۔ کلاڈیس ۴۱ ——— ۵۴ء

۶۔ نیرو ۵۴ ——— ۶۸ء

۷۔ وَلیس پازِیَن ۶۸ ——— ۷۹ء

۸۔ ٹیٹس ۷۹ ——— ۸۱ء

۹۔ ڈامی شن ۸۱ ——— ۹۶ء

۱۰۔ نیروا ۹۶ ——— ۹۸ء

۱۱۔ ٹراجن ۹۸ ——— ۱۱۷ء

۱۲۔ ہاڈرِیَن ۱۱۷ ——— ۱۳۸ء

۱۳۔ اینٹونی نیس ۱۳۸ ——— ۱۶۱ء

۱۴۔ مارکس اَرِیل لیس ۱۶۱ ——— ۱۸۰ء

۱۵۔ کموڈس ۱۸۰ ——— ۱۹۲ء

۱۶۔ سپ ٹی می نس (Septimius) ۱۹۲ ——— ۲۱۱ء

۱۷۔ کراکیلا ۲۱۱ ——— ۲۱۷ء

۱۸۔ مکری نس ۲۱۷ ——— ۲۱۸ء

۱۹۔ ایلا گیبلوس ۲۱۸ ——— ۲۲۲ء

۲۰۔الیگزینڈر سیورَس ۲۲۲ ——— ۲۳۵ء

۲۱۔میکزی مَس۔اوّل ۲۳۵ ——— ۲۳۸ء

۲۲۔گورڈِیَن ۲۳۸ ——— ۲۴۴ء

۲۳۔فِلپ ۲۴۴ ——— ۲۴۹ء

۲۴۔ڈیسیَس ۲۴۹ ——— ۲۵۱ء

۲۵۔گیلس ۲۵۱ ——— ۲۵۳ء

۲۶۔ایملی نُوس ۲۵۳ ——— ۲۶۰ء

۲۷۔گیلی نُوس ۲۶۰ ——— ۲۶۸ء

۲۸۔کلاڈیس۔روم ۲۶۸ ——— ۲۷۰ء

۲۹۔اریلِ یَن ۲۷۰ ——— ۲۷۵ء

۳۰۔ٹاسی ٹس ۲۷۵ ——— ۲۷۶ء

۳۱۔پروبس ۲۷۶ ——— ۲۸۲ء

۳۲۔کیرس ۲۸۲ ——— ۲۸۴ء

۳۳۔ڈائیک لی ٹی یَن ۲۸۴ ——— ۳۰۵ء

۳۴۔قسطنطین۔اوّل ۳۰۵ ——— ۳۳۷ء

اس نے ۳۳۰ء میں ایک گاؤں بائزنیٹ یَم کو پایۂ تخت بنا لیا۔ جو بعد میں اسی بادشاہ کی نسبت سے قسطنطنیہ کہلانے لگا۔ سلطنت رومہ کی یہ شاخ پندرہویں صدی کے وسط تک زندہ رہی۔ ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کو سلطان محمد فاتح عثمانی نے فتح کر لیا اور یہ آج تک ہمارے قبضے میں ہے۔

www.paknovels.com

۳۵۔ قاسطنطیکس	۳۳۷—۳۶۰ء
۳۶۔ جولین	۳۶۰—۳۶۳ء
۳۷۔ جووین	۳۶۳—۳۶۴ء
۳۸۔ ولن ٹین ین۔ اوّل	۳۶۴—۳۷۵ء
۳۹۔ ولن ٹین ین۔ دوم	۳۷۵—۳۹۵ء
۴۰۔ ہونوریَس	۳۹۵—۴۲۳ء
۴۱۔ ولن ٹین ین۔ سوم	۴۲۳—۴۵۵ء
۴۲۔ مکزی مس	۴۵۵ء
۴۳۔ اَوِیٹس	۴۵۵—۴۵۷ء
۴۴۔ مَجوریَن	۴۵۷—۴۶۱ء
۴۵۔ سیوَرَس	۴۶۱—۴۶۷ء
۴۶۔ انتھی میَس	۴۶۷—۴۷۲ء
۴۷۔ اُلبرِیَس	۴۷۲—۴۷۳ء
۴۸۔ گلاسِ سیرِیَس	۴۷۳—۴۷۴ء
۴۹۔ یُولِیَس	۴۷۴—۴۷۵ء
۵۰۔ رومُلس	۴۷۵—۴۷۶ء

یہ تھے غربی رومہ کے سلاطین۔ آخری سلطان کو ایک جرنیل نے، جس کا نام اُڈوسر تھا، معزول کر دیا۔ اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن نالائقی کی وجہ سے نظم ونسق کو قائم نہ رکھ سکا۔ جا بجا فوجی

سرداروں اور گورنروں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ یہاں تک کہ خود اٹلی میں کئی بادشاہتیں قائم ہو گئیں۔ مثلاً وینس، میلان، فلورنس، نیپلز اور پاپائے روم کی ریاست۔ یہ ریاستیں ۱۸۴۸ء تک باقی رہیں۔

نیپلز سے اڑھائی سو میل دُور مغرب میں ایک جزیرہ سارڈینیا کے نام سے واقع ہے۔ ۱۸۴۸ء یہاں امانویل دوم کی حکومت تھی۔ اس نے اپنے ایک فوجی جرنیل کاؤنٹ کمیلو کی ترغیب پر شاہانہ اختیارات ترک کر دیئے اور جزیرے میں جمہوریت قائم کر دی۔ اس کا اثر اٹلی پہ یہ پڑا کہ وہاں بھی جمہوریت کی تڑپ پیدا ہو گئی۔ اور وہاں کے ایک لیڈر گریبالڈی نے رضا کاروں کی مدد سے سسلی نیپلز اور پاپائی ریاست پہ قبضہ کر لیا۔ اور پھر ہر جگہ استصواب کرایا۔ بالآخر یہ تمام چھوٹی چھوٹی جمہوریتیں متحد ہو گئیں۔ اور انہوں نے سارڈینیا کے بادشاہ امانویل کو اپنا آئینی بادشاہ منتخب کر لیا۔ اطالوی شاہوں کا یہ سلسلہ ۱۹۶۳ء میں باقی تھا۔

قیاصرۂ رُوم

ہم عرض کر چکے ہیں کہ قسطنطین اول نے بعض مصالح کی بنا پر ۳۲۰ء میں قسطنطنیہ کو پایۂ تخت بنا لیا تھا۔

اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں نے سلطنت تقسیم کر لی اور غربی شاخ کا فرمانروا الگ ہو گیا۔ ۳۵۳ء میں دونوں حصے پھر ایک بادشاہ کے تحت آ گئے۔ لیکن پھر یہ وحدت عارضی ثابت ہوئی اور ۳۶۴ء میں دونوں شاخیں مستقلاً جدا ہو گئیں۔ غربی شاخ رومن امپائر اور شرقی بازنطائن امپائر کے نام سے مشہور ہوئی مسلم مؤرخ ثانی الذکر شاخ کے سلاطین کو قیاصرہ کہتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ قسطنطین۔ اوّل	۳۲۰ ———— ۳۳۷ء (ولد الحرام؟)
۲۔ قسطنطین۔ دوم	۳۳۷ ———— ۳۴۰ء
۳۔ قانسطنس۔ اوّل	۳۴۰ ———— ۳۵۰ء

۲۱۔فوقس	۶۰۲ــــــــ۶۱۰ء
۲۲۔ہرقل یا قسطنطین۔سوم	۶۱۰ــــــــ۶۴۱ء
	اس کی طرف ہمارے حضورﷺ نے ۶۳۰ء میں خط لکھا تھا۔اور اسے دعوتِ اسلام دی تھی۔
۲۳۔قانسطن طِینس	۶۴۱ــــــــ۶۴۲ء
۲۴۔قانسطَنس۔دوم	۶۴۲ــــــــ۶۶۸ء
۲۵۔قسطنطین۔چہارم	۶۶۸ــــــــ۶۸۵ء
۲۶۔جسٹی نی یَن۔دوم	۶۸۵ــــــــ۶۹۵ء (تخت سے محروم کردیا گیا)
۲۷۔لیو۔دوم	۶۹۵ــــــــ۶۹۷ء
۲۸۔ٹا ئبری یَس۔دوم	۶۹۷ــــــــ۷۰۵ء
۲۹۔جسٹی نی یَن۔سوم	۷۰۵ــــــــ۷۱۱ء
۳۰۔فلپی قس	۷۱۱ــــــــ۷۱۳ء
۳۱۔انستا سیس	۷۱۳ــــــــ۷۱۵
۳۲۔تھیوڈوسی یَس۔سوم	۷۱۵ــــــــ۷۱۷
۳۳۔لیو۔سوم	۷۱۷ــــــــ۷۴۰ء
۳۴۔قسطنطین۔پنجم	۷۴۰ــــــــ۷۷۵ء
۳۵۔لیو۔چہارم	۷۷۵ــــــــ۷۷۹ء
۳۶۔قسطنطین ششم	۷۷۹ــــــــ۷۹۷ء

۳۷۔ آیرین ۷۹۷ ——— ۸۰۲ء

۳۸۔ نائسیفورس۔ اوّل ۸۰۲ ——— ۸۱۱ء

۳۹۔ سٹاری سی ایس ——— ۸۱۱ء

۴۰۔ مائیکل۔ اوّل ۸۱۱ ——— ۸۱۳ء

۴۱۔ لیو۔ پنجم ۸۱۳ ——— ۸۲۰ء

۴۲۔ مائیکل۔ دوم ۸۲۰ ——— ۸۲۹ء

۴۳۔ تھیوفلس ۸۲۹ ——— ۸۴۲ء

۴۴۔ مائیکل۔ سوم ۸۴۲ ——— ۸۶۸ء

۴۵۔ باسل۔ اوّل ۸۶۷ ——— ۸۸۶ء

۴۶۔ لیو۔ ششم ۸۸۶ ——— ۹۱۲ء

۴۷۔ قسطنطین۔ ہفتم ۹۱۲ ——— ۹۵۸ء

۴۸۔ الیگزینڈر اور رومانس۔ اوّل ۹۱۲ ——— ۹۴۵ء

تک کے بعد دیگرے ریجنٹ رہے۔ کیونکہ قسطنطین ہفتم نابالغ تھا۔

۴۹۔ رومانس۔ دوم ۹۵۸ ——— ۹۶۳ء

۵۰۔ باسل۔ دوم ۹۶۳ ——— ۱۰۲۵ء

نابالغ تھا۔ اس لیے ۹۷۶ تک نائیسفورس دوم اور جان اوّل ریجنٹ رہے۔

۵۱۔ قسطنطین۔ ہشتم	۱۰۲۵———۱۰۲۸ء
۵۲۔ رومانس۔ سوم	۱۰۲۸———۱۰۳۴ء
۵۳۔ مائیکل۔ چہارم	۱۰۳۴———۱۰۴۲ء
۵۴۔ مائیکل۔ پنجم	———۱۰۴۲ء
۵۵۔ قسطنطین۔ نہم	۱۰۴۲———۱۰۵۵ء
۵۶۔ تھیوڈورا	۱۰۵۵———۱۰۵۶ء
۵۷۔ مائیکل۔ ششم	۱۰۵۶———۱۰۵۷ء
۵۸۔ اسحاق۔ اوّل	۱۰۵۷———۱۰۵۹ء
۵۹۔ قسطنطین۔ دہم	۱۰۵۹———۱۰۶۷ء
۶۰۔ مائیکل۔ ہفتم	۱۰۶۷———۱۰۷۸ء
۶۱۔ نائیسیفورس۔ سوم	۱۰۷۸———۱۰۸۱ء
۶۲۔ الیکزی یس۔ اوّل	۱۰۸۱———۱۱۱۸ء
۶۳۔ جان۔ دوم	۱۱۸۱———۱۱۴۳ء
۶۴۔ مینوئل۔ اوّل	۱۱۴۳———۱۱۸۰ء
۶۵۔ الیکزی یس۔ دوم	۱۱۸۰———۱۱۸۳ء
۶۶۔ اینڈرونی کس۔ اوّل	۱۱۸۳———۱۱۸۵ء
۶۷۔ اسحاق۔ دوم	۱۱۸۵———۱۱۹۵ء (معزول ہوا)

۶۸۔ الیک زی یَس۔ سوم	۱۱۹۵	۱۲۰۳
۶۹۔ اسحاق۔ دوم	۱۲۰۳	۱۲۰۴ء (دوبارہ)
۷۰۔ الیک زی یَس۔ چہارم		۱۲۰۴ء
۷۱۔ بالڈوِن۔ اوّل	۱۲۰۴	۱۲۰۵ء
۷۲۔ ہنری	۱۲۰۵	۱۲۱۶ء
۷۳۔ پیٹر	۱۲۱۶	۱۲۱۹ء
۷۴۔ رابرٹ	۱۲۱۹	۱۲۲۸ء
۷۵۔ بالڈون۔ دوم	۱۲۲۸	۱۲۶۱ء
۷۶۔ مائیکل۔ ہشتم	۱۲۶۱	۱۲۸۲ء
۷۷۔ اینڈرونی کس۔ دوم	۱۲۸۲	۱۳۲۸ء
۷۸۔ اینڈرونی کس۔ سوم	۱۳۲۸	۱۳۴۱ء
۷۹۔ جان۔ پنجم	۱۳۴۱	۱۳۹۱ء

نابالغ۔ جان ششم ریجنٹ رہا۔ (جان سوم و چہارم بالڈون دوم کے زمانے میں بعض خطوں پر حکمران رہے)

۸۰۔ مینوئل۔ دوم	۱۳۹۱	۱۴۲۵ء
۸۱۔ جان۔ ہفتم	۱۴۲۵	۱۴۴۸ء
۸۲۔ قسطنطین۔ یازدہم	۱۴۴۸	۱۴۵۳ء

عثمانی ترکوں کے ایک فرمانروا سلطان محمد ثانی (۱۴۵۱۔۱۴۸۱ء) نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ پہ قبضہ کرلیا۔ اور یہ سلطنت ختم ہوگئی۔

یونان

ولادتِ مسیح سے اندازاً تین ہزار سال پہلے آریوں کی ایک شاخ جنوبی روس اور ڈینیوب کے سواحل سے یورپ کی طرف بڑھی۔ اس وقت یورپ میں ایسے لوگ آباد تھے۔ جن کا نسلی تعلق مصریوں سے تھا۔ قیاس یہ ہے کہ مصری اپنے عہد عروج میں یورپ کے بعض حصوں پر بھی قابض رہے تھے۔ اور ان کی نسلیں وسطی اور جنوبی یورپ میں آباد ہو گئی تھیں۔ ان کے قد چھوٹے، منہ گول اور سر لمبوترے تھے۔ ان میں سے بعض قبائل آدم خور بھی تھے۔ آریئے انہیں مغرب کی طرف دھکیلتے گئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بیشتر ہلاک ہو گئے اور کچھ بچ کر بحیرۂ روم کے جزائر اور شمالی افریقہ کی طرف نکل گئے۔

یہی آریئے دو ہزار ق م میں شمال یورپ سے بلقان کی طرف بڑھے ان کے ساتھ ان کے ریوڑ بھی تھے۔ ہومر (۸۵۰ ق م) ان چرواہوں کو ہیلینیز (Hellenese) کے نام سے یاد کرتا ہے ان کی زبان ایک تھی۔ یہ لوگ ہر مقاومت کو توڑ کر بحیرۂ ایجین تک پہنچ گئے اور بعد میں سسلی۔ سارڈینیا، اٹلی اور فرانس تک نکل گئے۔ یونان میں ان کے اہم شہر مقدونیہ، ایتھنز اور سپارٹا تھے۔ قبیلے قبیلے کے سرداریاں جدا تھیں، یہ سردار عموماً آپس میں لڑتے رہتے اور کبھی کبھی ایرانی حملوں کا بھی شکار بنتے تھے۔ اس صورتِ حال سے اکتا کر یونانی سرداروں نے ۶۰۰ ق م میں ایک وفاق بنایا۔ جو تمام ریاستوں کے نمائندوں پہ مشتمل تھا۔ یہ نمائندے مجسٹریٹ کہلاتے اور تمام ریاستوں کے لیے قانون بناتے تھے۔ فوج، مالیات اور امورِ خارجہ پر وفاق کا کنٹرول تھا۔ ۵۹۴ ق م میں یونان کا ایک مشہور مقنن سولن، (۶۳۹۔۵۵۹ ق م) نمائندہ منتخب ہوا۔ اس کی دانش۔ علم اور انتظامی قابلیت سے متاثر ہو کر وفاقی کونسل نے اسے صدر منتخب کر لیا اور حکومت کے تمام اختیارات اس کے حوالے کر دیئے۔ اس نے برسرِ اقتدار آتے ہی تمام قرضے منسوخ کر دیئے ایک دارالعلوم بنایا جس میں نمائندوں کی تعداد چار سو تھی۔ کئی دیگر اصلاحات نافذ کیں۔ یونان کا آئین قلم بند کیا۔ ضابطۂ

قوانین ترتیب دیا۔اور باشندگانِ یونان کو پیشہ کے لحاظ سے چار گروہوں میں تقسیم کیا۔

حالات یونہی چلتے رہے۔یہاں تک کہ ۳۵۹ ق م میں فلپ مقدونیہ کا سردار بنا۔اس نے پہلے ایتھنز اور پھر ایران کو شکست دے کر سپارٹا کے سوا باقی تمام یونانی ریاستوں پہ قبضہ جما لیا ۳۳۶ ق م میں فلپ کے قتل کے بعد سکندر مسند آرا ہوا۔اس نے سب سے پہلے اردگرد کے رقیبوں کی خبر لی۔ یہ اس قدر بے رحم تھا۔کہ جب اس نے تھی بس (یونان کا ایک شہر) کو فتح کیا،تو سارا شہر جلا دیا۔اور اس کی ساری آبادی کو جو تیس ہزار باشندوں پہ مشتمل تھی۔غلام بنا کر بیچ ڈالا۔پھر جب ۳۳۲ ق م میں فلسطین کے شہر غازہ اور لبنان کی بندرگاہ ٹائر پر قبضہ کیا۔تو آبادی کا ایک متنفس بھی زندہ نہ چھوڑا۔

اس نے شام،مصر،ایران، بخارا اور ہندوستان کو دریائے جہلم تک روند ڈالا۔ان مہمات سے واپس آ رہا تھا۔کہ ۳۲۳ ق م میں بابل کے مقام پر فوت ہو گیا۔اس کے بعد اس کے جرنیلوں میں پھوٹ پڑ گئی اور یونانی مقبوضات تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔مقدونیہ اینٹی گونس کے حصہ میں آیا۔ایشیائی مقبوضات پر سلیوقس قابض ہو گیا۔انطاکیہ اسی نے بنایا تھا۔اور مصر بطلیموس نے لے لیا۔مقدونیہ اور یونانی ایشیا میں پھر جمہوریتیں بن گئیں۔۱۴۶ ق م میں سلطنت رومہ (شرقی) نے سارے یونان اور ایشیائے صغیر پہ قبضہ کر لیا۔البتہ مصر کا بطلیموسی خاندان، جو تاریخ میں بطالسۂ مصر کے نام سے مشہور ہے۔تین صدیوں تک زندہ رہا۔اس کے بادشاہوں کے نام یہ ہیں:۔

بطالسہ مصر

۱۔ بطلیموس ۔ اوّل	۳۲۳ ـــــــــ ۳۰۹ قم
۲۔ ، دوم ۔ فیلاڈل فس	۳۰۹ ـــــــــ ۲۴۶ ،
۳۔ ، سوم ۔ اِرگیٹ اوّل	۲۴۶ ـــــــــ ۲۲۱ ،
۴۔ ، چہارم ۔ فیلو پیٹر	۲۲۱ ـــــــــ ۲۰۴ ،
۵۔ ، پنجم ۔ اِپی فینس	۲۰۴ ـــــــــ ۱۸۱ ،
۶۔ ، ششم ۔ فیلو میٹر	۱۸۱ ـــــــــ ۱۴۵ ،
۷۔ ، ہفتم ۔ اِرگیٹ ۔ دوم	۱۴۵ ـــــــــ ۱۱۶ ،
۸۔ ، ہشتم ۔ سوٹر	۱۱۶ ـــــــــ ۸۰ ،
۹۔ ، نہم ۔ اسکندر ۔ اوّل	۹۶ ـــــــــ ۸۹ ،

یہ مصر پہ حکمران تھا۔ اور سوٹر جزائر پر۔ ۸۹ قم میں لوگوں نے اسکندر کو معزول کر دیا۔ اور سوٹر کو دونوں حصوں کا بادشاہ بنا دیا۔

۱۰۔ ، دہم ۔ اسکندر دوم	ـــــــــ ۸۰ قم
۱۱۔ ، یازدہم ۔ فیلو پیٹر ۔ دوم	۸۰ ـــــــــ ۵۱ ،
۱۲۔ ، دوازدہم ۔ فیلو پیٹر ۔ سوم	۵۱ ـــــــــ ۴۷ قم
۱۳۔ ، سیزدہم ۔ فیلو پیٹر ۔ چہارم	۴۷ ـــــــــ ۴۴ ،
۱۴۔ قلوپطرہ	۴۴ ـــــــــ ۳۰ ،

جیسا کہ اوراق گزشتہ میں بیان ہو چکا ہے۔ غربی رومہ کے سیزر آکٹی وی ۔ َن نے مصر پہ حملہ کیا۔ قلوپطرہ نے خودکشی کر لی ۔ اور مصر سلطنت رومہ کا حصہ بن گیا۔

فرانس

زوال رومہ (غربی) کے بعد فرانس مختلف سرداریوں میں بٹ گیا تھا۔ چھٹی صدی میں ایک سردار کلاوس نے سب سے پہلے درونِ ملک کی ریاستوں کا خاتمہ کیا۔ پھر اٹلی اور جرمنی کے کچھ علاقے ہتھیا لیے اور یوں ایک اچھی خاصی سلطنت کی بنا ڈال دی۔ جب یہ فوت ہو گیا۔ تو اس کی سلطنت اس کے چار بیٹوں میں تقسیم ہو گئی۔ اور یہ آپس میں لڑنے لگے۔ اس پھوٹ کے باوجود میئرز کی ایک کونسل اتحاد فرانس کی کوشش کرتی رہی۔ چارلس مارٹل، جس نے ۷۳۲ء میں اسلامی افواج کی پیش قدمی کو ٹورس (Tours) کے مقام پر روکا تھا۔ اور جس نے فرانس کے بعض باغی سرداروں کو شکست دے کر ان کی ریاستوں کو پھر جزو سلطنت بنا لیا تھا، اسی کونسل کا ایک ممبر تھا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا پپن پہلے اس کونسل کا ممبر بنا۔ اور ۷۵۱ء میں تختِ سلطنت پہ قبضہ کر لیا۔ اس نے اٹلی کو وحشی لمبرڈز سے آزاد کرانے کے بعد پوپ کے حوالے کر دیا۔ جب ۷۶۸ء میں اس کی وفات ہوئی تو حسب رواج اس کی سلطنت اس کے دو بیٹوں شارلیمان اور کارلیمان میں بٹ گئی کارلیمان ۷۷۱ء میں مر گیا۔ اور شارلیمان ساری سلطنت کا واحد فرماں روا بن گیا۔ اس نے جرمنی کے وحشی قبائل اور لمبرڈز کو شکست دینے کے بعد اپنی سلطنت کافی پھیلا لی۔ اور پوپ کو سارے اٹلی کا فرمانروا تسلیم کر لیا۔ فرانسیسی شاہوں کا جدول یہ ہے:

۱۔ شارلیمان	۷۶۸ ——— ۸۱۴ء
۲۔ لوئس اوّل	۸۱۴ ——— ۸۴۰ء
۳۔ چارلس۔ اوّل	۸۴۰ ——— ۸۷۷ء
۴۔ لوئس۔ دوم	۸۷۷ ——— ۸۷۹ء

۵۔لوئس۔سوم	۸۷۹——————۸۸۲ء
۶۔کارلومان۔دوم	۸۸۲——————۸۸۴ء
۷۔چارلس۔دوم	۸۸۴——————۸۸۷ء
۸۔یوڈ	۸۸۷——————۸۹۲ء
۹۔چارلس۔سوم	۸۹۲——————۹۲۲ء
۱۰۔رابرٹ۔اوّل	۹۲۲——————۹۲۳ء
۱۱۔رُوڈلف	۹۲۳——————۹۳۶ء
۱۲۔لُوئس۔چہارم	۹۳۶——————۹۵۴ء
۱۳۔لوتھیر	۹۵۴——————۹۸۶ء
۱۴۔لوئس۔پنجم	۹۸۶——————۹۸۷ء
۱۵۔کےپٹ	۹۸۷——————۹۹۶ء
۱۶۔رابرٹ۔دوم	۹۹۶——————۱۰۳۱ء
۱۷۔ہنری۔اوّل	۱۰۳۱——————۱۰۶۰ء
۱۸۔فلپ۔اوّل	۱۰۶۰——————۱۱۰۸ء
۱۹۔لوئس۔ششم	۱۱۰۸——————۱۱۳۷ء
۲۰۔لوئس۔ہفتم	۱۱۳۷——————۱۱۸۰ء
۲۱۔فلپ۔دوم	۱۱۸۰——————۱۲۲۳ء

۲۲۔لوئس۔ہشتم ۱۲۲۳ ——— ۱۲۲۶ء

۲۳۔لوئس۔نہم ۱۲۲۶ ——— ۱۲۷۰ء

۲۴۔فلپ۔سوم ۱۲۷۰ ——— ۱۲۸۵ء

۲۵۔فلپ۔چہارم ۱۲۸۵ ——— ۱۳۱۴ء

۲۶۔لوئس۔دہم ۱۳۱۴ ——— ۱۳۱۶ء

۲۷۔جان۔اوّل ——— ۱۳۱۶ء

۲۸۔فلپ۔پنجم ۱۳۱۶ ——— ۱۳۲۲ء

۲۹۔چارلس۔چہارم ۱۳۲۲ ——— ۱۳۲۸ء

۳۰۔فلپ۔ششم ۱۳۲۸ ——— ۱۳۵۰ء

۳۱۔جان۔دوم ۱۳۵۰ ——— ۱۳۶۴ء

۳۲۔چارلس۔پنجم ۱۳۶۴ ——— ۱۳۸۰ء

۳۳۔چارلس۔ششم ۱۳۸۰ ——— ۱۴۲۲ء

۳۴۔چارلس۔ہفتم ۱۴۲۲ ——— ۱۴۶۱ء

۳۵۔لوئس۔یازدہم ۱۴۶۱ ——— ۱۴۸۳ء

۳۶۔چارلس۔ہشتم ۱۴۸۳ ——— ۱۴۹۸ء

۳۷۔لوئس۔دوازدہم ۱۴۹۸ ——— ۱۵۱۵ء

۳۸۔فرانسس۔اوّل ۱۵۱۵ ——— ۱۵۴۷ء

۳۹۔ ہنری۔ دوم	۱۵۴۷ — ۱۵۵۹ء
۴۰۔ فرانسس۔ دوم	۱۵۵۹ — ۱۵۶۰ء
۴۱۔ چارلس۔ نہم	۱۵۶۰ — ۱۵۷۴ء
۴۲۔ ہنری۔ سوم	۱۵۷۴ — ۱۵۸۹ء
۴۳۔ ہنری۔ چہارم	۱۵۸۹ — ۱۶۱۰ء
۴۴۔ لوئس۔ سیزدہم	۱۶۱۰ — ۱۶۴۳ء
۴۵۔ لوئس۔ چہاردہم	۱۶۴۳ — ۱۷۱۵ء
۴۶۔ لوئس۔ پانزدہم	۱۷۱۵ — ۱۷۷۴ء
۴۷۔ لوئس۔ شانزدہم	۱۷۷۴ — ۱۷۹۲ء
۴۸۔ انقلاب فرانس	— ۱۷۹۲ء
۴۹۔ پہلی جمہوریہ	۱۷۹۲ — ۱۸۰۴ء
۵۰۔ نپولین۔ اوّل	۱۸۰۴ — ۱۸۱۴ء
۵۱۔ لوئس۔ ہژدہم	۱۸۱۴ — ۱۸۲۴ء

لوئس ہفتدہم ۱۷۸۵ء میں مدعی تخت بن کر اٹھا لیکن
ناکام ہوگیا۔

۵۲۔ چارلس دہم	۱۸۲۴ — ۱۸۳۰ء
۵۳۔ لوئس نوازدہم	۱۸۳۰ — ۱۸۴۸ء
۵۴۔ نپولین۔ دوم	۱۸۴۸ — ۱۸۵۲ء
۵۵۔ نپولین۔ سوم	۱۸۵۲ — ۱۸۷۱ء

اس کے بعد دوسری جمہوریہ آگئی۔ جواب تک قائم ہے۔

سپین

جب ۷۱۱ء میں طارق جبرالٹر پہ اترا۔ تو اس وقت سپین پر غربی گاتھ کی حکومت تھی۔ روڈرک، جو اس شاخ کا آخری بادشاہ تھا، طارق سے شکست کھا کر بھاگا۔ اور دریائے وادی الکبیر کو عبور کرتے ہوئے ڈوب گیا۔ اسلامی فوجیں نہ صرف سپین پہ چھا گئیں۔ بلکہ فرانس میں ٹورس (Tours) تک جا پہنچیں جو پیرس سے اندازاً ۱۸۰ میل جنوب مغرب میں واقع ہے۔ البتہ چند سردار شمالی پہاڑوں میں چھپ گئے۔ اور وہاں انہوں نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں بنا لیں۔ جن میں سے اراگان اور قسطیلہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ انہی ریاستوں نے آٹھ سو سال بعد اسلامی حکومت کو ختم کیا تھا اور تمام مسلمانوں کو سپین سے نکال دیا تھا۔

ابتدا میں ان ریاستوں کا تسلّط چند بستیوں پہ تھا۔ رفتہ رفتہ انہوں نے اسلامی سپین کے ملحقہ علاقے ہتھیا لیے۔ اور تیرہویں صدی میں یہ خاصی طاقت بن گئے۔

تیرہویں صدی میں اراگان کے بادشاہ		تیرہویں صدی میں قسطیلہ کے بادشاہ	
۱۔ پیٹر سوم	۱۲۷۶____۱۲۸۵ء	۱۔ الفونسو۔ دہم	۱۲۵۲____۱۲۸۴ء
۲۔ الفونسو سوم	۱۲۸۵____۱۲۹۱ء	۲۔ سانچو۔ چہارم	۱۲۸۴____۱۳۱۲ء
۳۔ جیمز دوم	۱۲۹۱____۱۳۲۷ء	۳۔ الفونسو۔ یازدہم	۱۳۱۲____۱۳۵۰ء
۴۔ الفونسو۔ چہارم	۱۳۲۷____۱۳۳۶ء	۴۔ پیٹر۔ ظالم	۱۳۵۰____۱۳۶۸ء
۵۔ پیٹر۔ چہارم	۱۳۳۶____۱۳۸۷ء	۵۔ ہنری	۱۳۶۸____۱۳۷۹ء
۶۔ جان	۱۳۸۷____۱۳۹۵ء	۶۔ جان۔ اول	۱۳۷۹____۱۳۹۰ء
۷۔ مارٹن	۱۳۹۵____۱۴۱۰ء	۷۔ ہنری۔ سوم	۱۳۹۰____۱۴۰۶ء

مارٹن بے اولاد مر گیا اور امرائے دربار نے قسطیلہ ۸۔جان دوم ۱۴۰۶۔۱۴۵۴ء
کے فرڈینان کو اراگان کا بادشاہ بنالیا۔

(جان دوم بچہ تھا۔ اس لیے اس کا چچا
فرڈینان کاروبار سلطنت چلاتا رہا۔)

۹۔ہنری۔چہارم ۱۴۵۴۔۔۱۴۷۴ء

۱۰۔ایزابلا یہ ۱۴۷۴ء میں تخت نشین
ہوئی۔ اراگان کے بادشاہ فرڈینان سے
شادی کر لی۔ اور یہ دونوں سلطنتیں ایک ہو
گئیں۔

فرڈینان اور ایزابلا نے مل کر مسلمانوں سے تمام علاقے چھین لیے اور ۱۴۹۲ء میں اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ فرڈینان کی وفات ۱۵۱۶ء میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد:۔

۱۔چارلس۔پنجم ؒ	۱۵۱۶——۱۵۵۶ء
۲۔فلپ۔دوم	۱۵۵۶——۱۵۹۸ء
۳۔فلپ۔سوم	۱۵۹۸——۱۶۲۱ء
۴۔فلپ۔چہارم	۱۶۲۱——۱۶۶۵ء
۵۔چارلس۔دوم	۱۶۶۵——۱۷۰۰ء
۶۔فلپ۔پنجم	۱۷۰۰——۱۷۴۶ء
۷۔فرڈینان۔ششم	۱۷۴۶——۱۷۵۹ء
۸۔چارلس۔سوم	۱۷۵۹——۱۷۸۸ء
۹۔چارلس۔چہارم	۱۷۸۸——۱۸۰۸ء

۱۰۔ نپولین I شاہ فرانس	۱۸۰۸ــــــــــــ۱۸۱۲ء
۱۱۔ فردینان۔ ہفتم	۱۸۱۲ــــــــــــ۱۸۲۳ء
۱۲۔ ایزابلا۔ دوم	۱۸۲۳ــــــــــــ۱۸۶۸ء

اس کے بعد جمہوریت قائم ہوگئی۔ درمیان میں کبھی کبھی ملوکیت بھی سر اٹھاتی رہی۔ لیکن کامیاب نہ ہوسکی۔ ۱۹۳۶ء میں جنرل فرانکو جمہوریہ سپین کے صدر بن گئے۔

سپین کے اسلامی سلاطین کے جداوِل باب سوم میں ملاحظہ فرمایئے۔

جرمنی

جرمنی میں مختلف وحشی قبائل مثلاً وینڈل، سیکسنز، اینگلز وغیرہ آباد تھے۔ ان کے سردار جدا جدا تھے۔ غربی رومہ کے خاتمہ کے بعد جرمنی کئی حصوں میں منقسم ہوگیا۔ شمال میں فرانکس کا غلبہ تھا۔ جنوب میں بویریا ذرا اوپر تھرنگیا اور شمال مشرقی علاقوں پر سیک سنز کا تسلّط تھا۔ ان میں سے ایک سردار کلادس نے بویریا۔ تھرنگیا اور چند دیگر علاقوں پہ قبضہ کرلیا۔ جب ۵۱۱ء میں اس کی وفات ہو گئی۔ تو بعض سرداروں نے اس کے لڑکے تھیوڈراڈک (۵۱۱۔ ۵۴۸ء) سے کچھ علاقے چھین لیے۔ اس کے بعد کوئی کام کا آدمی تخت نشین نہ ہوا اور چھوٹے بڑے سردار تین سو برس تک آپس میں لڑتے رہے۔ جب ۷۶۸ء میں شارلیمان فرانس کا بادشاہ بنا تو اس نے جرمنی کے بیشتر علاقوں پہ قبضہ کرلیا۔ اس کے اَخلاف اندازاً سو برس تک جرمنی پہ حکمران رہے۔ آخری بادشاہ لوئیس دی چائلڈ تھا۔ جو ۹۱۱ء میں فوت ہوا۔ اس کی وفات پر جرمن امرا نے فرینکونیا کے ایک ڈیوک کانرڈ کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ اور اس وقت سے جرمنی ایک الگ ریاست بن گئی۔ جو آج تک قائم ہے۔ جدول سلاطین یہ ہے:۔

۱۔ کانرڈ	۹۱۱ــــــــــــ۹۱۸ء
۲۔ ہنری۔ اوّل	۹۱۸ــــــــــــ۹۲۶ء

۳۔آٹو۔اوّل	۹۳۶————۹۷۳ء
۴۔آٹو۔دوم	۹۷۳————۹۸۳ء
۵۔آٹو۔سوم	۹۸۳————۱۰۰۲ء
۶۔ہنری۔دوم	۱۰۰۲————۱۰۲۴ء
۷۔کانرڈ۔دوم	۱۰۲۴————۱۰۳۹ء
۸۔ہنری۔سوم	۱۰۳۹————۱۰۵۶ء
۹۔ہنری۔چہارم	۱۰۵۶————۱۱۰۷ء
۱۰۔کانرڈ۔سوم	۱۱۰۷————۱۱۵۲ء
۱۱۔فریڈرک۔اوّل (باربروسہ)	۱۱۵۲————۱۱۸۷ء
۱۲۔ہنری۔ششم	۱۱۸۷————۱۱۹۷ء

ہنری پنجم ۱۱۲۵ء میں مرگیا تھا۔

۱۳۔آٹو۔چہارم	۱۱۹۰————۱۲۱۲ء
۱۴۔فریڈرک۔دوم	۱۲۱۲————۱۲۵۰ء
۱۵۔کانرڈ۔چہارم	۱۲۵۰————۱۲۵۴ء

اس کے بعد انیس برس تک جرمن سردار آپس میں لڑتے رہے۔آخر پوپ نے مداخلت کی اور رُوڈلف بادشاہ بنا۔

۱۶۔روڈلف۔اوّل	۱۲۷۲————۱۲۹۱ء
۱۷۔روڈلف۔دوم	۱۲۹۱————۱۲۹۸ء

۱۸۔البرٹ۔اوّل	۱۲۹۸ــــــــ۱۳۰۸ء
۱۹۔ہنری۔ہفتم	۱۳۰۸ــــــــ۱۳۱۳ء
۲۰۔لُوئس	۱۳۱۳ــــــــ۱۳۴۶ء
۲۱۔چارلس۔چہارم	۱۳۴۶ــــــــ۱۳۷۶ء

یہ دراصل بوہیمیا کا بادشاہ تھا۔ جرمنی نے بھی اسے اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا۔

۲۲۔وِنزل	۱۳۷۶ــــــــ۱۴۰۰ء
۲۳۔رُوپرٹ	۱۴۰۰ــــــــ۱۴۱۰ء
۲۴۔سگمنڈ	۱۴۱۰ــــــــ۱۴۳۷ء
۲۵۔البرٹ۔دوم	۱۴۳۷ــــــــ۱۴۳۹ء
۲۶۔فریڈرک۔سوم	۱۴۳۹ــــــــ۱۴۸۶ء
۲۷۔میکزِی ملیان۔اوّل	۱۴۸۶ــــــــ۱۵۱۹ء
۲۸۔چارلس۔پنجم	۱۵۱۹ــــــــ۱۵۵۸ء
۲۹۔فردینان۔اوّل	۱۵۵۸ــــــــ۱۵۶۴ء

یہ آسٹریا کا بادشاہ تھا۔ پوپ کی مدد سے جرمنی کا بھی بادشاہ بن گیا۔

۳۰۔میکزی ملیان۔دوم	۱۵۶۴ــــــــ۱۵۷۶ء
۳۱۔رُوڈلف۔سوم	۱۵۷۶ــــــــ۱۶۱۲ء
۳۲۔مٹ ہیاس	۱۶۱۲ــــــــ۱۶۱۹ء
۳۳۔فردینان۔دوم	۱۶۱۹ــــــــ۱۶۳۷ء

۳۴۔فردینان۔سوم	۱۶۳۷ــــــــ۱۶۵۷ء
۳۵۔لیو پولڈ۔اوّل	۱۶۵۷ــــــــ۱۷۰۵ء
۳۶۔جوزف۔اوّل	۱۷۰۵ــــــــ۱۷۱۱ء
۳۷۔چارلس ششم	۱۷۱۱ــــــــ۱۷۴۰ء
۳۸۔ماریاتھریسا	۱۷۴۰ــــــــ۱۷۴۲ء
۳۹۔چارلس۔ہفتم	۱۷۴۲ــــــــ۱۷۴۵ء
۴۰۔فرانس۔اوّل	۱۷۴۵ــــــــ۱۷۶۵ء
۴۱۔جوزف۔دوم	۱۷۶۵ــــــــ۱۷۹۰ء
۴۲۔لیو پولڈ۔دوم	۱۷۹۰ــــــــ۱۷۹۲ء
۴۳۔فرانس۔دوم	۱۷۹۲ــــــــ۱۸۰۴ء
۴۴۔نپولین (شاہ فرانس)	۱۸۰۴ــــــــ۱۸۱۳ء
۴۵۔فیڈریشن بن گئی	۱۸۱۳ــــــــ۱۸۴۸ء
۴۶۔فریڈرک۔چہارم	۱۸۴۸ــــــــ۱۸۶۱ء

دورِ جمہوریت کا آئینی بادشاہ

۴۷۔ولیم۔اوّل	۱۸۶۱ــــــــ۱۸۸۸ء

اس کا وزیراعظم بسمارک تھا۔

۴۸۔ولیم۔ثانی	۱۸۸۸ــــــــ۱۹۱۸ء

اس نے پہلی جنگ عالمگیر شروع کی تھی۔

۴۹۔البرٹ ۱۹۱۸ــــــــــ۱۹۲۵ءصدر جمہوریہ

۵۰۔ہنڈن برگ ۱۹۲۵ــــــــــ۱۹۳۳ء

۵۱۔ہٹلر ۱۹۳۳ــــــــــ۱۹۴۶ء

یہ دوسری جنگ عظیم کا باعث تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جرمنی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ مشرقی اور مغربی۔ مشرقی روس کے زیر اثر ہے اور مغربی نسبتاً آزاد ہے۔ مغربی جرمنی کا چانسلر ایدینار (۱۹۴۶۔۱۹۶۳) ۱۹۶۳ء میں مستعفی ہوا تھا اور اس کی جگہ پروفیسر ارہرڈ نے لی تھی۔

برطانیہ

عہد قدیم میں برطانیہ وحشی قبائل کا مسکن تھا۔ ساتویں صدی قم میں یورپ سے چند نئے قبائل جو سیلٹس (Celts) کے نام سے مشہور تھے۔ ان جزائر میں داخل ہوئے اور اصلی باشندوں کو پہاڑوں میں دھکیل دیا۔ ۵۵ قم میں جولیس سیزر نے، جو اس وقت فرانس کا گورنر تھا۔ برطانیہ کو فتح کر لیا۔ لیکن مال غنیمت اور کئی ہزار غلام لے کر واپس چلا گیا۔ ۴۳ء میں کلاڈی ئس (۴۱۔۵۴ء) نے برطانیہ کو فتح کر لیا اور یہ جزائر انداز اً چار سو برس تک رومہ کے زیر نگیں رہے۔ رومہ کے بعد جرمنی کے تین قبائل یعنی اینگلز۔ سیکسنز اور جُوٹس برطانیہ پہ چھا گئے۔ یہ لوگ نہایت جاہل۔ اُجڈ۔ مُفلِس اور جنگ پسند تھے۔ گارے کے گھروں میں رہتے، کھالیں پہنتے اور آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ ان کے سردار جدا جدا تھے۔ دو اڑھائی صدیوں کے بعد ان میں الفریڈ نامی ایک سردار اٹھا۔ جس نے مختلف قبائل کو مطیع کر کے ایک باقاعدہ حکومت کی بنیاد ڈالی۔ یہ صاحب علم بھی تھا۔ اس نے لاطینی کی چند کتابوں کو انگریزی میں منتقل کیا۔ برطانوی سلاطین کا سلسلہ اسی سے شروع ہوتا ہے۔

۱۔الفریڈ ۸۷۱ــــــــــ۹۰۱ء

۲۔ایڈورڈ۔اوّل ۹۰۱ــــــــــ۹۲۵ء

۳۔ اتھلستن	۹۲۵ ——— ۹۴۰ء
۴۔ ایڈمنڈ۔ اوّل	۹۴۰ ——— ۹۴۶ء
۵۔ ایڈریڈ	۹۴۶ ——— ۹۵۵ء
۶۔ ایڈوی	۹۵۵ ——— ۹۵۸ء
۷۔ ایڈگر	۹۵۸ ——— ۹۷۵ء
۸۔ ایڈورڈ۔ دوم	۹۷۵ ——— ۹۷۹ء
۹۔ اِتھل رَیڈ	۹۷۹ ——— ۱۰۱۶ء
۱۰۔ ایڈمنڈ۔ دوم	۱۰۱۶ ——— ۱۰۱۷ء
۱۱۔ قنیُوط	۱۰۱۷ ——— ۱۰۳۵ء
۱۲۔ ہیرلڈ۔ اوّل	۱۰۳۵ ——— ۱۰۴۰ء
۱۳۔ ہارڈی۔ قنیُوط	۱۰۴۰ ——— ۱۰۴۲ء
۱۴۔ ایڈورڈ۔ سوم	۱۰۴۲ ——— ۱۰۶۶ء
۱۵۔ ہیرلڈ۔ دوم	۱۰۶۶۔ اسی سال نارمنڈی (فرانس) کے ولیم نے برطانیہ پر قبضہ کرلیا۔ موجودہ شاہی خاندان اسی ولیم کی اولاد ہے۔
۱۶۔ ولیم اوّل (فاتح)	۱۰۶۶ ——— ۱۰۸۷ء
۱۷۔ ولیم۔ دوم	۱۰۸۷ ——— ۱۱۰۰ء
۱۸۔ ہنری۔ اوّل	۱۱۰۰ ——— ۱۱۳۵ء
۱۹۔ سٹیفن	۱۱۳۵ ——— ۱۱۵۴ء
۲۰۔ ہنری۔ دوم	۱۱۵۴ ——— ۱۱۸۹ء

۲۱۔ رچرڈ۔ اوّل ۱۱۸۹ —— ۱۱۹۹ء

۲۲۔ جان ۱۱۹۹ —— ۱۲۱۶ء

۲۳۔ ہنری۔ سوم ۱۲۱۶ —— ۱۲۷۲ء

۲۴۔ ایڈورڈ۔ اوّل ۱۲۷۲ —— ۱۳۰۷ء

۲۵۔ ایڈورڈ۔ دوم ۱۳۰۷ —— ۱۳۲۷ء

۲۶۔ ایڈورڈ۔ سوم ۱۳۲۷ —— ۱۳۷۷ء

۲۷۔ رچرڈ۔ دوم ۱۳۷۷ —— ۱۳۹۹ء

۲۸۔ ہنری۔ چہارم ۱۳۹۹ —— ۱۴۱۳ء

۲۹۔ ہنری۔ پنجم ۱۴۱۳ —— ۱۴۲۲ء

۳۰۔ ہنری۔ ششم ۱۴۲۲ —— ۱۴۶۱

۳۱۔ ایڈورڈ۔ چہارم ۱۴۶۱ —— ۱۴۸۳ء

۳۲۔ ایڈورڈ۔ پنجم —— ۱۴۸۳ء

۳۳۔ رچرڈ۔ سوم ۱۴۸۳ —— ۱۴۸۵ء

۳۴۔ ہنری۔ ہفتم ۱۴۸۵ —— ۱۵۰۹ء

۳۵۔ ہنری۔ ہشتم ۱۵۰۹ —— ۱۵۴۷ء

۳۶۔ ایڈورڈ۔ ششم ۱۵۴۷ —— ۱۵۵۳ء

۳۷۔ میری ۱۵۵۳ —— ۱۵۵۸ء

۳۸۔ ایلزبتھ ۱۵۵۸ —— ۱۶۰۳ء

۳۹۔ جیمز۔ اوّل	۱۶۰۳ —————— ۱۶۲۵ء
۴۰۔ چارلس۔ اوّل	۱۶۲۵ —————— ۱۶۴۲ء
۴۱۔ خانہ جنگی ؎	۱۶۴۲ —————— ۱۶۴۹ء
۴۲۔ کرامویل۔ اوّل	۱۶۴۹ —————— ۱۶۵۸ء
۴۳۔ کرامویل۔ دوم	۱۶۵۸ —————— ۱۶۶۰ء
۴۴۔ چارلس۔ دوم	۱۶۶۰ —————— ۱۶۸۵ء
۴۵۔ جیمز۔ دوم	۱۶۸۵ —————— ۱۶۸۸ء
۴۶۔ میری اور ولیم۔ سوم (ہر دو)	۱۶۸۸ —————— ۱۶۹۴ء
۴۷۔ ولیم سوم (تنہا)	۱۶۹۴ —————— ۱۷۰۲ء
۴۸۔ ملکہ این	۱۷۰۲ —————— ۱۷۱۴ء
۴۹۔ جارج۔ اوّل	۱۷۱۴ —————— ۱۷۲۷ء
۵۰۔ جارج۔ دوم	۱۷۲۷ —————— ۱۷۶۰ء
۵۱۔ جارج۔ سوم	۱۷۶۰ —————— ۱۷۸۸ء
	یہ پاگل ہو گیا تھا۔ چنانچہ پرنس آف ویلز ریجنٹ مقرر کیا گیا۔
۵۲۔ پرنس آف ویلز (ریجنٹ)	۱۷۸۸ —————— ۱۸۲۰ء
۵۳۔ جارج۔ چہارم	۱۸۲۰ —————— ۱۸۳۰ء
۵۴۔ ولیم۔ چہارم	۱۸۳۰ —————— ۱۸۳۷ء
۵۵۔ وکٹوریا	۱۸۳۷ —————— ۱۹۰۱ء

۵۶۔ایڈورڈ۔ہفتم	۱۹۰۱ـــــــــــ۱۹۱۰ء
۵۷۔جارج۔پنجم	۱۹۱۰ـــــــــــ۱۹۳۶ء
۵۸۔ایڈورڈ۔ہشتم	ـــــــــــ۱۹۳۶ء

اس نے خلاف دستور ایک عورت مسز سمپسن سے شادی کا ارادہ کیا۔ پارلیمنٹ نے اجازت نہ دی۔اور اس نے تخت چھوڑ دیا۔

۵۹۔جارج۔ششم	۱۹۳۶ـــــــــــ۱۹۵۴ء
۶۰۔ایلزبتھ	۱۹۵۴ـــــــــــ(۱۹۶۳ءمیں زندہ تھی)

رُوس

ہر چند کہ روس ہماری تہذیب وثقافت سے بہت کم متاثر ہوااور اس کی تاریخ سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔لیکن یہ ملک صدیوں سے اسلامی ممالک کا ہمسایہ چلا آتا ہے۔اس کے جنوب میں افغانستان، بخارا، ایران وعراق واقع ہیں۔اور جنوب مغرب میں ٹرکی۔افغانستان کے سوا باقی تمام ممالک بارہ سو سال تک علم وثقافت کے مرکز رہے ہیں۔یہ ناممکن ہے کہ روس ان ممالک کی تہذیب سے غیر متاثر رہا ہو۔دریائے والگا کے دونوں طرف لاکھوں مسلمانوں کا وجود ہی اس امر کی نا قابل تردید شہادت ہے۔کہ اسلامی اثرات غربی روس کے اندرونی خطوں تک پہنچے۔پھر بحیرۂ اسود کے شمالی ساحل پر مسلمانوں کا ایک خاندان ۱۴۲۰ء سے ۱۷۸۳ء تک حکمران رہا۔یہ سلاطین خانانِ قُرم کے نام سے مشہور تھے۔ان کی حکومت کریمیا سے کیف تک پھیلی ہوئی تھی اور شاہوں کی تعداد باسٹھ تھی۔انہوں نے اپنی وسیع سلطنت میں لاتعداد مدارس ومساجد قائم کیں۔جن میں صدہا علما علوم وفنون کا درس دیا کرتے تھے۔مقام تاسف ہے کہ ان سلاطین کے ثقافتی وعلمی کارنامے کسی مسلم مؤرخ نے قلم بند نہیں کیے۔ممکن ہے کہ اس موضوع پر روسی زبان میں

کوئی کتاب موجود ہو۔ لیکن میری نظر سے نہیں گزری۔

روس کارل مارکس (۱۸۱۸۔۱۸۸۳ء) کا پیرو ہے۔ یہ فلسفی جرمنی میں پیدا ہوا تھا۔ اس ملک میں اسلامی علوم و فنون کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ جرمنی میں قرآن حکیم کے تراجم بھی ہو چکے ہیں۔ قرآن حکیم۔ ذخیرہ اندوزی۔ سرمایہ داری اور جمع دولت کا دشمن ہے۔ زائد از ضرورت اشیاء پاس رکھنے سے روکتا ہے اور تقسیم دولت کے لیے میراث، زکوٰۃ، صدقات اور عشر کا بار بار حکم دیتا ہے کارل مارکس کے معاشی فلسفے کا مقصد بھی دولت کو بانٹنا اور سرمایہ داری کو روکنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مارکس نے یہ فلسفہ کہاں سے لیا؟ گو ہم کوئی علمی شہادت پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن اس امر کا قوی امکان ہے کہ قرآن کی آواز مارکس کے کانوں تک بھی پہنچی ہو۔ اور اس نے کچھ نہ کچھ تاثر لیا ہو۔

بہر حال یہ تھا وہ جزوی تعلق، جس کی بنا پر مجھے یہاں روس کی تاریخ بھی مختصراً لکھنی پڑی۔

نویں صدی عیسوی سے پہلے روس میں کیا ہو رہا تھا۔ ہمیں معلوم نہیں۔ صرف اتنا ہی علم ہے کہ وہاں وحشی قبائل آباد تھے۔ جن کے سردار جدا جدا تھے۔ سرداروں کا یہ سلسلہ تیرہویں صدی تک جاری رہا۔ تیرہویں صدی کے آغاز میں چنگیز خاں (۱۲۲۷ء) روس کے بیشتر حصوں پر چھا گیا۔ اس کے اخلاف نے وہاں ریاستیں بنالیں۔ جو اڑھائی سو برس تک زندہ رہیں۔ ۱۳۸۰ء میں ماسکو کے سردار آئیون دوم نے تاتاریوں کو پہلی شکست دی۔ جس سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور چند سال بعد اس کے جانشین آئیون۔ سوم (۱۴۶۲۔۱۵۰۵ء) نے انہیں روس کی سرزمین سے باہر دھکیل دیا۔ زار کا لقب سب سے پہلے آئیون سوم نے اختیار کیا تھا۔ زاروں کا یہ سلسلہ ۱۹۱۸ء تک جاری رہا۔ پھر اشتراکی نظام قائم ہو گیا۔ جس کا پہلا سربراہ لینن (۱۹۲۴) دوسرا سٹالن (۱۹۵۳) تیسرا بلگانین (۱۹۵۸) اور ۱۹۶۲ء میں خروشیف تھا۔

روس کے حکمران خاندان:۔

ا۔ کیف کے ڈیوکس	۸۶۰ ——————— ۱۱۵۷ء

۲۔ ولادیمیر کے ڈیوکس	۱۱۵۷ ——— ۱۳۲۵ء
۳۔ ماسکو کے ڈیوکس	۱۳۲۵ ——— ۱۴۶۲ء
۴۔ زاروں کا سلسلہ	۱۴۶۲ ——— ۱۹۱۸ء

سسلی

یہ جزیرہ اٹلی کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۹۸۶۰ مربع میل ہے۔ آٹھویں صدی قم میں اس پر یونانی چھا گئے۔ جن کے چھوٹے چھوٹے سردار صدیوں تک آپس میں لڑتے رہے۔ دوسری صدی قم میں کارتھیج کا غلبہ ہو گیا۔ پھر یہ جزیرہ غربی رومہ کا حصہ بن گیا۔ اور اس کے زوال کے بعد شرقی رومہ میں شامل ہو گیا۔ جب اس جزیرے پر مسلمانوں کے حملے شروع ہوئے۔ تو یہ مشرقی رومہ کا ایک صوبہ تھا۔ پہلا حملہ ۶۵۳ء (خلافت عثمانؓ) میں ہوا۔ اور آخری ۸۲۷ء میں۔ یہ کل تیرہ حملے تھے۔ پہلے بارہ حملوں میں مسلمان شریر عیسائیوں کی گوشمالی کے بعد واپس جاتے رہے۔ لیکن جب ان کی چیرہ دستیاں ناقابل برداشت ہو گئیں تو دولتِ اغالبہ کے فرمانروا زیادۃ اللہ اوّل نے ایک فوج اپنے قاضی القضاۃ اسد بن فرات کی کمان میں روانہ کی۔ جو ۸۲۷ء میں سسلی پہ اتری۔ اور اہم مقامات پر قابض ہو گئی یہ جزیرہ ۹۱۶ء تک اغالبہ کے قبضے میں رہا اور ۹۱۶ء سے ۹۴۷ء تک فاطمی خلفا کے تسلّط میں۔ اس کے بعد یہاں کلبی خاندان برسرِ اقتدار آ گیا۔ بات یوں ہوئی۔ کہ المنصور فاطمی (۹۴۵۔۹۵۲ء) نے ایک جرنیل حسن بن علی کلبی کو سسلی کا گورنر بنا کر بھیجا۔ یہ رفتہ رفتہ خودسر ہو گیا۔ گو یہ بظاہر فاطمیوں کی اطاعت کا دم بھرتا رہا۔ لیکن دراصل آزاد تھا۔ اس کا خاندان ۹۴۷ء سے ۱۰۳۹ء تک برسرِ اقتدار رہا۔ ان فرمانرواؤں کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ حسن بن علی	۹۴۷ ——— ۹۵۴ء
۲۔ احمد بن حسن	۹۵۴ ——— ۹۶۸ء
۳۔ یعیش (حسن کا غلام)	۹۶۸ ——— ۹۶۹ء

۴۔احمد بن حسن (دوبارہ)	——— ۹۶۹ء
۵۔ابوالقاسم بن حسن	۹۶۹ ——— ۹۸۲ء
۶۔جابر بن ابوالقاسم	۹۸۲ ——— ۹۸۳ء
۷۔جعفر بن محمد	۹۸۳ ——— ۹۸۵ء
۸۔عبداللہ بن محمد	۹۸۵ ——— ۹۸۹ء
۹۔یوسف بن عبداللہ	۹۸۹ ——— ۹۹۸ء
۱۰۔جعفر بن یوسف	۹۹۸ ——— ۱۰۱۹ء
۱۱۔احمد بن یوسف	۱۰۱۹ ——— ۱۰۳۵ء
۱۲۔حسین بن یوسف	۱۰۳۵ ——— ۱۰۳۹ء
۱۳۔طوائف الملوکی	۱۰۳۹ ——— ۱۰۵۲ء

فرانس کے نارمن تجارت کی غرض سے اٹلی کی جنوبی ریاستوں میں آنے لگے۔اور رفتہ رفتہ انہوں نے وہاں ایک ریاست قائم کر لی۔جس کا سردار رابرٹ گاسکرڈ تھا۔اس نے اپنے چھوٹے بھائی راجر کو ۱۰۵۲ء میں سسلی پہ حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔اور ایک خاصی فوج اس کی کمان میں دی۔ سسلی کے مسلم سردار جو تیرہ برس سے باہم لڑ رہے تھے۔اس حملے کی تاب نہ لا سکے۔اور ایک ایک کر کے ختم ہو گئے۔البتہ ایک سردار ابن البعباع برسوں لڑتا رہا۔لیکن کہاں تک۔۱۰۹۱ء میں اس نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔اور چالیس برس کی جنگوں کے بعد پورا جزیرہ نارمنوں کے قبضے میں چلا گیا۔

نارمن بادشاہ:۔

۱۔راجر۔اول	۱۰۹۱ ——— ۱۱۰۱ء

سسلی پہ جزوی قبضہ (۱۰۵۲ء) میں ہو چکا تھا

۲۔سائمن	۱۱۰۱ ——— ۱۱۰۵ء
۳۔راجر۔دوم	۱۱۰۵ ——— ۱۱۵۴ء
۴۔ولیم۔اوّل	۱۱۵۴ ——— ۱۱۶۶ء
۵۔ولیم۔دوم	۱۱۶۶ ——— ۱۱۸۹ء
۶۔ٹینکرڈ (وَلَدُالحرام)	۱۱۸۹ ——— ۱۱۹۴ء
۷۔ولیم۔ثالث	——— ۱۱۹۴ء

یہ آخری نارمن بادشاہ تھا۔اس کے بعد جرمنی کے ہنری ششم نے سسلی کو فتح کرلیا۔

۸۔ہنری۔ششم	۱۱۹۴ ——— ۱۱۹۷ء
۹۔فریڈرک۔دوم	۱۱۹۷ ——— ۱۲۵۰ء

اس نے ۱۲۴۱ء میں تمام مسلمانوں کو سسلی سے نکال دیا تھا۔

۱۰۔مینفریڈ	۱۲۵۰ ——— ۱۲۶۶ء

یہ تھا آخری جرمن بادشاہ۔اس کے بعد سسلی پہ فرانس کا قبضہ ہوگیا۔اس وقت لوئیس۔نہم حکمران تھا۔اس نے اپنے بھائی چارلس آف اَین جُو کو سسلی کا فرمانروا بنادیا۔

۱۱۔چارلس آف اَین جُو علیہ اول	۱۲۶۶ ——— ۱۲۸۵ء
۱۲۔چارلس آف اَین جُو۔دوم	——— ۱۲۸۵ء

اس کے بعد سسلی پہ اراگان (سپین) قابض ہوگیا۔ان بادشاہوں نے ۱۲۸۵ء سے ۱۴۴۲ء تک حکومت کی۔پھر فرانس کا غلبہ ہوگیا۔کچھ عرصے کے بعد دوبارہ سپین کے قبضے میں چلا گیا۔

پورے چار سو سال کی افراتفری کے بعد یہ جزیرہ ۱۸۶۰ء میں اٹلی کا حصہ بن گیا۔

یہ تھی چند اقوام یورپ کی مختصر تاریخ۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ قرونِ وسطیٰ میں ان اقوام کی اخلاقی و معاشی حالت کیا تھی؟ ان کا تمدن کیسا تھا؟ اور تہذیب کس قسم کی تھی۔

۱۔ برطانیہ میں پارلیمنٹ برسوں بادشاہوں کے خلاف لڑتی رہی۔ دونوں کی فوجیں الگ الگ تھیں۔ بالآخر پارلیمنٹ کامیاب ہوئی اور جمہوریت قائم ہوگئی، فرانس کا انقلاب بھی مملوکیت کے خلاف جہاد تھا۔ امریکہ میں جارج واشنگٹن نے برطانوی استعمار کو شکست دے کر جمہوریت قائم کی۔

۲۔ چونکہ یہ نام یورپ کی عام تواریخ میں یکجا نہیں ملتے۔ اس لیے مختلف مآخذ سے جمع کر کے یہاں لکھ دیے ہیں تاکہ طلبۂ تاریخ کو سہولت رہے۔

۳۔ پاپائے روم کی حکومت زوالِ رومہ کے بعد شروع ہوئی۔ ۹۵۵ء میں مستحکم ہوگئی۔ دورِ عروج میں فرانس آسٹریا۔ جنوبی جرمنی اور غربی یوگوسلاویہ پاپائی سلطنت کے حصے تھے۔ یہ سلطنت ربڑ کی طرح پھیلتی اور سمٹتی رہی۔ انیسویں صدی میں یہ اندازاً پندرہ ہزار مربع میل رہ گئی تھی۔

۴۔ ۳۰۵ء کو روم میں تخت نشین ہوا تھا۔ اس نے ۳۳۰ء میں اپنا پایۂ تخت استنبول (بائزنٹیم) میں منتقل کر لیا۔ یہ حرامی تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا برطانیکا)

۵۔ ولادتِ مسیح سے اندازاً پانچ ہزار سال پہلے فرعون منس نامی مسندِ حکومت پہ بیٹھا اس کا دارالخلافہ منفس تھا۔ جو نیل کے ڈیلٹا پر واقع تھا۔ فرعونوں کا یہ سلسلہ ۵۲۳ق م تک باقی رہا اور اس کے بعد کچھ وقت کے لیے ایرانی مصر پہ قابض ہو گئے۔ ان فرعونوں کی حکومت دورِ عروج میں عراق تک پھیل گئی تھی۔ بحیرۂ روم کے بیشتر جزائر اور یورپ کے کچھ علاقے بھی کچھ وقت کے لیے ان کے قبضے میں رہے۔

۶۔ ملاحظہ ہو ایچ۔ جی ویلز کی ''آؤٹ لائن آف ہسٹری ص ۳۵۳''۔

۷۔ علم ہیئت کی مشہور کتاب اَلمَجِسطی کا مصنف بطلیوس ایک الگ شخصیت تھی۔ جو چار سو سال بعد مصر میں پیدا ہوا۔ یہ ۱۲۷ء سے ۱۵۱ء تک اسکندریہ میں مشاہدات قلم بند کرتا رہا اور پھر تیرہ جلدوں میں اَلمَجِسطی لکھی۔ (انسائیکلوپیڈیا برطانیکا)

۸۔ دریائے ڈینیوب کے دونوں طرف گاتھ آباد تھے۔ غربی کنارے والے غربی گاتھ اور مشرقی والے شرقی گاتھ کہلاتے ہیں۔

۹۔ جنوبی سپین کا دریا۔ جو صوبۂ جیین سے نکل کر قرطبہ اور اشبیلیہ سے ہوتا ہوا خلیج قادِیس (بحیرۂ روم) میں جا گرتا ہے۔

۱۰۔ یہ جدول چارلس پنجم سے شروع ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ پہلے چار کہاں گئے۔ [illegible] ب یہ ہے۔ [illegible] ان اور

قسطیلہ کے شاہوں کا سلسلہ تو ۱۰۷۱ء (حملہ طارق) سے چلتا ہے۔ لیکن ہم نے خوف طوالت سے انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔ ان ریاستوں کی تعداد پانچ کے قریب تھی اور ان کے سلاطین کا سلسلہ بہت دراز تھا۔ یہ چار چارلس ۱۵۱۶ء سے پہلے گزر چکے تھے۔ یہی حال پیٹر۔ فلپ۔ الفونسو اور دیگر ناموں کا ہے۔

۱۱۔ جرمنی کے ایک صوبے بویریا میں اس نام کے دو خطے ہیں۔ جو شمالی اور جوبی فرینکوینا کے نام سے مشہور ہیں۔

۱۲۔ سوئیڈن اور ناروے کے باشندے نارمن کہلاتے تھے۔ ان میں سے اکثر لٹیرے تھے اور کشتیوں میں بیٹھ کر دور دور تک جہازوں کو لوٹتے تھے۔ ان میں سے ایک لٹیرے سردار کا نام رولو (Rollo) تھا۔ جسے ناروے کے بادشاہ نے ملک سے نکال دیا تھا۔ یہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نارمنڈی (فرانس) کے ساحل پہ اترا شاہی فوجوں کو بارہا شکست دی۔ اور آخر شاہ فرانس نے ۹۱۱ء میں نارمنڈی کا صوبہ اس کے حوالے کر دیا۔ ولیم فاتح اسی رولو کی نسل سے تھا۔ جب شاہ فرانس اور رولو میں صلح ہوئی۔ تو ایک درباری نے رولو سے کہا کہ وہ بادشاہ کے پاؤں کو بوسہ دے۔ رولو نے انکار کر دیا لیکن درباریوں کے پیہم اصرار پر اس نے ایک ساتھی کو پابوسی کا اشارہ کیا اس نے خود جھکنے کی بجائے بادشاہ کی لات کو اپنے منہ کی طرف اٹھایا اور بادشاہ اوندھا جا پڑا۔

۱۳۔ چارلس اول پارلیمنٹ کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ تنگ آ کر پارلیمنٹ نے اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ یہ جنگیں سات سال تک جاری رہیں۔ آخر چارلس کو شکست ہوئی اور اسے موت کی سزا ملی۔ پارلیمان کی فوج کی کمان کرامویل کے سپرد تھی۔ یہ پارلیمان کا ممبر بھی تھا۔ فتح کے بعد پارلیمنٹ نے اسے صدر بنا لیا۔ اس کی وفات ۱۶۵۸ء میں ہوئی۔ اور شاہی قبرستان میں دفن ہوا۔ جب ۱۶۶۰ء میں چارلس کا بیٹا چارلس دوم جو سکاٹ لینڈ کا بادشاہ تھا۔ برطانوی تخت کا بھی مالک بھی بن گیا تو اس نے کرامویل کی لاش کو قبر سے نکال کر سولی پہ لٹکا دیا۔

۱۴۔ بحیرۂ روم کے افریقی ساحل پر، جہاں آج کل ٹیونس ہے، ایک قدیم شہر جو فنیقیوں کا پایۂ تخت تھا ۳۰۰ق م میں سپین کے ساحلی شہر، بحیرۂ روم کے بعض جزائر مثلاً کارسیکا، سارڈینیا وغیرہ اور افریقہ کا شمالی ساحل اس سلطنت میں شامل تھا۔ اس دور میں رومہ کا مدمقابل کارتھیج ہی تھا۔ ان دونوں میں سسلی کے لیے تین مشہور جنگیں (پیونک وارز) ہوئیں پہلی ۲۶۴ سے ۲۴۱ ق م تک۔ دوسری ۲۰۸ سے ۲۰۱ ق م تک اور تیسری ۱۴۹ سے ۱۴۶ ق م تک پہلی دو جنگوں میں کارتھیج کو شکست ہوئی اور تیسری میں سسلی پہ قبضہ کر لیا۔ اس سلطنت کو ۴۳۹ء میں یورپ کے وحشی قبائل وینڈلز نے ختم کیا تھا۔ (دی نیو سٹینڈرڈ انسائیکلو پیڈیا)

۱۵۔ ہارون الرشید (۷۸۶ـ۸۰۹ء) نے ابراہیم بن اغلب کو ۸۰۰ء میں افریقہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ یہ بہت جلد خود مختار بن گیا۔ اس کا خاندان ۱۰۹ برس تک برسرِ اقتدار رہا۔ سلاطین کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ ابراہیم۔ اوّل ۸۰۰ ـــــــ ۸۱۱ء

۲۔عبداللہ۔اوّل	۸۱۱ ——— ۸۱۶ء
۳۔زیادۃُ اللہ۔اوّل	۸۱۶ ——— ۸۳۷ء
۴۔ابوعقال اَغلب	۸۳۷ ——— ۸۴۰ء
۵۔محمد۔اوّل	۸۴۰ ——— ۸۵۶ء
۶۔احمد	۸۵۶ ——— ۸۶۳ء
۷۔زیادۃُ اللہ۔دوم	۸۶۳ ——— ۸۶۴ء
۸۔محمد۔دوم	۸۶۴ ——— ۸۷۴ء
۹۔ابراہیم۔دوم	۸۷۴ ——— ۹۰۲ء
۱۰۔عبداللہ۔دوم	۹۰۲ ——— ۹۰۳ء
۱۱۔زیادۃُ اللہ۔ثالث	۹۰۳ ——— ۹۰۹ء

اس سلسلے کو خلفائے فاطمی نے ختم کیا تھا۔

۱۶۔ An Jon فرانس کا ایک علاقہ

دوسرا باب

قرونِ وسطیٰ میں یورپ کی اخلاقی و معاشی حالت

آج یورپ تہذیب و تمدن کی راہوں پہ بہت آگے نکل گیا ہے۔ برطانیہ جیسے چھوٹے سے ملک میں چالیس سے زیادہ یونیورسٹیاں ہیں۔ ہر یونیورسٹی کے تحت بیسیوں کالج ہیں۔ تعلیم و تدریس پر بڑے بڑے ماہرین متعین ہیں جن سے فیض پانے کے لیے دنیا کے ہر گوشے سے طلبہ آتے ہیں۔ تالیف و تصنیف کے سینکڑوں ادارے ہیں۔ جو ہر فن پر کتابوں کے انبار لگا رہے ہیں۔ صرف طبعیات (کیمیا۔ فزکس۔ حیوانات۔ نباتات۔ جمادات۔ طبقات الارض وغیرہ) پر تیس ہزار سے زائد کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ یہی حال فرانس، جرمنی اور روس کا ہے۔ سوال یہ ہے۔ کہ کیا یورپ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا؟ مطلقاً نہیں۔ یورپ صدیوں تک وحشت۔ بربریت اور تہ بر تہ جہالت میں گرفتار رہا۔ وہاں تہذیب و اخلاق کا کوئی تصور نہیں تھا۔ آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمان سپین میں پہنچے اور سو سال بعد سسلی میں وارد ہوئے۔ یہ اپنے ساتھ تاریخ۔ فلسفہ۔ طبیعیات۔ طب۔ ریاضی۔ شعر و ادب۔ تاریخ، علم الکلام اور دیگر درجنوں علوم لے گئے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ علوم۔ اٹلی۔ جرمنی۔ فرانس اور دیگر ممالک میں پہنچے۔ اور بارھویں صدی میں یورپ مائل بہ علم ہو گیا۔ یہ شوق بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ سولھویں صدی میں ایک عام بیداری پیدا ہو گئی۔ جسے یورپ کی حیات ثانیہ لکھا جاتا ہے۔

ڈاکٹر ڈریپر (۱۸۸۲ء) لکھتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں یورپ کا بیشتر حصہ لق و دق بیابان یا بے راہ جنگل تھا۔ کہیں کہیں راہبوں کی خانقاہیں اور چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد تھیں۔ جا بجا دلدلیں اور غلیظ جوہڑ تھے۔ لنڈن اور پیرس جیسے شہروں میں لکڑی کے ایسے مکانات تھے۔ جن کی چھتیں گھاس کی تھیں۔ چمنیاں۔ روشندان اور کھڑکیاں مفقود۔ آسودہ حال اُمراء فرش پر گھاس بچھاتے اور بھینس کے سینگ میں شراب ڈال کر پیتے تھے۔ صفائی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ نہ گندے پانی کو نکالنے کے لیے نالیوں اور بدرووں کا رواج تھا۔ گلیوں میں فضلے کے ڈھیر لگے رہتے تھے چونکہ

سڑکوں پہ بے اندازہ کیچڑ ہوتا تھا اور روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ اس لیے رات کے وقت جو شخص گھر سے نکلتا۔ وہ کیچڑ میں لت پت ہو جاتا۔ تنگیٔ رہائش کا یہ عالم کہ گھر کے تمام آدمی اپنے مویشیوں سمیت ایک ہی کمرے میں سوتے تھے۔ عوام ایک ہی لباس سالہا سال تک پہنتے تھے۔ جسے دھوتے نہیں تھے۔ نتیجتاً وہ چرکین۔ میلا اور بدبودار ہو جاتا تھا۔ نہانا اتنا بڑا گناہ تھا کہ جب پاپائے روم نے سسلی اور جرمنی کے بادشاہ فریڈرک ثانی (۱۲۱۲ء۔ ۱۲۵۰ء) پہ کفر کا فتویٰ لگایا۔ تو فہرست الزامات میں یہ بھی درج تھا کہ وہ ہر روز مسلمانوں کی طرح غسل کرتا ہے۔

جب سپین ؎ میں اسلامی سلطنت کو زوال آیا تو فلپ دوم (۱۵۵۶۔ ۱۵۹۸ء) نے تمام حمام حکماً بند کر دیئے۔ کیونکہ ان سے اسلام کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ اسی بادشاہ نے اشبیلیہ کے گورنر کو محض اس لیے معزول کر دیا تھا کہ وہ روزانہ ہاتھ منہ دھوتا تھا۔

غلیظ ؎ جسم اور میلے لباس کی وجہ سے جوؤں کی یہ کثرت تھی۔ کہ جب کینٹربری (برطانیہ) کا لاٹ پادری باہر نکلتا تھا۔ تو اس کی قبا پر سینکڑوں جوئیں چلتی پھرتی نظر آتی تھیں۔ فقر و فاقہ کا یہ عالم کہ لوگ سبزیاں پتے اور درختوں کی چھال ابال کر کھاتے تھے۔ متوسط طبقہ کے ہاں ہفتے میں ایک مرتبہ گوشت عیاشی سمجھا جاتا تھا۔ ۱۰۳۰ء کے قحط میں لنڈن کے بازاروں میں انسانی گوشت بھی پکتا تھا۔ اور فرانس ؎ کے ایک دریا ساؤن کے کنارے انسانی گوشت کی کتنی ہی دکانیں تھیں اُمراء معدودے چند تھے۔ جن کا کام زنا۔ شراب نوشی اور جوا تھا۔ جاگیرداروں کے قلعے ڈاکوؤں کے اڈے تھے جو مسافروں پر چھاپے مارتے اور زرِ فدیہ وصول کرنے کے لیے انہیں پکڑ لاتے تھے۔ حصولِ زر کے لیے وہ مختلف طریقے استعمال کرتے تھے۔ مثلاً پاؤں کے انگوٹھوں کو رسّی سے باندھ کر الٹا لٹکا دیتے۔ یا گرم سلاخوں سے جسم کو داغتے یا گرہ دار رسّی کو سر کے گرد لپیٹ کر پوری طاقت سے مروڑتے تھے۔

یورپ میں سڑکیں نہ تھیں۔ ذرائع حمل و نقل بیل گاڑیوں، خچر اور گدھے تھے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں ایسے ڈاکو رہتے تھے، جو آدم خور بھی تھے۔ وبائیں عام تھیں۔ صرف دسویں صدی میں دس تباہ کن قحط اور تیرہ وبائیں پھوٹیں اور لوگ مکھیوں کی طرح ہلاک ہوئے۔ شہر سنڈا اس سے بدتر

تھے۔ سوزاک اور آتشک جیسے امراض عام تھے۔ یہاں تک کہ روم کا ایک تقدس مآب پوپ لیو دہم [1]
بھی آتشک کا شکار تھا۔

ان کے پادری فریب اور جعلسازی سے کام لیتے تھے۔ پوپ جنّت کی راہداریاں اور گناہ کرنے کے پرمٹ (اجازت نامے) فروخت کیا کرتا تھا۔ لُوتھر (۱۵۴۶ء) اسی لیے تو باغی ہوا تھا۔ کہ جرمنی میں پرمٹ اور راہداریاں فروخت کرنے کا ٹھیکہ کسی اور کو مل گیا تھا۔ اور لُوتھر کی درخواست مسترد کر دی گئی تھی۔ حضرت مسیحؑ کو سولی دینے سے پہلے کانٹوں کا تاج پہنایا گیا تھا۔ اور وہ صرف ایک تھا۔ لیکن ایسے کئی تاج متعدد گرجوں میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ برچھا جس سے مسیح علیہ السلام کی پسلی کو چھیدا گیا تھا۔ ایک تھا۔ لیکن گرجوں میں ان کی تعداد گیارہ تھی۔ عوام کے لیے سود لینا حرام تھا۔ لیکن پوپ کا بینک لوگوں کو بھاری شرح سود پر قرض دیتا تھا۔ عوام گور پرست و مجسمہ ساز تھے اور علماء عشائے ربانی۔ کراماتِ اولیاء، رہبانیت اور تصرفات روح کی بحثوں میں الجھے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر ڈریپر [2] لکھتا ہے کہ وہ ۱۸۶۷ء میں روم گیا۔ وہاں جا بجا غلاظت کے ڈھیر اور گندے پانی کے جوہڑ دیکھے۔

سترہویں صدی [3] میں برلن کی یہ حالت تھی۔ کہ بازاروں میں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پڑے رہتے تھے۔ وہاں ایک عجیب قانون نافذ تھا کہ جو دیہاتی چھکڑا لے کر کسی غرض کے لیے برلن میں آئے۔ وہ کوڑے سے چھکڑا بھر کر ساتھ لیتا جائے۔

رابرٹ بریفالت لکھتا [4] ہے کہ رومیوں نے دریائے رائن کے کنارے جتنے شہر آباد کیے تھے۔ وہ رفتہ رفتہ سب اجڑ گئے۔ نویں صدی میں ان میں سے ایک بھی باقی نہیں تھا۔ ان کے کھنڈروں میں بھیڑیوں، ریچھوں اور خنزیروں کے ریوڑ گھومتے نظر آتے تھے۔۔۔۔۔ لوگوں کی بے حیائی کا یہ عالم تھا۔ کہ ڈٹ کر کھاتے، تیز شراب پی کر بنکارتے، غل مچاتے، فساد کرتے اور ہر روز حرام کاری کے نئے ریکارڈ قائم کرتے تھے۔ ان وحشیوں کی عدالتوں میں عموماً باپ۔ بیٹے کے قتل، زہر خورانی، جعلسازی، اغوا، فحش کاری اور راہزنی کے مقدمات آتے تھے۔ گبن [5] لکھتا ہے:

''اتنے طویل تاریخی زمانے میں بدی کی یہ کثرت اور نیکی کی یہ قلت کہیں اور نظر نہیں آتی۔''

گاتھ[1] قوم کا ایک مؤرخ، پروکوپیس (۵۶۰ء) لکھتا ہے:

''میں ان وحشیوں کے ہولناک افعال کے ذکر سے صفحات تاریخ کو آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔ تا کہ آئندہ نسلوں کے لیے خلافِ انسانیت افعال کی مثال زندہ رکھنے کی ذمہ داری مجھ پہ عائد نہ ہو۔''

صلیبیوں نے ۱۰۹۹ء میں بیت المقدس پہ قبضہ کیا تھا جو ۱۱۸۷ء تک جاری رہا۔ یہ حکومت کس قسم کی تھی۔ بریفالٹ[2] سے سنیئے:

''صرف بیس سال کے عرصے میں ان عیسائیوں نے سارے ملک کو برباد کر دیا۔ یہاں جاگیردارانہ نظام جاری کر دیا۔ ملک کو ٹکڑوں میں بانٹ کر مختلف یورپی سرداروں کے حوالے کر دیا جو ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ ان ظالموں کا مقصد دولت سمیٹنا تھا۔ انہوں نے ایک ایسے ملک کو جو عربوں کا مدبرانہ حکومت کی وجہ سے شاداب و آباد تھا۔ بالکل تباہ کر دیا۔''

موسیو ژاک ڈی وِتری، جو اسی زمانے میں فلسطین کے ایک شہر عکہ کا پادری تھا، اپنی کتاب ''تاریخ بیت المقدس'' میں لکھتا ہے۔

''پہلے صلیبیوں سے جو باخدا لوگ تھے۔ شریر۔ بدوضع اور ذلیل انسان یوں نکلے۔ جیسے شراب سے دُرد، زیتون سے چھال، گیہوں سے بھوسہ یا پیتل سے زنگ ـــــ اب اس ارضِ مقدس میں بدچلن، لامذہب چوروں، زانیوں، باپ کے قاتلوں، جھوٹوں، مسخروں، عیاشوں اور بے حیا پادریوں کے سوا اور کوئی موجود نہیں ـــــ یہ صلیبی فی الحقیقت شیطان کے بچے ہیں۔''

کیا پہلے صلیبی باخدا اور نیک تھے؟ اس کا جواب موسیو لیبان[3] سے سنیئے:

"جب صلیبیوں کی پہلی مہم بلغاریہ سے گزری تو تمام دیہات وقصبات میں قتل وغارت کا بازار گرم کردیا۔ یہاں تک کہ جو انسان نظر آتا۔ اسے مار ڈالتے۔ ان کا ایک شغل یہ بھی تھا کہ جو بچہ ہاتھ آتا اس کی تکا بوٹی کرکے آگ میں پھینک دیتے۔ چنانچہ راہ میں ترک سرداروں نے ان پر جا بجا حملے کیے اور ہزاروں کو ہلاک کر ڈالا۔ اب صلیبیوں نے بھاگنا شروع کیا۔ جب ان مفروروں میں سے کوئی پکڑا جاتا۔ تو صلیبی سپہ سالار اسے ذبح کرکے اس کا گوشت فوج کو کھلا دیتا۔ یہ لوگ مرد وزن، طفل و پیر، یہود، عیسائی اور مسلم سب کو مارتے اور لوٹتے ہوئے آگے بڑھ جاتے تھے۔ یہ بارہا کئی آدمیوں کو ایک ہی رسّی میں باندھ کر پھانسی دیتے۔ یہ جہاں جہاں سے گزرتے بستیاں قبرستان بن جاتیں۔ جب یہ فوج، جو دس لاکھ صلیبیوں پہ مشتمل تھی۔ فلسطین میں پہنچی۔ تو صرف بیس ہزار رہ گئی تھی۔ باقی یا تو راہ میں وباو فاقہ سے مر گئے تھے۔ اور یا ترک سرداروں نے مار ڈالے تھے۔

ان کا برتاؤ اس شہر مقدس کے مسلم باشندوں کے ساتھ اس سلوک سے قطعاً مختلف تھا۔ جو ساڑھے چار سو سال پیشتر حضرت عمرؓ نے یہاں کے عیسائی باشندوں سے کیا تھا۔ صلیبیوں کے قبضہ کے بعد مسلمانوں کی یہ حالت تھی۔ کہ ہر طرف ان کے ہاتھوں اور پاؤں کے انبار لگ گئے کچھ آگ میں زندہ پھینکے جارہے تھے۔ کچھ فصیل سے کود کر ہلاک ہو رہے تھے اور گلیوں میں ہر طرف سر ہی سر نظر آتے تھے۔۔۔۔ حضرت سلیمان کے ہیکل میں دس ہزار مسلمانوں نے پناہ لی تھی۔ عیسائیوں نے اس مقام کے تقدس کا کوئی خیال نہ کیا۔ اور سب کو قتل کر ڈالا۔ (ملخص)

یہی حال "مہذب" رومیوں کا تھا۔ آنکھیں نکالنا، زبان کاٹنا، خصی کرنا، جسم میں میخیں ٹھوکنا،

کھال کھینچنا اور زندہ جلا دینا۔ رومیوں کی عام سزائیں تھیں۔ ایک مرتبہ سب رومیوں نے روسیوں کو شکست دی۔ تو قیدیوں کے ہاتھ کاٹ کر ان کے ہار بنائے اور ان ہاروں سے قسطنطنیہ کی فصیل کو سجایا۔ ایک اور موقع پر، جب اسلامی فوج کو شکست ہوئی۔ تو رومیوں نے مسلم اسیران جنگ کو سمندر کے کنارے لٹا کر ان کے پیٹ میں لوہے کے بڑے بڑے کیل ٹھونک دیئے تاکہ بچے کھچے مسلمان جب جہازوں پہ واپس جائیں۔ تو اس منظر کو دیکھیں۔ اسی طرح جب قیصر باسل دوم (۹۶۳۔ ۱۰۲۵ء) نے بلغاریہ پہ فتح حاصل کی۔ تو پندرہ ہزار اسیران جنگ کی آنکھیں نکال ڈالیں۔ اور ہر سو قیدیوں کے بعد ایک کی ایک آنکھ رہنے دی۔ تاکہ وہ ان اندھوں کو گھروں تک پہنچا سکیں۔

تیسری صلیبی جنگ میں برطانیہ کے "شیر دل" رچرڈ۔ اول (۱۱۸۹۔۱۱۹۹ء) نے اسلامی فوج کے ایک دستے کو جو تین ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ وعدہ معافی دے کر اس سے ہتھیار رکھوا لیے۔ لیکن فوراً بعد اسلامی لشکر گاہ کے سامنے انہیں قتل کر ڈالا۔ دوسری طرف جب ایک دفعہ یہی رچرڈ بیمار ہوا تو صلاح الدین ایوبی (۱۱۶۹۔۱۱۹۳ء) جو رچرڈ کے خلاف لڑ رہا تھا۔ ایام علالت میں اسے کھانا۔ پھل اور دیگر مفرحات بھیجتا رہا۔ جب ۱۱۸۷ء میں صلاح الدین نے بیت المقدس کو فتح کیا۔ تو کسی عیسائی کو کوئی تکلیف نہ دی۔ اور ہلکا سا ٹیکس لگانے کے بعد سب کو مذہبی آزادی دے دی۔ مسلمانوں نے ہر ملک میں غیر مسلم رعایا کے ساتھ اسی طرح کا عادلانہ اور فیاضانہ سلوک روا رکھا۔ لیکن جب ہم پر کسی قوم نے غلبہ پایا۔ تو وہاں سے ہمارا نشان تک مٹا دیا۔ ہم سسلی پہ دو سو چونسٹھ اور سپین پہ سات سو اکاسی برس تک حکمران رہے لیکن آج وہاں ایک بھی مسلمان باقی نہیں ہے۔ ہندوستان پر ہمارا علم ایک ہزار برس تک لہراتا رہا۔ لیکن اب وہاں نسل کشی کی ایک خوفناک مہم کئی برس سے جاری ہے۔

چوتھی صلیبی جنگ (۱۲۰۳ء) میں یورپی فوج کا سپہ سالار بلجیم کا ایک کاؤنٹ بڈ وائن تھا۔ یہ جب صلیبیوں کو لے کر قسطنطنیہ میں پہنچا۔ (صلیبی اسی راہ سے فلسطین آیا کرتے تھے) تو اس نے سوچا کہ جنگ کا مقصد تو لوٹ ہی ہے۔ کیوں نہ قسطنطنیہ جیسے آباد و خوشحال شہر ہی کو لوٹا جائے۔

چنانچہ اس نے شہر کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک لوٹ لیا۔ اور کتابیں جلا دیں۔

جب گیارھویں صدی میں نارمن سسلی کے بڑے حصے پہ قابض ہو گئے۔ تو پوپ لیونہم (۱۰۴۹ - ۱۰۵۴ء) نے ایک خط میں قیصر روم کو لکھا:

''نارمنوں کی خود سری، شرارت اور فسق و فجور کو جو کفار سے بھی بدتر ہے۔ دیکھ کر میں نے ارادہ کر لیا ہے۔ کہ اٹلی کو ان کے ظلم سے نجات دلاؤں، نارمن کسی چیز کو نہیں مانتے۔ یہ عیسائیوں کو قتل کرتے اور طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں۔ انہیں نہ عمر کا پاس ہے۔ نہ مرد و زن کا۔ یہ اولیا کے کلیسوں کو اجاڑتے، لوٹتے اور آگ لگاتے ہیں۔ میں ان ناقابل برداشت غیر ملکیوں کے خلاف لڑنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ یہ لڑائی جائز اور مقدس ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد عوام و مذہب کی حفاظت ہے۔''

نارمنوں کی یہ عادت تھی۔ کہ جب وہ کسی خانقاہ میں داخل ہوتے۔ تو اسے لوٹ لیتے اور راہبوں کے پیٹ چیر ڈالتے۔ ایک دن نارمنوں کا ایک سردار پندرہ ساتھیوں کے ساتھ گرجے میں عبادت کے لیے گیا۔ جب وہ سب رکوع میں گئے۔ تو ان پر راہبوں نے حملہ کر دیا۔ اور سردار کے سوا باقی سب کو مار ڈالا[18]

سترھویں صدی کے یورپ کے متعلق بریفالٹ[19] لکھتا ہے۔ کہ وہ لوگ اپنی ہر بدی کو نیکی کا رنگ دیتے تھے۔ سفیروں کا کام یہ تھا کہ وہ اپنے وحشی سرداروں کی نفس پرستیوں اور بدمعاشیوں کو ایسے حسین انداز میں پیش کریں۔ کہ وہ خوبیاں بن جائیں۔ منافقت۔ جھوٹ۔ دھوکہ اور ریاکاری ایک فن لطیف بن گیا تھا۔ جس میں ہر شخص ماہر تھا اور میکاولی[20] (۱۵۲۷ء) اس فن کا امام سمجھا جاتا تھا۔ معاملہ اس حد تک پہنچ گیا تھا۔ کہ بعض ہشیار لوگ دھوکہ دینے کے لیے مسیح سے بھی کام لیتے تھے۔ زر خدا تھا۔ اور یورپ اس کا پجاری۔ اسے حاصل کرنے کے لیے فریب۔ دھوکہ۔ جھوٹ۔ کمینہ پن۔ جبر و تشدد۔ چوری۔ قزاقی اور قتل کو نیکی سمجھا جاتا تھا۔

اٹھارویں صدی میں برطانیہ کی حالت

برطانیہ[۲۱] کی حالت بالکل وہی تھی۔ جو باقی یورپ کی۔ غلاموں کی تجارت زوروں پہ تھی۔ غلاموں سے بھرے ہوئے جہاز برطانیہ میں آتے اور وہاں سے یورپ میں جاتے تھے۔ یہ غلام عموماً پانچ شلنگ فی کس کے حساب سے فروخت کیے جاتے تھے۔ جو اہل قلم ایسی کتابیں لکھتے۔ جو ارباب کلیسا کو ناپسند ہوتی تھیں تو انہیں چیئر نگ کراس اور ٹمپل بار پر کاٹھ مار کر سنگسار کر دیا جاتا تھا۔ بیگار میں پکڑنے والے ہر جگہ گھومتے پھرتے تھے۔ اور لوگوں کو گلیوں۔ گھروں اور غم و شادی کی مجالس تک سے پکڑ لے جاتے تھے۔ برطانیہ کے مشہور وزیر اعظم ولیم پٹ (۱۷۵۹۔۱۸۰۶ء) نے برطانوی ملاحوں کو اجازت دے دی تھی۔ کہ وہ ہالینڈ کے جہازوں کو جہاں پائیں لوٹ لیں۔

فرانس کی حالت

فرانس[۲۲] میں لوئیس چہار دہم (۱۶۴۳۔۱۷۱۵ء) کے بعد پرلے درجے کی ابتری پھیل گئی۔ ایک طرف قحط اور دوسری طرف بھاری ٹیکس۔ سارا ملک دکھ میں مبتلا ہو گیا۔ عوام کو غلاموں سے بھی ذلیل تر سمجھا جاتا تھا۔ جب کوئی ٹیکس لینے والا کسی بستی میں داخل ہوتا۔ تو ساری آبادی بھاگ جاتی۔ اور سرکاری ملازم ان کا سارا سامان اٹھا لے جاتے۔ بھوکوں کے مسلح انبوہ نانبائیوں پہ ہلّہ بولتے اور ان کی روٹیاں اٹھا کر بھاگ جاتے۔

الغرض[۲۳] یورپ کے عوام نے اپنے ظالم سرداروں اور بادشاہوں کے ہاتھوں وہ دکھ اٹھائے ہیں۔ کہ اگر آج وہی سلوک کتوں[۲۴] سے کیا جائے۔ تو دنیا میں غیض و غضب کا طوفان بپا ہو جائے۔ اس زمانے میں ہزارہا انسانوں کی کھال کھینچی جاتی۔ ان کے ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھوکی جاتیں اور انہیں کھولتے ہوئے پانی میں ابالا جاتا تھا۔ ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ لنڈن پھانسیوں کا شہر کہلاتا تھا۔

سپین میں مسلمانوں سے سلوک

ظالم پیٹر[۲۵] قسطنطنیہ کا بادشاہ تھا۔ اس نے ۱۳۳۴ء سے ۱۳۶۹ء تک حکومت کی۔ اس نے

ایک مرتبہ غرناطہ کے بادشاہ محمد ششم ابوسعید (۱۳۶۰۔۱۳۶۲ء) کو ایک خوشامد سے لبریز خط لکھ کر دعوت پہ بلایا۔ اس کے بیش بہا جواہرات دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ چنانچہ اسے قتل کر دیا اور جوہر اتار لیے۔

قسطیلہ [۲۶] کے ایک اور حکمران کا نام الفونسو ہشتم (۱۱۵۸۔۱۲۱۴ء) تھا۔ یہ ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار رہتا تھا۔ ایک جنگ (۱۲۱۲ء) میں فرانسیسی فوج نے بھی حصہ لیا۔ ایک مقام پر کچھ مسلمان قیدی ان کے ہاتھ لگے۔ جنہیں الفونسو نے بعد میں چھوڑ دیا۔ اور تمام فرانسیسی اس بنا پر واپس چلے گئے۔ کہ قیدیوں کو قتل کیوں نہیں کیا۔ یا زندہ کیوں نہ جلا دیا۔

تاریخ کا قطعی فیصلہ ہے کہ اگر مسلمان سپین اور سسلی میں نہ جاتے تو یورپ بربریت، فلاکت اور انتہائی بداخلاقی کی دلدلوں سے کبھی نہ نکل سکتا۔ مسلمانوں نے یورپ کو ایک تابدار تمدن، عظیم الشان تہذیب بے شمار درس گاہیں اور ہر قسم کے علوم دیئے اور انہیں کپڑے پہننا، نہانا، کھانا اور انسانوں کی طرح رہنا سہنا سکھایا۔ اخلاق و آداب کا درس دیا۔ ان سے آٹھ سو برس تک نہایت عادلانہ و فیاضانہ سلوک کیا۔ اپنے درباروں میں بڑے بڑے منصب دیئے۔ سب کچھ کیا۔ لیکن جونہی انہیں زوال آیا۔ عیسائیوں نے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ گرانے شروع کر دیئے۔ ۱۴۹۲ء میں اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہوا تھا۔ صرف آٹھ برس ہی گزرے تھے۔ کہ فردینان نے مسلمانوں سے اسلام چھڑانے کی مہم شروع کر دی۔ وہ اس طرح کہ تمام سرکردہ مسلمانوں [۲۷] کو جن کی تعداد ساڑھے تین لاکھ تھی، پکڑ کر مذہبی عدالت کے سامنے پیش کر دیا۔ ان میں سے اٹھائیس ہزار پانسو چالیس کو موت کی سزا ملی اور بارہ ہزار کو زندہ جلا دیا گیا۔ ان کی سینکڑوں لائبریریاں جن میں لاکھوں کتابیں تھیں سپردِ آتش کر دی گئیں۔ ۱۵۵۶ء میں فلپ دوم نے سارے حمام بند کر دیئے۔ ۱۶۱۰ء میں تمام مسلمانوں کو ترکِ ملک کا حکم مل گیا۔ ڈیڑھ [۲۸] لاکھ عربوں کا ایک قافلہ بندرگاہ کی طرف جا رہا تھا کہ بلیڈا نامی ایک پادری نے غنڈوں کو ساتھ ملا کر اس قافلے پر حملہ کر دیا۔ اور ایک لاکھ نفوس قتل کر ڈالے۔ اس کے بعد مسلمانوں پر گھروں، گلیوں اور بازاروں میں قاتلانہ حملے شروع ہو گئے۔ اور ۱۶۳۰ء میں ایک بھی مسلمان سپین میں باقی نہ رہا۔

اس ہجرت کا اثر یہ ہوا کہ وہ اندلس جو سارے یورپ کو علم وتہذیب کا درس دے رہا تھا۔ دفعتاً جہالت میں ڈوب گیا۔ مدارس بند ہو گئے۔ اساتذہ بھاگ گئے۔ صنعت وحرفت ختم ہو گئی اور شہر اجڑ گئے۔ اسلامی عہد میں طلیطلہ (ٹولیڈو) کی آبادی دو لاکھ تھی۔ اور آج صرف بیس ہزار ہے۔ غرناطہ کی آبادی بیس لاکھ تھی۔ اور اب پچاس ہزار ہے۔

سسلی میں مسلمانوں پہ مظالم

مسلمان ۲۶۴ برس تک سسلی پہ حکمران رہے۔ اس عرصے میں انہوں نے عیسائی رعایا سے بہترین سلوک کیا۔ ایس۔ پی سکاٹ لکھتا ہے۔

"سسلی کے عیسائی مذہبی وقومی تعصب کے باوجود مسلمانوں کی عادلانہ حکومت کو اچھی نظر سے دیکھتے تھے۔ خصوصاً قسطنطنیہ کے حریص و جابر حکومت کے مقابلے میں ------ جب بازنطینی رعایا اپنی حالت کا موازنہ مسلمانوں کی عیسائی رعایا سے کرتے۔ تو ان پر رشک کرتے۔"

لیکن جب عیسائیوں کی باری آئی تو راجر اوّل نے تبلیغ اسلام کو حکماً روک دیا اور پھر یہ قدم اٹھائے۔

۱۔ تمام مسلمانوں کو ملازمتوں سے نکال دیا۔
۲۔ ان سے زمینیں اور دکانیں چھین کر عیسائیوں میں بانٹ دیں۔
۳۔ مسلم اُمراء سے دولت چھین لی۔
۴۔ عیسائی غنڈوں کو اکسایا۔ کہ وہ مسلمانوں کے گھر جلائیں اور ان پر قاتلانہ حملے کریں۔
۵۔ حضور پرنور ﷺ کو ہر جگہ اور ہر محفل میں گالیاں دیں۔
۶۔ اذان اور نمازِ جمعہ بند کر دی۔
۷۔ فریڈرک دوم (۱۲۱۲۔۱۲۵۰ء) نے اندازاً اسّی ہزار مسلمان سسلی سے نکال کر اٹلی کے جنوب میں جا بسائے۔ جنہیں چارلس دوم (۱۲۸۵ء) نے جبراً عیسائی بنالیا۔

جب سپین کا ایک عالم ابن جبیر (۱۱۸۵ء) میں سسلی پہنچا۔ تو وہاں ایک عجیب واقعہ

دیکھا۔ یہ لوگ سسلی کی ایک بندرگاہ پر جہاز کا انتظار کر رہے تھے۔ کہ ان پاس سسلی کا ایک مسلم اپنی جوان لڑکی کے ساتھ آیا۔ اور کہنے لگا کہ میری اس لڑکی سے یا تو نکاح کر لو۔ اور یا اسے ساتھ لے جاؤ۔ یہاں رہی تو عیسائی غنڈوں سے اس کی آبرو محفوظ نہیں رہے گی۔ زوال سسلی کے بعد ولیم اوّل (۱۱۵۱۔۱۱۶۶ء) کے زمانے میں اس کے ایک امیر البحر نے بونہ (سسلی کا شہر) پہ حملہ کیا۔ وہاں چند ایک مسلم علماو مشائخ بھی موجود تھے۔ امیر البحر نے ان کا احترام کیا۔ اور انہیں کوئی دکھ نہ دیا۔ جب یہ خبر پوپ تک پہنچی۔ تو اس نے امیر البحر کو اس جرم میں، کہ اس نے ان علماء کو زندہ کیوں چھوڑ دیا تھا۔ آگ میں پھینک دیا۔

(تاریخ صقلیہ۔ از ریاست علی۔ ج اوّل۔ ص ۴۷۸)

پیروانِ لُوتھر کا قتل عام

جب [۴۱] یورپ میں لوتھر کے پیرو بڑھ گئے۔ تو پاپائے روم نے حکومت فرانس کو گانٹھا اور حکومت نے ۲۴ اگست ۱۵۷۲ء کو فرانس میں پیروان لوتھر کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ اور پچاس ہزار پروٹسٹنٹ قتل ہو گئے۔

مذہبی عدالت

پاپائے روم کے ہاں ہر وہ عیسائی کافر تھا۔ جو کلیسائی ذہن سے بالاتر ہو کر سوچتا۔ علمی کتابیں لکھتا، سائنسی نظریات پیش کرتا مسلمانوں کی تہذیب یا کسی اور بات کو اچھا سمجھتا یا ہر روز نہاتا تھا۔ ایسے ''کافروں'' کو سزا دینے کے لیے پاپا نے ۱۴۷۸ء میں ایک مذہبی عدالت (انکوائزیشن) قائم کی۔ اس نے پہلے سال دو ہزار اشخاص کو زندہ جلایا۔ اور سترہ ہزار کو قید و جرمانہ کی سزا دی۔ دس برس میں اس نے سترہ ہزار کو آگ میں پھینکا۔ ستانوے ہزار تین سو ستائیس کو قید و بند کی سزا دی اور ساتھ ہی مختلف علوم کی چھ ہزار کتابیں جلا دیں [۴۲]۔

پاپا کی مرکزی مذہبی عدالت نے ۱۴۸۱ء اور ۱۸۰۸ء کے درمیانی عرصے میں تین لاکھ چالیس ہزار نفوس کو نہایت المناک سزائیں دیں۔ ان میں سے بتیس ہزار کو زندہ جلا دیا [۴۳]۔

مذہب بزورِ شمشیر

شارلیمان نے جرمنی کی سیکسنز کو بزورِ شمشیر عیسائی بنانے کے لیے ان پر حملہ کر دیا۔ اور ایک جنگ میں چار ہزار قیدی پکڑ لایا۔ ان کے سامنے عیسائیت پیش کی۔ انہوں نے انکار کیا۔ تو سب کو قتل کر ڈالا۔

جون آف آرک کا انجام

جب [۳۴] فرانس کی وہ مشہور حریت پسند اور دلیر خاتون جون آف آرک، جو اپنے ملک کی خاطر انگریزوں کے خلاف لڑ رہی تھی، انگریزوں کے ہاتھ پڑ گئی۔ تو ان ظالموں نے ۱۴۳۱ء میں اسے سرِ بازار زندہ جلا دیا۔

ظالم پوپ

پوپ [۳۵] کی ظالمانہ حکومت کے خلاف پہلی آواز برسشیا (اٹلی) کے ایک پادری آرنلڈ نے بلند کی تھی۔ پوپ نے ۱۱۵۵ء میں اسے موت کی سزا دی۔ پھر پریگ (چیکوسلواکیا) کے دو مصلحین ہس اور جرسوم کو اسی جرم میں زندہ جلا دیا اور ان کی راکھ دریائے رائن میں پھینک دی۔ ۱۴۹۸ء میں فلورنس کے ایک پادری ساوونرول کو صدائے احتجاج بلند کرنے پہ موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بدچلن پوپ

تمام پوپ بلا استثنا تنگ نظر، علم دشمن اور لالچی تھے۔ ان میں سے بعض اس قدر بدچلن تھے۔ کہ پاپائے لیو دہم (۱۵۱۳۔۱۵۲۱ء) آتشک میں گرفتار تھا۔ اور جرمنی کے [۳۶] بادشاہ آٹو (۹۳۶۔۹۷۳ء) نے پاپائے اعظم جان دواز [۳۷] دہم (۹۵۵۔۹۶۴ء) کو بدچلنی اور قتل کی بنا پر معزول کر دیا تھا۔ یہ پوپ اس قدر حریص تھے۔ کہ ۶۰۰ء میں پوپ کی مملوکہ زمین اٹھارہ [۳۸] سو مربع میل تھی۔ اور وہ یورپ کا سب سے بڑا زمیندار تھا۔ پوپ جان یازدہم (۹۳۱۔۹۳۵ء) ولد الحرام تھا۔ یہ میروزیہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ میروزیہ قصر پاپائی کے ایک افسر تھیوفی لیکٹ کی بیٹی تھی۔

اس کے شوہر کا نام گیڈو تھا۔ پوپ سرگیس سوم (۹۰۴۔۹۱۱ء) سے اس کے ناجائز تعلقات تھے۔ اور پوپ جان اسی ناجائز تعلق کا نتیجہ تھا۔

(ایج آف فیتھ از ول ڈیوران ص ۵۳۸)

تاج محل گرانے کی تجویز

تاج محل شاہجہان نے ۱۶۳۲ء میں تعمیر کیا تھا۔ یہ دنیا کی حسین ترین عمارت ہے۔ جس کی مثال صفحۂ ہستی پہ کہیں موجود نہیں۔ انگریز کی بدذوقی اور اسلام دشمنی دیکھئے کہ ہندوستان کے ایک انگریز گورنر جنرل لارڈ بینٹنگ (۱۸۳۳۔۱۸۳۸ء) نے حکومت برطانیہ کے پاس یہ تجویز بھیجی تھی۔ کہ تاج محل کو گرا کر اس کا مسالہ فروخت کر دیا جائے۔ لیکن پارلیمنٹ نے محض اس بنا پر اتفاق نہ کیا۔ کہ گرانے کی محنت زیادہ اور وصولی کم تھی[۳۹]۔

عیسائیت میں مقامِ عورت

آج کل یورپ میں عورت جنسِ بازار بن چکی ہے۔ ہر جوان لڑکی جس مرد سے چاہے۔ جنسی تعلقات قائم کر لیتی ہے اور اسے ''بوائے فرینڈ'' کے نام سے یاد کرتی ہے ان ''بوائے فرینڈز'' کی تعداد بیک وقت دو تین بھی ہو سکتی ہے۔ جن کے ساتھ وہ شام کو شراب پیتی، فلم دیکھتی، رقص کرتی اور چاندنی راتوں میں سمندر کے ساحل پہ پکنک مناتی ہے۔ مغربی تہذیب کا یہ وہ شرمناک پہلو ہے۔ جسے مشرق اور خصوصاً اسلام انتہائی نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ مشرق میں عورت ایک دیوی ہے۔ جس کا احترام پرستش کی حد تک کیا جاتا ہے۔ ہم لوگ اتنا بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ کہ کوئی ناپاک نگاہ ہماری محترم خواتین کے حسن و جمال پہ پڑے۔ لیکن یورپ میں عورت گرتے گرتے بیسوا کے مقام تک پہنچ چکی ہے۔ اور لطف یہ کہ وہاں کے پراپیگنڈسٹ اس آوارگی وعصمت فروشی کو تہذیب اور ہماری خواتین کے حیاد حجاب کو قید و غلامی کا نام دیتے ہیں۔

یورپ میں عورت سے یہ غیرانسانی سلوک ابتدا سے ہو رہا ہے۔ موسیو لیباں لکھتے ہیں۔ کہ قدیم یونان میں عورت وارث نہیں بن سکتی تھی۔ اگر اس کے بطن سے لولا یا کانا بچہ پیدا ہوتا۔ تو

شوہر اسے قتل کر سکتا تھا۔ سپارٹا میں ایسی عورت کہ، جس میں طاقتور سپاہی جنم دینے کی صلاحیت نہیں ہوتی تھی۔ مار ڈالتے تھے۔ بائبل میں لکھا ہے کہ عورت موت سے زیادہ تلخ ہے اور سارے جہان میں ایک بھی ایسی عورت موجود نہیں۔ جسے خدا پسند کرتا ہو۔ اطالویوں میں کہاوت ہے کہ گھوڑے کو مہمیز کی اور عورت کو مار کی ضرورت ہے۔ رومہ میں عورت پہ مرد کی حکومت جابرانہ تھی۔ اور وہ اسے قتل بھی کر سکتا تھا۔ ایس۔ پی۔ سکاٹ [۱] لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی طفیل فرقۂ نسواں کا احترام اتنا بڑھ گیا۔ کہ ان کی پرستش ہونے لگی۔

عیسائیت کی علم دشمنی

عیسائیت نے سترہ سو سال تک علم پہ کس قدر مظالم توڑے۔ کتنے علما و فلاسفہ ذبح کیے۔ کتنے دارالکتب جلائے اور کتنی درسگاہوں بند کیں۔ یہ ایک طویل کہانی ہے۔ جس کی پوری تفاصیل تو ڈریپر کی ''معرکہ ومذہب وسائنس'' میں ملیں گی۔ یہاں صرف چند واقعات پہ اکتفا کی جاتی ہے۔

درسگاہیں بند

اول۔ عیسائیوں کا ایک فرقہ نسطوری کہلاتا ہے۔ اس کا بانی نسطوریس پادری (۴۵۱ء) تھا۔ یہ لوگ بعض عقائد میں دوسرے عیسائیوں سے اختلاف رکھتے تھے۔ ۴۳۱ء میں انہیں عیسائی کونسل نے کافر قرار دیا۔ قیصر زینو (۴۷۴۔۴۹۱ء) نے ان کی درسگاہیں بند کر دیں۔ اور انہیں ملک سے نکال دیا۔ یہ لوگ ایران کے ایک شہر جندیشاپور میں جمع ہو گئے۔ وہاں ایک عظیم درس گاہ، دارالکتب اور شفا خانے کی بنا ڈالی۔ جب ۵۲۹ء میں قیصر جسٹی نی ین اوّل (۵۲۷۔۵۶۵ء) نے یونان و مصر کی تمام درسگاہیں بند کر دیں۔ تو وہاں کے علما بھی جندیشاپور میں [۲] جمع ہو گئے۔

دوم۔ فلارنس [۳] میں ایک اکاڈمی تدریس و تصنیف کے فرائض سرانجام دیا کرتی تھی۔ لیکن کلیسا نے اس کی مخالفت کی۔ اور وہ بند ہو گئی۔

سوم۔ زوال [۴] رومہ کے بعد حملہ آور اقوام یعنی گاتھ۔ ہنز۔ وینڈل وغیرہ نے غربی و وسطی یورپ کے تمام مدارس بند کر دیے۔ اور صدیوں تک تعلیم و تدریس کا سلسلہ منقطع رہا۔

یہاں یہ ذکر نا مناسب نہ ہوگا۔ کہ فرانس[۴۵] کے شہنشاہ شارلیمان (۷۶۸ـ۸۱۴ء) نے اپنی قلمرو میں چند مدارس جاری کیے تھے۔ لیکن ان کی حالت یہ تھی۔ کہ ریاضی صرف تین کے پہاڑے اور جمع و تفریق تک پڑھائی جاتی تھی اور تعلیم کا مقصد صرف پادری تیار کرنا تھا۔

کتابیں جلانا

۱۔ ڈاکٹر ڈریپر لکھتے[۴۶] ہیں۔ کہ اسکندریہ کا کتب خانہ، جس میں اندازاً سات لاکھ کتابیں تھیں، جولیس سیزر (۵۰ـ۴۴ قم) کے حکم سے برباد کردیا گیا اور اس کی نصف کتابیں جلادی گئیں۔ پھر قیصر تھیوڈوسیس دوم (۴۰۸ـ۴۵۰ء) نے تھیافلس کو حکم دیا۔ کہ باقی ماندہ کتابیں جلا دو۔ جب سپین کا مشہور مؤرخ اوروشیش ۴۱۴ء میں اسکندریہ پہنچا۔ تو وہاں ایک بھی کتاب موجود نہ تھی۔

۲۔ قرونِ وسطیٰ[۴۷] میں راہبوں کی علمی سرگرمیاں یہ تھیں۔ کہ وہ یونان و روما کی کتابیں جلا کر ان کی جگہ مسیحی اولیا کی داستانیں رکھ دیتے تھے۔ چونکہ اس زمانے میں کاغذ نایاب تھا۔ اور اس کی جگہ چرمی جھلّی استعمال ہوتی تھی۔ جس کی قیمت کافی زیادہ تھی۔ اس لیے یہ راہب جھلّی پہ لکھی ہوئی کتابیں کھرچ ڈالتے۔ اور ان پر دعائیں اور اولیا کی داستانیں لکھ دیتے تھے۔

۳۔ پاپائے اعظم گریگوری[۴۸] (۵۴۰ـ۶۰۴ء) سائنس۔ تاریخ۔ ادب۔ شعر اور دیگر علوم کا شدید دشمن تھا۔ اور دینیات یا دعاؤں کے سوا کسی اور صنف کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے رومی سیاست دان و خطیب سسرو (۴۳ قم) اور مؤرخ لیوی (۱۷ قم) کی سب کتابیں تلف کر ڈالیں۔ ایک مرتبہ اسے خبر پہنچی کہ وی آنا (آسٹریا کے دارالحکومت) کے لاٹ پادری نے کسی ادبی موضوع پر ایک مقالہ پڑھا ہے۔ تو اسے لکھا:

> ''ہمیں ایک خبر ملی ہے۔ جس کے ذکر سے ہمیں شرم آتی ہے کہ تم نے کوئی ادبی مقالہ پڑھا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم مجھے یہ لکھو گے کہ تمہیں ان لغویات سے کوئی سروکار نہیں[۴۹]۔''

۴۔ فرانس[۵۰] کے ایک پادری سینٹ برنارڈ (۱۱۷۳ء) کی تنگ نظری کا یہ عالم تھا کہ وہ عوام کو ملکی قوانین (دیوانی وغیرہ) کے مطالعہ سے بھی روکتا تھا۔

۵۔ سپین میں مسلمانوں کے بڑے بڑے ثقافتی مرکز چار تھے۔ قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ اور طلیطلہ (ٹالیڈو) ہر مرکز میں عظیم الشان کتب خانے تھے۔ جنہیں بعد میں پادریوں نے جلا دیا۔ صرف طلیطلہ میں وہاں کے بشپ زی نی نیز (Xininese) (۱۴۳۷۔۱۵۱۷ء) میں مسلمانوں کی اسّی ہزار کتابیں سپرد آتش کیں[51]

۶۔ انگلستان کا ایک مؤرخ ہچیسن سٹرلنگ[52] لکھتا ہے۔ کہ چوتھی صدی عیسوی میں راہبوں کے گروہ جا بجا گھومتے نظر آتے تھے۔ یہ جہاں بھی کوئی کتاب یا آرٹ کا کوئی نمونہ پاتے اسے جلا دیتے تھے۔

۷۔ چوتھی صلیبی جنگ[53] (۱۲۰۳ء) میں جب صلیبیوں کا مقدس لشکر قسطنطنیہ میں پہنچا۔ تو اس نے وہاں کی تمام عیسائی آبادی کو لوٹ لیا اور ساری کتابیں جلا دیں۔

۸۔ وہ تو پرانی باتیں تھیں۔ ایک نیا واقعہ بھی سن لیجئے۔ آج سے اندازاً دو سو سال پہلے جب سپین نے امریکہ کی ایک ریاست میکسیکو پہ حملہ کیا۔ تو وہاں کی ساری کتابیں جلا دیں[54]

۹۔ طرابلس[55] میں اس دور کی عظیم ترین لائبریری تھی۔ جس میں کتابوں کی تعداد تیس لاکھ بتائی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ جب صلیبیوں کا لشکر اس شہر میں پہنچا۔ تو کتب خانے کو آگ لگا دی۔ تمام کتب جلا ڈالیں۔ اور مسلمانوں کی چھ سو سالہ محنت کو تباہ کر دیا۔

۱۰۔ برطانیہ[56] کا ایک فلسفی جان اریجنیا سپین کے مشہور مسلم فلسفی ابن رشد (۱۱۹۸ء) کا شارح تھا۔ اس نے اپنی تصانیف میں فلسفہ و مذہب میں اتحاد کی کوششیں کی تھی پادریوں نے اس کی بیشتر کتابیں جلا دیں۔

۱۱۔ سپین[57] کی مذہبی عدالت نے جو ۱۴۷۸ء میں قائم ہوئی تھی، عربی علوم پر یہودی علماء کی لکھی ہوئی چھ ہزار کتابیں سپرد آتش کر دیں۔

۱۲۔ ۱۵۰۱ء[58] میں پاپائے الیگزینڈر ششم (۱۴۹۲۔۱۵۰۳ء) نے ایک فرمان کی رُو سے تمام پریس والوں کو ہدایت کی۔ کہ وہ باطل عقائد (سائنس وغیرہ) پر کوئی کتاب طبع نہ کریں۔

قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں نہ کوئی درس گاہ تھی۔ نہ معلم نہ مصنف۔ جب مسلمان سپین۔

فرانس اور سسلی میں پہنچے۔ تو انہوں نے نہ صرف سکول اور کالج کھولے۔ بلکہ یونیورسٹیاں قائم کیں۔ جن میں دنیا کے ہر حصے سے طلبہ حصول علم کے لیے آتے تھے۔ ساتھ ہی دارالکتب قائم کیے۔ جن میں یونان۔ روم۔ ہند اور عرب کی لاکھوں کتابیں جمع کیں۔ نسلِ انسان پہ اس سے بڑا ستم کیا ہوسکتا ہے کہ جاہل اور وحشی عیسائی بادشاہوں اور پادریوں نے، اس زمانے میں کہ اہل علم و قلم کا شدید قحط تھا، ساٹھ لاکھ سے زیادہ کتابیں جلا دیں۔ سات لاکھ اسکندریہ میں، پندرہ لاکھ سپین میں، تیس لاکھ طرابلس میں، تین لاکھ سسلی میں اور کئی لاکھ قسطنطنیہ، ایشیائے خورد، فلسطین، دمشق اور یورپ کے مختلف حصوں میں اگر کوئی کسر رہ گئی تھی۔ تو وہ تیرہویں صدی میں تاتاریوں نے پوری کر دی۔ انہوں نے بغداد۔ کوفہ۔ بصرہ۔ حلب۔ دمشق۔ نیشا پور۔ خراسان۔ خوارزم اور شیراز کی سینکڑوں لائبریریاں، جن میں کتب کی مجموعی تعداد تین کروڑ سے زیادہ تھی۔ بھسم کر ڈالیں۔ بے شمار علماء مار ڈالے، مدارس جلا دیے۔ اور مسلمان، جو ساری دنیا کو تجلیات علم سے منور کر رہا تھا۔ جاہل ہو کر رہ گیا۔

یہ ساٹھ لاکھ کتابیں تو وہ ہیں۔ جن کا ذکر تاریخ میں آ گیا ہے۔ نہ جانے ان تباہ شدہ کتابوں کی تعداد کیا ہوگی، جو مؤرخ کے علم میں نہیں آئیں۔ یورپ میں طاقت دو گروہوں کے پاس تھی۔ بادشاہ اور پادری۔ اور یہ دونوں علم کے دشمن تھے۔ ان حالات میں اگر کوئی کتاب بچ گئی ہے۔ تو اسے معجزہ سمجھیے۔

تیرہویں صدی تک یورپ کے اہل قلم

آگے چلنے سے پہلے ذرا یہ بھی سنتے جایئے۔ ساٹھ لاکھ کتابیں جلانے والے عیسائیوں نے خود کتنی کتابیں لکھیں۔

رومہ کے اہلِ قلم

رومہ کی سلطنت ۷۰۰ ق م میں قائم ہوئی تھی۔ پہلی پانچ صدیوں میں کسی کتاب کا سراغ نہیں ملتا۔ نیاس (Naeius) (۲۰۰ ق م) غالباً پہلا رومی مصنف ہے۔ جس نے کچھ یونانی کتابوں کو

لاطینی میں منتقل کیا اور چند ایک ڈرامے لکھے تھے۔ دوسرا صاحب قلم ڈرامہ نویس پلاٹس (Plautus) (۱۸۴ق م) تیسرا ایک شاعر ای نس (Ennius) (۱۶۹ق م) اور چوتھا ایک ادیب کیٹو (Cato) (۱۴۹ق م) تھا۔ ابتداء سے ولادت مسیح تک صرف بیس اہل قلم کے نام ملتے ہیں۔ جن میں سے اکثر شاعر، ڈرامہ نگار اور افسانہ نویس تھے۔ مؤرخ صرف ایک تھا، یعنی لیوی (۱۷ق م) شعرا و ادبا میں مشہور یہ تھے۔ سسرو (۴۳ق م) کیلس (۲۰ق م) ورجل (۱۹ق م) ہوریس (۸ق م) اور لوقن (۶۵ق م) یہ تمام غیر عیسائی رومی تھے۔

پہلی صدی عیسوی میں رومہ نے تقریباً تیس مصنف پیدا کیے۔ اور بعد کی نو صدیوں میں صرف بیس نام ملتے ہیں۔ درست کہا تھا۔ رابرٹ بریفالٹ نے:

> ''اس میں شبہ نہیں۔ کہ قسطنطنیہ کا دربار، اس کے بازار، محل، رقص گاہیں کھیل کے میدان اور اکھاڑے بہت شاندار تھے۔ لیکن اس نے ایک ہزار سال کی زندگی میں ترقی تو درکنار ترقی کا ایک شرارہ تک پیدا نہ کیا وہ ایسی بستیوں میں گھری ہوئی تھی۔ جو تاریکی سے نکلنے کے لیے بے تاب تھیں۔ لیکن بازنطینی (رومی) تہذیب نے ان کے لیے کچھ نہ کیا۔ نتیجہ یہ کہ عربوں نے آ کر ان کے بیڑے ڈبو دیے۔ اور ان کی تجارت پر قبضہ کر لیا۔۔۔۔۔۔ رہا رومیوں کا ادب۔ تو وہ بالکل بے مغز۔ بے حقیقت جعلی۔ ضمیاتی اور اوہام پرستی سے لبریز تھا۔۔۔۔۔۔ یہ ادب آج بھی پڑھنے کے قابل نہیں۔۔۔۔۔۔ گو بازنطینی سلطنت کو بے شمار مواقع حاصل تھے۔ لیکن اس نے کچھ نہ کیا۔ کیونکہ اصلی اقتدار جاہل راہبوں کے ہاتھ میں تھا۔ جو علم کے دشمن تھے۔ نیز رومیوں کو یونان اور اس کے ادب سے چڑ تھی۔ اس لیے وہ فائدہ نہ اٹھا سکے۔'' (ملخص)

جرمنی کا ادب

جرمنی میں ۷۵۰ء سے پہلے کسی کتاب کا سراغ نہیں ملتا۔ البتہ شارلیمان (۷۴۲۔۸۱۴ء)

کی وجہ سے جرمنی میں کچھ ذہنی حرکت پیدا ہوگئی تھی۔ اس نے تبلیغ عیسائیت کی خاطر پادریوں سے کچھ دعائیں، مذہبی گیت اور دینی رسائل لکھوائے سب سے پہلا رسالہ ۷۸۰ء میں لکھا گیا، نوے برس بعد ایک تاریخی نظم شائع ہوئی۔ اور اس کے بعد اڑھائی سو برس میں صرف ایک درجن شعراء ادبا پیدا ہوئے۔ ۱۰۵۰ء اور ۱۳۵۰ء کے درمیانی عرصے میں صرف تیس اہل قلم کے نام ملتے ہیں۔

فرانس کا ادب

فرانسیسی زبان میں ۱۰۵۰ء تک چند ایک مذہبی گیتوں کچھ جنگی نظموں اور دو پادریوں سینٹ لیجر اور سینٹ الیکسز کے سوانح حیات کا سراغ ملتا ہے۔ وبس۔

انگریزی ادب

بارھویں صدی کے وسط تک انگریزی ادب صرف چند گیتوں نظموں اور کوئی ڈیڑھ درجن کتابوں پہ مشتمل تھا۔ لکھنے والوں کی تعداد پندرہ سے زیادہ نہ تھی۔ ان میں قابل ذکر ایلڈھم (۶۵۰ـ۷۳۵ء) الکمرٹ (۶۷۸ـ۷۶۶ء) بیڈ (۶۷۱ـ۷۳۵ء) ونفریڈ (۶۸۰ـ۷۵۵ء) اور کنگ الفریڈ (۸۷۱ـ۹۰۱ء) ہیں۔

بارھویں صدی عیسوی تک عیسائی یورپ میں کتابیں لکھنے کی رفتار یہ تھی:۔

ملک	زمانہ	تعداد مصنفین	تعداد کتب
ا۔ روم شرقی غربی	۳۳۰ـ۱۵۵۵ء	تقریباً بیس	زیادہ سے زیادہ پچاس
۲۔ جرمنی	ا تا ۱۳۵۰ء	تقریباً پچاس	زیادہ سے زیادہ سو
۳۔ فرانس	ا تا ۱۰۵۰ء	تقریباً دس	زیادہ سے زیادہ پندرہ

۴۔ برطانیہ	۱۵۰۱ء تا ۱۶۰۰ء	تقریباً پندرہ	زیادہ سے زیادہ پچیس
	میزان	۹۵	۱۹۰

تو گویا سارے یورپ کے اہل قلم نے اندازاً ہزار برس میں تقریباً دو سو کتابیں لکھیں۔ چلیے، پانچ سو کہہ لیجئے۔ اور ساٹھ لاکھ سے زیادہ جلادیں۔

عالم کشی

زوال رومہ (۴۷۶ء) کے بعد پاپائیت برسرِ اقتدار آ گئی۔ اور لوتھر (۱۵۴۶ء) کے خروج تک سیاہ وسفید کی مالک رہی۔ یورپ مذہبی ادب کے بغیر باقی تمام اصناف علم کا دشمن تھا۔ اور جہاں کہیں کوئی عالم، فلسفی یا مفکر سر اٹھاتا تھا۔ اسے کچل دیتا تھا۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیے:۔

۱۔ یونان[1] کی ایک لڑکی ہائے پیشیا (۴۱۴ء) اسکندریہ میں تحصیل علوم کے لیے آئی۔ اور برسوں کی محنت کے بعد وہ ایک ممتاز فلسفی بن گئی، اسے فلاطون وارسطو کے فلسفہ اور ریاضی وہندسہ میں بڑا درک حاصل تھا۔ اسکندریہ کے بشپ سائرل (۴۱۲ء میں بشپ مقرر ہوا تھا) نے اس لڑکی کو کافرہ قرار دیا۔ اور ایک روز جب وہ فرائض تدریس سرانجام دینے کے لیے اپنی درس گاہ کی طرف جارہی تھی۔ سائرل کے بھیجے ہوئے چند سنگدل راہبوں نے اسے پکڑ لیا۔ پہلے ننگا کر کے بازار میں گھسیٹا۔ پھر اسے گرجے میں لے گئے۔ وہاں تیز سیپیوں سے اس کی کھال کھرچی، پتھر سے اس کا سر توڑا۔ لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور انہیں آگ میں پھینک دیا۔

۲۔ گلیلیو[2] (۱۶۴۲ء) فلارنس (اٹلی) کا وہ مشہور ہیئت دان ہے۔ جس نے دوربین ایجاد کی تھی۔ جب اس نے کاپرنیکی (۱۵۴۳ء) کے نظامِ شمسی کی تائید کی۔ تو پوپ نے اسے گرفتار کر کے مذہبی عدالت کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے وہاں ڈر سے توبہ کر لی۔ لیکن ۱۶۳۲ء میں اپنی کتاب ''نظام عالم'' شائع کر دی۔ جس پر اسے جیل میں پھینک دیا گیا۔ جہاں وہ دس سال تک انتہائی دکھ اٹھانے کے بعد ۱۶۴۲ء میں فوت ہو گیا۔

۳۔اٹلی [۳] کے مشہور فلسفی برونو کو جو کاپرنیکی (۱۵۴۳ء) کی موت سے سات سال بعد پیدا ہوا تھا اور فلسفہ میں ابن رشد (۱۱۹۸ء) اور اسپنوزا (ڈچ فلسفی۔ ۱۶۷۷ء) کا پیرو تھا۔ مذہبی عدالت نے ۱۶۰۰ء میں زندہ جلا دیا۔

۴۔پولینڈ [۴] کے ممتاز ہیئت داں کاپرنیکی (۱۵۴۳ء) نے ۱۵۰۷ء میں ایک کتاب لکھی۔ جس میں بطلیموس (۱۵۱ء میں زندہ تھا) اور فیثا غورث کے نظامہائے شمسی پہ بحث کرنے کے بعد آخرالذکر کی تائید کی تھی۔لیکن پوپ کے ڈر سے سینتیس برس تک کتاب کو چھپائے رکھا۔آخر موت سے چند ماہ پہلے اسے شائع کیا۔پوپ کو معلوم ہوا۔تو اس نے فوراً اسے کافر وملحد قرار دیا۔لیکن اس فتوے کے وقت کاپرنیکی فوت ہو چکا تھا۔ورنہ انتہائی اذیت کا شکار ہوتا۔یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہوگا۔کہ بطلیموس کے ہاں زمین مرکز کائنات ہے۔اور تمام سیارے شمس وقمر سمیت اس کے گرد گھومتے ہیں۔لیکن فیثا غورث سورج کو مرکز قرار دیتا ہے۔جس کے گرد زمین اور سیارے چکر کاٹتے ہیں۔

۵۔ڈاکٹر ڈریپر [۵] نے دو اور علماء دینی (۱۶۲۹ء) اور سرومیٹس کا ذکر کیا ہے جنہیں کلیسا نے زندہ جلا دیا تھا۔لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کس فن کے فاضل اور کہاں کے رہنے والے تھے۔

۶۔کپلر [۶] (۱۶۳۰ء) جرمنی کا مشہور ہیئت دان تھا۔سب سے پہلے اسی نے ''کشش ارضی'' اور ''سمندر پہ چاند کا اثر'' کے نظریات پیش کیے تھے۔نیوٹن (۱۷۲۷ء) محض ایک شارح ہے۔کپلر، کاپرنیکی (۱۵۴۳ء) کی طرح آفتاب کو مرکز عالم سمجھتا تھا۔جب ۱۶۱۸ء میں اس نے اپنی کتاب ''خلاصۂ نظام کاپرنیکی'' شائع کی۔تو کلیسا نے اسے کافر قرار دیا اور اس کی کتاب ضبط کر لی۔

۷۔ڈانٹے [۷] (۱۲۶۵۔۱۳۲۱ء) فلارنس (اٹلی) کا شہرہ آفاق فلسفی شاعر تھا۔اس نے اپنی لازوال کتاب ''طربیہ خداوندی (Divine Comedy) پہ اٹھارہ برس صرف کیے تھے۔ یہ تین دیگر کتابوں کا بھی مصنف تھا۔۱۳۰۰ء میں یہ فلارنس کا مجسٹریٹ رہا۔۱۳۰۱ء میں اسے وطن سے نکال دیا گیا اور بیس برس تک مسافرت میں بھٹکنے کے بعد یہ ۱۳۲۱ء میں فوت ہوگیا۔

۸۔ڈاکٹر ڈریپر[8] ایک سائنس دان ڈی ڈامنیس کے متعلق لکھتا ہے۔ کہ کلیسا نے اسے جیل میں ڈال دیا تھا۔ یہ وہیں فوت ہوا اور بعد از مرگ اس کی لاش کو اس کی تصانیف کے انبار پہ رکھ کر جلا دیا گیا۔

۹۔ابن رشد (۱۱۲۶۔۱۲۹۸ء) سپین کا مشہور فلسفی تھا۔ جس کی تصانیف فرانس جرمنی، سپین اور اٹلی کی یونیورسٹیوں میں صدیوں تک بطور نصاب پڑھائی جاتی رہیں ۱۲۱۵ء میں عیسائیوں کی مذہبی مجلس نے اس کی تصانیف کو ملحدانہ[9] قرار دیا۔ اور ۱۲۳۶ء میں پوپ گریگوری نہم (۱۲۲۷۔۱۲۴۱ء) نے فلسفۂ عرب کی تدریس کو حکماً روک دیا چونکہ عیسائیوں کے پاس پڑھانے کے لیے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اس لیے اس حکم کے باوجود ابن رشد کی تدریس جاری رہی۔

یورپ میں ابن رشد کا فلسفہ بہت مقبول تھا۔ پیرس یونیورسٹی اس کا مرکز تھی۔ اور عیسائیوں کا فرانسسکن[1] فرقہ اس کا مبلغ۔ یہودی بھی اس فلسفہ کے دلدادہ تھے۔ موسیٰ بن میمون (۱۲۰۴ء) ایک مشہور یہودی فلسفی اس فلسفے کا شارح تھا۔ لیکن یہود کی دینی مجلس نے موسیٰ کی تمام کتابیں اٹھا جلا ڈالیں۔

پوپ نے ابن رشد کے خلاف اس قدر زہر اگلا کہ وہ الحاد کی ایک علامت بن کر رہ گیا۔ حالات یہاں تک بگڑے کہ جب اٹلی کے نقاش جنت و جہنم کا منظر کھینچتے۔ تو ابن رشد کو داعی جہنم کے طور پر پیش کرتے۔ اٹلی کی ایک مشہور تصویر میں ابن رشد کو دجال کے ساتھ دکھایا گیا تھا[2]

۱۰۔کولمبس[3] (۱۵۰۶) وہ جانباز ملاح ہے۔ جس نے آج سے سینکڑوں سال پہلے جب بحری سفر سخت خطرناک تھا۔ ایک کمزور سے جہاز میں اوقیانوس کو عبور کیا اور ساڑھے پانچ ہزار میل کے سفر کے بعد ۱۴۹۲ء میں وہ امریکی ساحل کے قریب جزائر بوہاما میں جا اترا۔ وہ اس سفر پہ اسپین کے فرمانروا فردینان کی منظوری و اجازت سے روانہ ہوا تھا۔ وہ بوہاما سے واپس آیا۔ فردینان کو اِک نئے ملک کی خبر دی۔ فردینان نے اسے وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ چنانچہ یہ دوبارہ وہاں پہنچا۔ نظم و نسق قائم کیا۔ سات سال بعد اس کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے۔ دنیا کا یہ عظیم ملاح اس حال میں واپس آیا کہ ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے اسے جیل میں پھینک دیا۔ گو

کچھ عرصے کے بعد اسے رہا کر دیا۔لیکن بھوک۔ناداری اور بیماری نے آخر تک اس کا پیچھا کیا۔اور چھ برس کے بعد ایک سرائے میں اس کی وفات ہوگئی۔سالِ وفات ۱۵۰۶ء ہے۔

۱۱۔ جب [۴] ۹۹۹ء میں پوپ سِلوِسٹر [۵] دوم (۹۹۹۔۱۰۰۳ء) نے یورپ میں کچھ درسگاہیں کھولنا چاہیں۔تو عام آبادی کو یہ اقدام سخت ناگوار گزرا۔اور مشہور کر دیا کہ پوپ پر شیطان مُسلّط ہوگیا ہے۔

۱۲۔فریڈرک [۶] ثانی (۱۲۱۲۔۱۲۵۰ء) نے اٹلی کے مختلف شہروں مثلاً نیپلز، مسینا اور پڈوا میں یونیورسٹیاں قائم کیں۔سَلَرنو میں طِب کا ایک مدرسہ جاری کیا۔اپنے ایک درباری مائیکل سکاٹ کو ابن رُشد کی تصانیف جمع کرنے کے لیے قرطبہ بھیجا اور یہ نسخے ہر مدرسہ میں رکھوا دیئے۔ پادریوں نے اس کی سخت مخالفت کی، اس کی رعایا کو بغاوت پہ اکسایا اور پوپ گریگوری نہم (۱۲۲۷۔۱۲۴۱ء) نے اسے دجال قرار دیا۔

۱۳۔قیصر زینو (۴۷۴۔۴۹۱ء) اور قیصر جسٹی نی یَن اوّل (۵۲۷۔۵۶۵ء) نے تمام اہل علم کو اپنی سلطنت سے نکال دیا تھا اور مدارس بند کر دیئے تھے۔

الغرض عیسائیت نے پورے ہزار برس تک گناہ کو ترقی دی۔رشوت بڑھائی علوم وفنون کو کچلا، کتابیں جلائیں، اہل علم کو آگ اور جیل میں پھینکا، مسلمانوں کے خلاف زہر اگلا، صلیبی جنگوں کا آغاز کیا اور دنیا کو گناہ و جہالت سے بھر دیا۔

۱۔ یورپ میں پہلی علمی لہر اندازاً ۵۰۰ ق م میں اٹھی تھی۔جب یونان میں فیثا غورث۔سقراط۔افلاطون۔ارسطو۔بقراط۔جالینوس جیسے سینکڑوں فلسفی۔مؤرخ۔ادیب۔طبیب۔منجم اور منطقی پیدا ہوئے تھے۔

۲۔ معرکۂ مذہب وسائنس ص ۳۶۱، ص ۴۲۵ یہ کتاب ڈریپر کی کتاب کا ترجمہ ہے۔جو مولانا ظفر علی خان نے کیا تھا۔

۳۔ تہذیب اسلام از مارڈیوک پکتھال ص ۳۷

۴۔ معرکہ مذہب وسائنس ص ۳۶۱ تا ۴۲۵

۵۔ یہ جملہ "اور فرانس کے"۔۔۔۔بریفالٹ کی کتاب تشکیل انسانیت۔ترجمہ مولانا عبدالمجید سالک ص ۲۰۹ سے لیا گیا ہے۔

۶۔ لیونام کے تیرہ پوپ تھے۔(۱)۴۴۰۔۳۶۱ء،(۲)۶۸۲۔۶۸۳ء،(۳)۷۹۵۔۸۱۶ء،
(۴)۷۴۷۔۷۵۵ء، (۵)۹۰۳ء۔(۶)۹۲۸ء،(۷)۹۳۷۔۹۳۹ء،(۸)۹۶۴۔۹۶۵ء،
(۹)۱۰۴۹۔۱۰۵۴ء،(۱۰)۱۵۱۳۔۱۵۲۱ء،(۱۱)۱۶۶۵ء،(۱۲)۱۸۲۳۔۱۸۲۹ء،(۱۳)۱۹۰۳ء

۷۔ معرکہ مذہب وسائنس ص ۴۲۵

۸۔ " " " " "

۹۔ تشکیل انسانیت ص ۲۰۹۔ص ۲۱۲

۱۰۔ ایک انگریز مؤرخ (۱۷۳۷۔۱۷۹۴ء)۔جس نے روم کی مفصل تاریخ لکھی۔

۱۱۔ تشکیل انسانیت ص ۲۱۳

۱۲۔ تشکیل انسانیت ص ۳۰۰

۱۳۔ تمدن عرب ترجمہ از سیّد علی بلگرامی ص ۳۹۶

۱۴۔ تشکیل انسانیت ص ۲۳۳

۱۵۔ تمدن عرب ص ۳۰۲

۱۶۔ " " ص ۳۰۳

۱۷۔ " " ص ۲۷۷

۱۸۔ " " ص ۲۷۹

۱۹۔ تشکیل انسانیت ص ۳۲۳

۲۰۔ اٹلی کا سیاست دان۔جس نے جھوٹ اور فریب کو سیاست بنا دیا تھا۔یورپ چار سو برس سے اس کی تقلید کر رہا ہے۔

۲۱۔ تشکیل انسانیت ص ۳۵۴

۲۲۔ " " ص ۳۷۸

۲۳۔ " " ص ۳۹۰

۲۴۔ کتوں سے بدتر سلوک آج جنوبی افریقہ میں وہاں کے اصلی باشندوں امریکہ میں سرخ حبشیوں اور ہندوستان میں کروڑوں مسلمانوں سے کیا جا رہا ہے اور یورپ کی تمام طاقتیں ان ظالموں کو تھپکی دے رہی ہیں۔

۲۵۔ تشکیل انسانیت ص ۲۶۰

۲۶۔ میراث اسلام۔آرنلڈ ص ۴

۲۷۔ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا۔سپین۔

۲۸۔ تشکیل انسانیت ص ۵۳

۲۹۔ ہسٹری آف دی مورش امپائر کا اردو ترجمہ۔ ''اخبار الاندلس'' از منشی خلیل الرحمان ج ۲ ص ۳۲

۳۰۔ رِحلتہ ابن جُبیر ص ۳۲۰

۳۱۔ معرکہ مذہب و سائنس ص ۲۹۴

۳۲۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ص ۲۰۵

۳۳۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ص ۲۸۶

۳۴۔ ٹارچ بیئررز آف ہسٹری۔ از امیلیا ہچیسن سٹرلنگ ص ۱۲۸

۳۵۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ص ۱۵۰

۳۶۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ص ۱۵۵

۳۷۔ جان نام کے تیئس پوپ تھے۔ تفصیل کسی بھی انگریزی انسائیکلو پیڈیا میں دیکھئے۔

۳۸۔ ٹارچ بیئررز آف ہسٹری ص ۱۴۷

۳۹۔ تمدن عرب ص ۱۹۰

۴۰۔ ۔ ۔ ص ۳۷۲

۴۱۔ اخبار الاندلس ج ۳ ص ۵۹

۴۲۔ میراث اسلام۔ آرنلڈ ص ۳۱۳ نیز معرکہ مذہب و سائنس ص ۷۷

۴۳۔ معرکہ مذہب و سائنس ص ۴۱۶

۴۴۔ تمدن عرب ص ۵۱۲

۴۵۔ تشکیل انسانیت ص ۲۱۸

۴۶۔ معرکہ مذہب و سائنس ص ۱۴۶

۴۷۔ تشکیل انسانیت ص ۲۱۷

۴۸۔ اس نام کے سولہ پوپ تھے۔ یہ پہلا تھا اور کئی کتابوں کا مصنف تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برطانیکا)

۴۹۔ تشکیل انسانیت ص ۲۲۱

۵۰۔ ۔ ۔ ص ۲۲۲

۵۱۔ ۔ ص ۲۵۶

۵۲۔ ٹارچ بیئررز آف ہسٹری ص ۶۲

۵۳۔ تمدن عرب ص ۳۰۳

۵۴۔ معرکۂ مذہب وسائنس ص ۱۵۱

۵۵۔ " " " " ص ۱۵۰

۵۶۔ " " " " ص ۱۷۹

۵۷۔ " " " " ص ۲۰۷

۵۸۔ " " " " ص ۳۹۹

۵۹۔ یہ یادر ہے کہ ۳۳۰ء سے پہلے کی کتابیں غیر عیسائی رومیوں نے لکھی تھیں۔ قسطنطین ۳۳۰ء میں عیسائی ہوا تھا۔ اور رومی مصنفین کی تعداد ۱۳۰۰ء سے ۱۵۰۰ء تک بیس تھی۔

۶۰۔ تشکیل انسانیت ص ۲۲۷

۶۱۔ معرکۂ مذہب وسائنس ص ۷۶ و تمدن عرب ص ۶۴

۶۲۔ " " " ص ۲۲۷

۶۳۔ " " " ص ۲۲۸

۶۴۔ " " " ص ۲۳۲

۶۵۔ " " " ص ۲۹۸

۶۶۔ " " " ص ۳۱۹

۶۷۔ تمدن عرب ص ۱۰۶

۶۸۔ معرکۂ مذہب وسائنس ص ۲۳۰

۶۹۔ انٹروڈکشن ٹو ہسٹری آف ویسٹرن یورپ از جیمز شاٹویل ص ۵۵

۷۰۔ فرانسس اٹلی کا ایک پادری تھا۔ جس نے کوڑھیوں اور لولوں کی خدمت کے لیے ۱۲۱۰ء میں ایک فرقہ بنایا۔ اس کی وفات ۱۲۲۶ء میں ہوئی۔ (انسائیکلوپیڈیا برطانیکا)

۷۱۔ معرکۂ مذہب وسائنس ص ۲۰۲

۷۲۔ " " " " ص ۲۱۱

۷۳۔ ٹارچ بیئررز آف ہسٹری ص ۱۳۲

۷۴۔ تمدن عرب ص ۵۱۵

۷۵۔ اس نام کے دو پوپ تھے۔ اول ۳۱۴۔۳۳۶ء

دوم ۹۹۹۔۱۰۰۳ء

۷۶۔ تشکیل انسانیت ص ۲۷۹

تیسرا باب

قرونِ وسطیٰ میں اسلام کی سیاسی ہیئت

آپ نے صفحات گزشتہ میں دیکھ لیا۔ کہ قرونِ وسطیٰ میں یورپ کی حالت کیا تھی۔ اس کے بالمقابل اسی زمانے میں اسلام تہذیب و تمدن کے انتہائی منازل طے کر رہا تھا۔ ان تفاصیل میں جانے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اس وقت اسلام کا سیاسی خاکہ کیا تھا۔

حضور پرنور ﷺ کی رحلت (۶۳۲ء) کے وقت اسلام کی حکومت صرف جزیرہ نمائے عرب پہ تھی۔ ایک سال بعد عراق عرب اور حیرہ فتح ہوئے۔ ۶۳۴ء میں اسلامی عساکر شام میں داخل ہو گئے۔ ۶۳۵ء میں دمشق، ۶۳۶ء میں حمص اطاکیہ اور بیت المقدس کا الحاق ہوا اور ۶۳۸ء میں پورے شام پہ ہلالی پرچم لہرانے لگا۔

ایران میں فتوحات کا آغاز ۶۳۵ء میں ہوا تھا۔ ۶۴۲ء میں جنگ نہاوند کے بعد ساسانی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد اسلامی افواج افغانستان پہ چھا گئیں۔ ۶۷۴ء میں بخارا فتح ہوا اور ایک سال بعد سمرقند۔ ۷۱۱ء میں محمد بن قاسم نے کراچی سے ملتان تک کا علاقہ زیرِ نگیں کر لیا۔ ۶۴۱ء میں مصر ۶۴۷ء میں ٹیونس ۶۷۰ء میں قیروان (مراکش کا شہر) اور ۶۹۴ء میں ساحل اطلس (اوقیانوس) اسلامی سلطنت کا حصہ بن گیا۔

۷۱۱ء میں جنرل طارق سپین میں داخل ہوئے۔ اور سپین کو فتح کرنے کے بعد آدھے فرانس پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۷۳۲ء میں چارلس مارٹل نے تور (Tours) جبرالٹر سے پندرہ سو میل شمال میں) کے مقام پر اسلامی یلغار کو روکا۔ ۷۰۰ء میں ایشیائے خورد پہ قبضہ ہوا۔ ۶۵۵ء میں جزائر یونان و قبرص ۸۰۹ء میں کارسیکا، ۸۱۰ء میں جزیرۂ سارڈینا ۸۲۳ء میں کریٹ، ۸۲۷ء میں سسلی، ۸۴۶ء، میں جنوبی اٹلی اور ۸۷۰ء میں مالٹا مسخر ہوا تو یہ تھی اسلامی سلطنت جو شمال میں بحیرۂ اسود جنوب میں ملتان، مشرق میں سمرقند اور مغرب میں جنوبی فرانس و ساحل اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس کا رقبہ اندازاً دو سے لاکھ مربع میل تھا۔

اس زمانے میں تہذیب کے بڑے بڑے مرکز بغداد۔ ایران۔ مصر۔ سپین اور سسلی تھے۔ ان ممالک پہ مختلف سلسلے حکمران رہے۔ تفصیل جداول ذیل میں دیکھیے۔ چونکہ ان سلسلوں کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ اس لیے یہاں صرف ان خاندانوں کا ذکر کیا جائے گا۔ جن کا ذکر اس کتاب میں بار بار آتا ہے۔

۱۔ خلفائے راشدین

نام	سال خلافت یا تخت نشینی
۱۔ حضرت ابوبکرؓ	۶۳۲ء
۲۔ حضرت عمرؓ	۶۳۴ء
۳۔ حضرت عثمانؓ	۶۴۴ء
۴۔ حضرت علیؓ	۶۵۶۔۶۶۱ء

۲۔ خلفائے اموی

۱۔ معاویہ۔ اوّل	۶۶۱ء
۲۔ یزید۔ اوّل	۶۸۰ء
۳۔ معاویہ۔ دوم	۶۸۳ء
۴۔ مروان۔ اوّل	۶۸۳ء
۵۔ عبدالملک	۶۸۵ء
۶۔ ولید۔ اوّل	۷۰۵ء
۷۔ سلیمان	۷۱۵ء
۸۔ عمر بن عبدالعزیز	۷۱۷ء
۹۔ یزید۔ دوم	۷۲۰ء

۱۰۔ہشام	۷۲۴ء
۱۱۔ولید۔دوم	۷۴۳ء
۱۲۔یزید۔سوم	۷۴۴ء
۱۳۔ابراہیم	۷۴۴ء
۱۴۔مروان۔دوم	۷۴۴۔۷۵۰ء

(انہیں خاندانِ عباسیہ نے ختم کیا)

۳۔خلفائے عبّاسی

ا۔سفّاح	۷۵۰ء
۲۔منصور	۷۵۴ء
۳۔مہدی	۷۷۵ء
۴۔ہادی	۷۸۵ء
۵۔ہارون الرشید	۷۸۶ء
۶۔امین	۸۰۹ء
۷۔مامون	۸۱۳ء
۸۔مُعتَصِم	۸۳۳ء
۹۔واثق	۸۴۲ء
۱۰۔مُتوکل	۸۴۷ء
۱۱۔مُنتصر	۸۶۱ء
۱۲۔مُستعین	۸۶۲ء
۱۳۔مُعتز	۸۶۶ء
۱۴۔مُہتدی	۸۶۹ء

۱۵۔مُعتمِد	۸۷۰ء
۱۶۔مُعتَضِد	۸۹۲ء
۱۷۔مُکتفی	۹۰۲ء
۱۸۔مُقتَدِر	۹۰۸ء
۱۹۔قاہر	۹۳۲ء
۲۰۔راضی	۹۳۴ء
۲۱۔مُتّقی	۹۴۰ء
۲۲۔مُستکفی	۹۴۴ء
۲۳۔مُطیع	۹۴۶ء
۲۴۔طایع	۹۷۴ء
۲۵۔قادِر	۹۹۱ء
۲۶۔قائم	۱۰۳۱ء
۲۷۔مُقتَدی	۱۰۷۵ء
۲۸۔مُستَظہر	۱۰۹۴ء
۲۹۔مُسترشِد	۱۱۱۸ء
۳۰۔راشِد	۱۱۳۵ء
۳۱۔مُقتَفی	۱۱۳۶ء
۳۲۔مُستَنجِد	۱۱۶۰ء
۳۳۔مُستضی	۱۱۷۰ء
۳۴۔ناصِر	۱۱۸۰ء
۳۵۔ظاہر	۱۲۲۵ء
۳۶۔مُستَنصِر	۱۲۲۶ء

۳۷۔ مُستعصِم ۱۲۴۲۔۱۲۵۸ء

(اس سلسلے کو تاتاریوں نے ختم کیا)

سلاطینِ افریقہ

مصر اور افریقہ کے شمالی ساحل پر پندرہ سلسلے برسرِ اقتدار رہے۔ یعنی:

سلسلہ	پایۂ تخت	از۔۔۔۔۔تا
۱۔ اَدارِسہ	مَرّاکُش	۷۸۸۔۔۔۔۔۔۹۰۵ء
۲۔ بُنو اَغلَب	تُونِس	۸۰۰۔۔۔۔۔۹۰۹ء
۳۔ بُنو حماد	الجیریا	۱۰۰۷۔۔۔۔۔۔۱۱۵۲ء
۴۔ مُرابطین	مَرّاکُش وغیرہ	۱۰۵۶۔۔۔۔۔۔۔۱۱۴۷ء
۵۔ موحدین	مَرّاکُش وغیرہ	۱۱۳۰۔۔۔۔۔۔۱۲۶۹ء
۶۔ بنو حَفص	تونِس	۱۲۲۸۔۔۔۔۔۔۱۵۳۴ء
۷۔ بنو زیان	الجیریا	۱۵۳۵۔۔۔۔۔۔۱۳۷۳ء
۸۔ بنو مرین	مَرّاکُش	۱۱۹۵۔۔۔۔۔۔۱۴۷۰ء
۹۔ بنو وَتعس	مراکش	۱۴۷۰۔۔۔۔۔۔۱۵۵۰ء
۱۰۔ شرفائے مراکش	مراکش	۱۵۴۴۔۔۔۔۔۔۱۵۹۳ء
۱۱۔ ایو بی	مصر۔ شام۔ الجیریا۔ عرب	۱۱۶۹۔۔۔۔۔۔۱۳۴۱ء
۱۲۔ ممالیک	مصر وشام	۱۲۵۲۔۔۔۔۔۔۱۵۱۷ء
۱۳۔ بُنو طولون	مصر	۸۶۸۔۔۔۔۔۔۹۰۵ء
۱۴۔ آلِ اخشید	مصر	۹۳۵۔۔۔۔۔۔۹۶۹ء
۱۵۔ فاطمی	مصر	۹۰۹۔۔۔۔۔۔۱۱۷۱ء

خلفائے فاطمی

خلفائے فاطمی حضرت فاطمۃ الزہرا کی اولاد تھے، اس سلسلے کا بانی عبیدُاللہ تھا۔ جس نے مہدی اور امیر المؤمنین ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے پیرووں کی امداد سے امرائے اغلبی کو شکست دے کر مراکش کا فرمان روا بن گیا۔ ابتدا میں فاطمیہ کا پایۂ تخت تُونس کے قریب ایک شہر مہدیہ تھا۔ ۹۶۹ء میں ایک فاطمی جرنیل نے اخشیدیوں کو شکست دے کر مصر پر قبضہ کر لیا۔ اور نیل کے دو شاخے پر ایک قلعہ بنایا۔ جس کی آبادی بڑھتی گئی۔ اور یہ شہر قاہرہ کے نام سے مشہور ہوا۔ ۹۹۱ء میں فاطمیوں نے شام پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور ان کی حکومت شام سے سواحل اطلس تک پھیل گئی۔ جب موحدین و مرابطین تونس و مراکش پہ قابض ہو گئے تو فاطمیوں نے قاہرہ کو دارالخلافہ بنا لیا۔ اس سلسلے کو ۱۱۷۱ء میں صلاح الدین ایوبی نے ختم کیا۔

امویانِ اندلس کے بعد یہ دوسرا سلسلہ تھا۔ جو خلفائے عباسی کی اطاعت سے آزاد ہو گیا تھا۔

جداولِ خُلفا

۱۔ مہدی	ابو محمد عبیداللہ	۹۰۹ء
۲۔ قائم	ابوالقاسم محمد	۹۳۴ء
۳۔ منصور	ابو طاہر اسمٰعیل	۹۴۵ء
۴۔ مُعِز	ابو تمیم	۹۵۲ء
۵۔ عزیز	ابو منصور	۹۷۵ء
۶۔ حاکم	ابو علی منصور	۹۹۶ء
۷۔ ظاہر	ابوالحسن علی	۱۰۲۰ء
۸۔ مُستنصِر	ابو تمیم	۱۰۳۵ء
۹۔ مستعلی	ابوالقاسم احمد	۱۰۹۴ء
۱۰۔ منصور	ابو علی عامر	۱۱۰۱ء

۱۱۔ حافظ	ابوالمیمون	۱۱۳۰ء
۱۲۔ ظافر	ابوالمنصور اسماعیل	۱۱۴۹ء
۱۳۔ فائز	ابوالقاسم عیسیٰ	۱۱۵۴ء
۱۴۔ عاضد	ابومحمد عبداللہ	۱۱۶۰۔۱۱۷۱ء

اسلامی سلطنت سپین میں

طارق نے ۷۱۱ء میں سپین پہ حملہ کیا تھا، یہ ملک ۷۵۰ء تک خلفائے اُموی (دمشق) اور پھر ۷۵۶ء تک خلفائے عباسیہ کے تحت رہا۔ لیکن زوالِ اُمیہ کے بعد حالات نے اِک نئی کروٹ لی۔ جب عباسیوں نے دمشق پر قابض ہونے کے بعد خاندان امیہ کا صفایا شروع کیا۔ تو خلیفہ ہشام (۷۲۴۔۷۴۳ء) کا پوتا عبدالرحمٰن بچ بچا کر مراکش پہنچ گیا۔ اور وہاں سے امرائے اندلس کے ساتھ خط و کتابت شروع کر دی۔ جب اسے ان امرا کی حمایت کا یقین ہو گیا۔ تو ۷۵۵ء میں وہاں جا پہنچا۔ اور ۷۵۶ء میں ملک کی سیادت سنبھال لی۔ ابتدا میں یہ خلفا سلاطین کہلاتے تھے۔ ۹۲۹ء میں عبدالرحمٰن ثالث نے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ ۱۰۳۱ء میں یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور جا بجا چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن گئیں۔ کچھ ریاستیں ان خلفا کے عہد ہی میں تشکیل پا چکی تھیں۔ اشبیلیہ کے بنو عبّاد نے کسی حد تک اس طوائف الملو کی کو ختم کیا۔ اور پھر عیسائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے افریقہ کے مرابطین سے مدد مانگی۔ انہوں نے مدد تو کی۔ لیکن بنو عبّاد کا تخت خود سنبھال لیا۔ حالات یونہی چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۴۹۲ء میں فردینان نے اسلامی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

جداولِ سلاطین

۱۔ خلفائے اُموی (قرطبہ میں)

۱۔ عبدالرحمان اوّل	۷۵۶ء
۲۔ ہشام اوّل	۷۸۸ء

۳۔ حکم۔ اوّل	۷۹۶ء
۴۔ عبدالرحمٰن۔ دوم	۸۲۲ء
۵۔ محمد۔ اوّل	۸۵۲ء
۶۔ مُنذِر	۸۸۶ء
۷۔ عبداللہ	۸۸۸ء
۸۔ عبدالرحمان۔ سوم۔ الناصر	۹۱۲ء
۹۔ حکم۔ دوم المُستنصِر	۹۶۱ء
۱۰۔ ہشام۔ دوم المُوید	۹۷۶ء
۱۱۔ محمد۔ دوم المہدی	۱۰۰۹ء
۱۲۔ سلیمان۔ اَلمُستعین	۱۰۰۹ء
۱۳۔ محمد۔ دوم (دوبارہ)	۱۰۱۰ء
۱۴۔ ہشام۔ دوم (دوبارہ)	۱۰۱۰ء
۱۵۔ سلیمان (دوبارہ)	۱۰۱۳ء
۱۶۔ علی بن حمود (بنوحمود میں سے)	۱۰۱۶ء
۱۷۔ عبدالرحمٰن۔ چہارم	۱۰۱۸ء
۱۸۔ قاسم بن حمود (امرائے حمود میں سے)	۱۰۱۸ء
۱۹۔ یحییٰ بن علی (امرائے حمود میں سے)	۱۰۲۱ء
۲۰۔ قاسم بن حمود (دوبارہ)	۱۰۲۲ء
۲۱۔ عبدالرحمان۔ پنجم المُستظہر	۱۰۲۳ء
۲۲۔ محمد۔ سوم	۱۰۲۴ء
۲۳۔ یحییٰ بن علی	۱۰۲۵ء
۲۴۔ ہشام ثالث	۱۰۲۷۔۱۰۳۱ء

(اس سلسلے کے بعد ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا)

۲۔ بنو حمود (مالقہ میں)

۱۔علی بن حمود	۱۰۱۶ء
۲۔قاسم بن حمود	۱۰۱۸ء
۳۔یحییٰ بن علی	۱۰۲۱ء
۴۔قاسم بن حمود (دوبارہ)	۱۰۲۲ء
۵۔یحییٰ بن علی (دوبارہ)	۱۰۲۵ء
۶۔ادریس۔اوّل	۱۰۳۵ء
۷۔حسن	۱۰۳۹ء
۸۔ادریس۔دوم	۱۰۴۲ء
۹۔محمد۔اوّل	۱۰۴۶ء
۱۰۔ادریس۔سوم	۱۰۵۲ء
۱۱۔ادریس۔دوم (دوبارہ)	۱۰۵۳ء
۱۲۔محمد۔دوم	۱۰۵۴۔۱۰۵۷ء

(اس خاندان کو مرابطین نے ختم کیا)

۳۔ بنو حمود (الجزیرہ میں)

۱۔محمد۔المہدی	۱۰۳۹ء
۲۔قاسم۔الواثق	۱۰۴۸۔۱۰۵۸ء

(اس سلسلے کو بنو عباد نے ختم کیا)

۴۔ امرائے عبادی (اشبیلیہ میں)

۱۔ محمد۔ اول بن اسماعیل	۱۰۲۳ء
۲۔ عباد بن معتضد بن محمد	۱۰۴۲ء
۳۔ محمد۔ دوم بن معتضد بن عباد	۱۰۶۸۔۱۰۹۱ء

(ان امرا کا خاتمہ مرابطین کے ہاتھوں ہوا)

۵۔ بنو زِیری (غرناطہ میں)

۱۔ زاوی	۱۰۱۲ء
۲۔ حبوس بن ماکسن صنہاجی	۱۰۱۹ء
۳۔ بادیس بن حبوس	۱۰۳۸ء
۴۔ عبداللہ بن سیف الدولہ بن بادیس	۱۰۷۳ء
۵۔ تمیم بن سیف الدولہ	۱۰۹۰ء

(انہیں مرابطین نے ختم کیا)

۶۔ بنو جَہور! (قرطبہ میں)

۱۔ جہور بن محمد	۱۰۳۱ء
۲۔ محمد بن جہور	۱۰۴۳ء
۳۔ عبدالملک بن محمد	۱۰۵۸۔۱۰۶۸ء

(انہیں بنو عباد نے ختم کیا)

۷۔ بنو ذی النون (طُلَیطلَہ میں)

۱۔ اسماعیل	۱۰۳۵ء

۲۔ یحییٰ بن اسماعیل المامون	۱۰۳۷ء
۳۔ یحییٰ بن اسماعیل بن المامون	۱۰۷۱۔۱۰۸۵ء

(اس سلسلے کو لیون کے بادشاہ الفونسو ششم (۱۰۶۵۔۱۱۰۹ء) نے ختم کیا)

۸۔ بنو عامر (وَلَنشِیہ میں)

ا۔ عبدالعزیز	۱۰۲۱ء
۲۔ عبدالملک	۱۰۶۱ء
۳۔ مامون	۱۰۶۵ء
۴۔ قادر	۱۰۷۴ء
۵۔ ابوبکر	۱۰۷۵ء
۶۔ عثمان	۱۰۸۵ء
۷۔ قادر (دوبارہ)	۱۰۸۵ء

(انہیں عیسائیوں نے ختم کیا)

۹۔ امرائے تُجیبی و ہُودی (سَرقسطہ میں)

ا۔ منذر بن یحییٰ۔ التجیبی، المنصور	۱۰۱۹ء
۲۔ یحییٰ بن منذر۔ المظفر	۱۰۲۳ء
۳۔ مُنذِر بن یحییٰ	۱۰۲۹ء
۴۔ سلیمان بن احمد بن محمد بن ہُود۔ المستعین	۱۰۳۹ء
۵۔ احمد بن سلیمان۔ المقتدر	۱۰۴۶ء
۶۔ یوسف بن احمد۔ الموتمن	۱۰۸۱ء
۷۔ احمد بن یوسف۔ المستعین	۱۰۸۵ء

۸۔عبدالملک بن احمد۔عمادالدولہ	۱۱۰۹ء
۹۔احمد بن عبدالملک۔سیف الدولہ	۱۱۱۹۔۱۱۴۱ء

(انہیں عیسائیوں نے ختم کیا)

۱۰۔امرائے دانیہ (دانیہ میں)

۱۔مجاہد بن یوسف	۱۰۱۷ء
۲۔علی بن مجاہد	۱۰۴۴۔۱۰۷۵ء

(انہیں اُمرائے ہُودی نے ختم کیا)

۱۱۔بنونصر (بانیانِ الحمرا)

۱۔محمد۔اوّل	۱۲۳۲ء
۲۔محمد۔دوم	۱۲۷۳ء
۳۔محمد۔سوم	۱۳۰۲ء
۴۔نصر	۱۳۰۹ء
۵۔اسماعیل۔اوّل	۱۳۱۴ء
۶۔محمد۔چہارم	۱۳۲۵ء
۷۔یوسف۔اوّل	۱۳۳۳ء
۸۔محمد۔پنجم	۱۳۵۴ء
۹۔اسماعیل۔دوم	۱۳۵۹ء
۱۰۔محمد۔ششم	۱۳۶۰ء
۱۱۔محمد۔پنجم (دوبارہ)	۱۳۶۲ء
۱۲۔یوسف۔دوم	۱۳۹۱ء

۱۳۔ محمد۔ ہفتم	۱۳۹۲ء
۱۴۔ یوسف۔ سوم	۱۴۰۷ء
۱۵۔ محمد۔ ہشتم	۱۴۱۷ء
۱۶۔ محمد۔ نہم	۱۴۲۷ء
۱۷۔ محمد۔ ہشتم (دوبارہ)	۱۴۲۹ء
۱۸۔ یوسف۔ چہارم	۱۴۳۲ء
۱۹۔ محمد۔ ہشتم (سہ بارہ)	۱۴۳۲ء
۲۰۔ محمد۔ دہم	۱۴۴۴ء
۲۱۔ سعد	۱۴۴۵ء
۲۲۔ محمد۔ دہم (دوبارہ)	۱۴۴۶ء
۲۳۔ سعد (دوبارہ)	۱۴۵۳ء
۲۴۔ علی	۱۴۶۱ء
۲۵۔ محمد۔ یازدہم	۱۴۸۲ء
۲۶۔ علی (دوبارہ)	۱۴۸۳ء
۲۷۔ محمد۔ دوازدہم	۱۴۸۵ء
۲۸۔ محمد۔ یازدہم (دوبارہ)	۱۴۸۶۔۱۴۹۲ء

(اس سلسلے کو فردینان نے ختم کیا۔ اور سپین میں یہ آخری اسلامی سلطنت تھی)

۱۔ جبرالٹر سے چھ میل مغرب کی طرف ایک ساحلی شہر اور بندرگاہ

۲۔ مشرقی سپین میں ولنسیہ سے چالیس میل جنوب کی طرف ایک ساحلی شہر

چوتھا باب

قرونِ وسطیٰ میں اسلامی تہذیب وتمدن

قرونِ وسطیٰ میں یورپ وحشت، بربریت اور جہالت میں تابفرق ڈوبا ہوا تھا۔ لوگ گارے اور گھاس کی جھونپڑوں میں رہتے، پتے کھاتے اور کھالیں پہنتے تھے۔ ان کی گلیاں غلیظ جا بجا گندے جوہڑ اور کوڑے کے ڈھیر، سڑکیں ندارد، ہر طرف بے راہ جنگل۔ جن میں ڈاکوؤں اور آدم خوروں کا بسیرا تھا۔ سیاست، حکومت، تمدن، تہذیب اور علوم وفنون کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ عین اس عالم میں عرب سے ایک قوم اٹھی، جو صرف نوّے برس میں ملتان سے بحیرہ اسود اور سمرقند سے ساحل اطلس اور وسطِ فرانس تک چھا گئی۔ اس قوم نے جا بجا مساجد بنائیں۔ علم وفن کے بڑے بڑے مرکز قائم کیے دنیا بھر کے علماء حکما کو اپنے درباروں میں جمع کیا۔ تمام یونانی ورومی علوم کو عربی میں منتقل کیا۔ جا بجا دارالکتب اور دار العلوم قائم کیے۔ شفاخانے بنوائے، سڑکیں نکالیں، نہریں کھودیں، باغات لگائے، گلیوں کو پختہ کیا۔ رات کو روشنی کا انتظام کیا۔ پل اور تالاب بنائے اور دنیا کو حسین تعمیرات سے بھر دیا۔

اسلامی تعمیرات کے امتیازی اوصاف چمک، روشنی، صفائی، کشادگی، حسین نقش ونگار، رنگین پتھر کا باریک کام سنگ مرمر کی جالیاں، بلند مینار چمکتے ہوئے گنبد، چھلکتے ہوئے تالاب، سرسراتے ہوئے چشمے، مہکتے ہوئے باغ، اور ناچتے ہوئے فوارے ہیں۔ الحمرا میں کانسی کے شیر، سونے کے مور اور ایسے فوارے بنے ہوئے تھے۔ جن سے پانی کے ساتھ ساتھ نہایت میٹھی باتیں نکلتی اور ساز بجنے لگتے۔ المقتدر عباسیؒ (۹۰۸۔۹۳۲ء) کے محل میں ایک وسیع حوض تھا، جس کے وسط میں سونے کا درخت تھا۔ اس کی شاخیں سو سے زیادہ تھیں، اس کے پتے، پھل اور پھول یاقوت وزمرد وغیرہ سے بنائے گئے تھے۔ شاخوں پہ رنگ برنگ کے پرندے تھے۔ جو سونے، چاندی اور لعل ومرجاں سے تیار کیے گئے تھے۔ جب ہوا چلتی تو یہ پرندے مختلف بولیاں بولتے اور گاتے تھے۔ تالاب کے دونوں جانب ایسے مصنوعی سوار تھے۔ جو خوبصورت لباس پہنے اور مرصّع تلواریں

ہاتھوں میں لیے یوں بڑھتے تھے۔ جیسے وہ ایک دوسرے پہ حملہ کر رہے ہوں۔ ان خلفا کی شان و ہیبت کا یہ عالم تھا۔ کہ جب قسطنطین ہفتم (۹۱۲۔۹۵۸ء) کا سفیر مقتدر عباسی (۹۰۸۔۹۳۲ء) کے دربار میں پہنچا۔ تو اس نے محل کے باہر ایک لاکھ ساٹھ ہزار سوار اور پیادہ، سات ہزار خواجہ سرا، سات سو حاجب اور محل کے اندر اڑتیس ہزار پردے اور بائیس ہزار قالین دیکھے۔ جب فوج کے ایک دستے نے پریڈ کی۔ تو اس کے ساتھ ایک سو شیر بھی مارچ کر رہے تھے۔ اس کا محل نو مربع میل میں پھیلا ہوا تھا۔ اور اس میں نو ہزار گھوڑوں کا ایک اصطبل بھی تھا۔

عہد مامون (۸۱۳۔۸۳۳ء) میں بغداد کی آبادی دس لاکھ تھی۔ جس میں تیس ہزار مساجد، دس ہزار حمام ایک ہزار محل اور آٹھ سو ساٹھ اطبا تھے۔ نیز ایک دارالحکمت تھا۔ جس میں ایران، عراق، شام، مصر اور ہندوستان کے سینکڑوں حکما دنیا بھر کے علوم و فنون کو عربی میں منتقل کر رہے تھے۔ سڑکوں پہ ہر روز گلاب اور کیوڑے کا عرق چھڑکا جاتا تھا۔ جب خلیفہ کی سواری سڑکوں پہ نکلتی تھی۔ تو اس کے آگے پیچھے دس ہزار سوار ہوتے تھے۔ ان کے گھوڑے زیوروں سے آراستہ اور سب کا رنگ نیلگوں مائل بہ سیاہی۔

محلات میں چاندی اور سونے کے شمعدان، مُرصّع فانوس اور ان میں عنبری شمعیں رات بھر نور و خوشبو کا عالم رچائے رکھتی تھیں۔ امرا میں سمور و سنجاب اور حریر و پرنیاں کا استعمال عام تھا۔ بغداد کے جامہ باف اس قدر باکمال تھے۔ کہ ایک مرتبہ امین (۸۰۹۔۸۱۳ء) کی والدہ زبیدہ کو کپڑے کا ایک تھان پچاس ہزار دینار (بارہ لاکھ پچاس ہزار روپے) میں خریدنا پڑا۔ جب مامون کی شادی حسن بن سہل وزیر کی بیٹی بوران سے ہوئی۔ تو حسن بن سہل نے ایک قالین سونے کے تاروں سے بنوایا۔ جس کی جھالر میں قیمتی جواہر پروئے ہوئے تھے۔ جب مامون اس قالین پہ بیٹھا۔ تو اس پر موتی نچھاور کیے گئے۔

ڈِل ڈیوران لکھتا ہے۔ کہ دمشق میں سو حمام۔ سو فوارے۔ پونے چھ سو مساجد اور بے شمار باغات تھے۔ آبادی ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ تھی۔ شہر کا طول بارہ میل اور عرض تین میل تھا۔ یہاں ولیدِ اوّل (۷۰۵۔۷۱۵ء) نے ایک مسجد تیار کرائی تھی۔ جس پر بارہ ہزار مزدور آٹھ سال تک کام کرتے

رہے تھے۔ (اتیج آف فیتھ ص ۲۳۱_۲۳۲)

رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے۔ کہ عربوں کے نفیس کتانی، سوتی، اونی اور ریشمی لباس، بغداد کے حریری پرنیاں، دمشقی مشجر، موصل کی ململ، غازہ کی جالی، غرناطہ کے اُونی کپڑے، ایرانی تافتہ اور طرابلس کے شیفون نے یورپ کی نیم برہنہ آبادی کو اعلیٰ لباس کا شوقین بنا دیا۔ اس قسم کے مناظر اکثر دیکھنے میں آئے۔ کہ ایک بشپ گرجے میں عبادت کر رہا ہے اور اس کی عبا پر قرآنی آیات کاڑھی ہوئی ہیں۔ مرد تو رہے ایک طرف عورتیں بھی عربی قمیص اور جُبہ بڑے فخر سے پہنتی تھیں۔ سپین اور سسلی میں بے شمار کرگھے تھے۔ صرف اشبیلیہ میں سولہ ہزار تھے۔ قرطبہ میں ریشم بافوں کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی۔ سسلی کے پایۂ تخت میں تین ہزار سے زیادہ جامہ باف تھے۔ ان کی تیار کردہ عباؤں، قباؤں اور چادروں پہ قرآنی آیات بھی ہوتی تھیں جنہیں عیسائی بادشاہ اور پادری فخر سے پہنتے تھے۔ سسلی میں عیسائی عورتیں نقاب اوڑھتی تھیں۔

عبدالرحمٰن سوم (۹۱۲_۹۶۱ء) کے زمانے میں قرطبہ کی آبادی پانچ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس میں سات سو مساجد، تین سو حمام، ایک لاکھ تیرہ ہزار مکانات اِکیس مضافاتی بستیاں اور ستّر لائبریریاں تھیں۔ اس میں شیشہ سازی اور چمڑہ رنگنے کے کارخانے بھی تھے۔ ۹۳۶ء میں عبدالرحمٰن سوم نے ایک شاندار محل کی بنا ڈالی۔ دُور دراز ممالک سے سنگِ مرمر وسُرخ نیز سنگِ موسیٰ منگوایا اور دس ہزار مزدور پندرہ سو گدھوں کے ساتھ بیس سال تک کام کرتے رہے۔ الحمرا سولہ سال میں تیار ہوا تھا۔ اور تاج محل بیس ہزار مزدوروں نے بائیس برس میں بنایا تھا اور اس کا مسالہ چھ کروڑ روپے میں خریدا گیا تھا۔

سسلی کا پایۂ تخت پلرمو مسلمانوں کے عہد میں نہایت خوبصورت شہر تھا کشادہ بازار۔ پختہ سڑکیں۔ سیدھی گلیاں۔ جابجا پارکیں اور فوارے۔ اندر پانچ نہریں بہتی تھیں۔ وہاں ایک بہت بڑا کارخانہ بھی تھا۔ جس میں جہاز، تلواریں، نیزے، تیر، خنجر، زِرہ، خود، ڈھالیں، منجنیق، بارُود اور چند دیگر چیزیں بنتی تھیں۔ عظیم شاہی محلات۔ چھ سو مساجد اور دیگر عمارات کی وجہ سے شہر دلہن نظر آتا تھا۔ وہاں تانبے، پیتل، کاغذ، تیل اور عطر کے بھی بیسیوں کارخانے تھے۔

مسلمانوں نے سسلی میں نہریں کاٹیں۔ دُور دُور سے شفتالو۔ لیموں وغیرہ کے درخت منگا کر لگائے۔ کپاس اور نیشکر کو عام کیا۔ ریشم کو رواج دیا۔ تعمیرات میں سرخ وسفید پتھر کا استعمال کیا۔ نوکدار محرابوں، آرائشی طاقچوں، جالیوں اور میناروں کو مقبول بنایا۔ محلات ومساجد پہ خط طغرائی میں آیات نویسی کا سلسلہ شروع کیا۔ جا بجا درسگاہیں اور کتب خانے قائم کیے۔ ایک سو تیرہ بندرگاہیں بنائیں اور وہاں کے لوگ ہماری تہذیب سے اس قدر متاثر ہوئے۔ کہ ان کا لباس تمدن، نظام تعلیم اور رہن سہن سب کچھ اسلامی ڈھانچے میں ڈھل گیا۔

پوپ اور قیصر ہمارے باجگزار تھے

اس دور میں عیسائیوں کے طاقتور حکمراں دو ہی تھے۔ رومہ میں پوپ اور قسطنطنیہ میں قیصر۔ ۸۲۹ء میں مسلمان اٹلی پہ حملہ آور ہوئے۔ اور ۸۷۲ء میں روم تک جا پہنچے۔ اس وقت پوپ جان ہشتم (۸۷۲۔۸۸۲ء) مسند پاپائیت پہ فائز تھا۔ اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جزیہ دینا منظور کر لیا۔ اور مسلمان واپس آگئے ہے

اسی طرح قیصر بھی ۷۷۶ء سے ہمارا باجگزار تھا۔ لیکن جب قیصر نائسیفورس اول (۸۰۲۔ ۸۱۱ء) مسند نشین ہوا۔ تو اس نے ہارون الرشید (۷۸۶۔۸۰۹ء) کو لکھا۔ کہ میں آئندہ خراج ادا نہیں کروں گا۔ ہارون الرشید نے اس کا وہ جواب دیا۔ کہ وہ یورپ کے مؤرخین آج تک نعل در آتش ہیں۔ لکھا:

"امیر المؤمنین ہارون الرشید کی طرف سے

رُومی کتے کے نام

اے فاحشہ ماں کے بچے! میں نے تمہارا خط پڑھا۔ اس کا جواب تو عنقریب اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔"

چند روز بعد قیصر پہ حملہ کیا۔ اور اسے سخت شکست دے کر دوبارہ باجگزاری پہ مجبور کر دیا۔ تاریخ بتاتی ہے۔ کہ مائیکل ہفتم (۱۰۶۷۔۱۰۷۸ء) سلجوقی بادشاہوں کو خراج دیتا تھا۔

الغرض دنیا کی قیادت وسیادت ہزار برس تک ہمارے پاس رہی۔ سیاہ وسفید کے مالک ہم

تھے۔ خشک وتر پہ ہمارا سکہ چلتا تھا۔ کوئی گردن کش ہم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ دنیا ہماری تہذیب، ہمارے تمدّن اور ہمارے علوم وفنون پہ جان دیتی تھی۔ مُلک کے مُلک ہمارا مذہب قبول کر چکے تھے۔ اس کی وجہ تلوار نہیں تھی۔ اگر ہم جبر کرتے تو سپین۔ اٹلی۔ سسلی اور ہندوستان میں آج ایک بھی غیر مسلم نظر نہ آتا۔ ہماری تلوار صرف تسخیر ممالک کے لیے تھی۔ دلوں کو ہم پاکیزگی، بلند اخلاقی، نرمی، انصاف اور ایک عدیم المثال نظریۂ حیات کی تلوار سے فتح کیا کرتے تھے۔ آپ نے کہیں پڑھا ہوگا۔ کہ جب فاروقِ اعظمؓ (۶۳۴۔۶۴۴ء) کے زمانے میں شام کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رومیوں کے دباؤ کی وجہ سے ایک شہر کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ تو آپ نے تمام مالیہ لوٹا دیا۔ اور کہا کہ ہم نے یہ مالیہ تمہاری حفاظت کے لیے لیا تھا۔ چونکہ اب ہم تمہاری حفاظت سے قاصر ہیں اس لیے یہ واپس کر رہے ہیں۔ وہ سماں دیکھنے کے قابل تھا۔ کہ مسلمان رختِ سفر باندھ رہے ہیں اور عیسائی زارزار رو رہے تھے۔ ان کے بشپ نے ہاتھ میں انجیل لے کر کہا۔ ''اس مقدّس کتاب کی قسم! کہ اگر کبھی ہمیں اپنا حاکم خود منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا۔ تو ہم عربوں کو ہی منتخب کریں گے۔''

ول ڈیوران[10] لکھتا ہے کہ ۱۰۷۱ء میں سلجوقی سلطان الپ ارسلان (۱۰۶۳۔۱۰۷۲ء) اور قیصر رومنس[11] چہارم میں کسی بات پر شدید اختلاف ہو گیا۔ اور نوبت بہ جنگ رسید۔ قیصر ایک لاکھ فوج لے کر آگے بڑھا۔ الپ ارسلان کے پاس صرف پندرہ ہزار فوج تھی۔ ارسلان نے صلح کا پیغام بھیجا۔ لیکن قیصر نے مسترد کر دیا، جنگ شروع ہو گئی۔ قیصر کو شکست ہوئی۔ اور وہ گرفتار ہو گیا۔ جب ارسلان کے سامنے پیش ہوا۔ تو اس نے پوچھا ''اگر میں گرفتار ہو کر تمہارے سامنے پیش ہوتا۔ تو تم مجھ سے کیا سلوک کرتے؟ کہا۔ میں کوڑوں سے تمہاری کھال کھینچ لیتا۔ فرمایا: مسلم اور عیسائی میں یہی فرق ہے۔ اس کے بعد قیصر کی خدمت میں بیش بہا تحائف پیش کیے۔ اسے اس کی سلطنت واپس دے دی۔ اور بڑے شان واحترام سے رخصت کیا۔

بلند اخلاقی

رچرڈ شیر دل[12] (۱۱۸۹۔۱۱۹۹ء) فلسطین میں صلاح الدین ایوبی (۱۱۶۹۔۱۱۹۳ء) کے

خلاف لڑ رہا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیمار ہو گیا۔ تو ایام علالت میں :،اح الدین اسے کھانا۔ پھل اور مُفرِحات بھیجتا رہا۔

جرمنی کا شہنشاہ فریڈرک دوم (۱۲۱۲ـ۱۲۵۰ء) عربی کا عالم اور اسلامی تہذیب کا از بس گرویدہ تھا۔ جب پوپ نے اسے صلیبی جنگوں میں شمولیت پر مجبور کیا۔ اور وہ فلسطین میں پہنچا۔ تو مصر و شام کے بادشاہ محمد الکامل (۱۱۹۹ـ۱۲۱۸ء) نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ اور بڑی خاطر و مدارات کی۔ عموماً یہ دونوں مسجد عمر میں بیٹھ کر علمی مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ انہی ملاقاتوں میں ایک بار فریڈرک نے کہا تھا:

''سلطان کتنا خوش قسمت ہے۔ جس کا کوئی پوپ نہیں۔''

جب فریڈرک نے واپسی کی تیاری کی۔ تو سلطان نے اسے نہایت قیمتی تحائف دیئے۔ جن میں ایک کلاک بھی شامل تھا۔ یہ آسمان کی طرح گنبد نما تھا۔ اس میں ایک چاند اور ایک سورج بنا ہوا تھا۔ یہ آسمانی چاند سورج کی حرکت کے عین مطابق گھومتے تھے۔ جب آسمان کا سورج ڈوبتا۔ تو کلاک کا آفتاب بھی چھپ جاتا تھا۔ اور صبح کے وقت سورج کے ساتھ نکل آتا تھا۔ پُرلطف بات یہ کہ سرما ہو یا گرما۔ ان دونوں آفتابوں کی حرکت میں سرِ مو فرق نہیں آتا تھا۔

گو فریڈرک نے سسلی سے تمام باقی ماندہ مسلمانوں کو نکال دیا تھا۔ لیکن جب اس کی وفات ہوئی۔ تو تمام دنیائے اسلام نے اس کا ماتم کیا۔

موسیو لیبان[ؒ] لکھتا ہے:۔

> عربوں نے چند صدیوں میں اندلس کو مالی اور علمی لحاظ سے یورپ کا سرتاج بنا دیا۔ یہ انقلاب صرف علمی و اقتصادی نہ تھا۔ اخلاقی بھی تھا۔ انہوں نے نصاریٰ کو انسانی خصائل سکھائے۔ ان کا سلوک یہود و نصاریٰ کے ساتھ وہی تھا۔ جو مسلمانوں کے ساتھ۔ انہیں سلطنت کا ہر عہدہ مل سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ مذہبی مجالس کی کھلی اجازت تھی۔۔۔۔۔ ان کے زمانے میں لاتعداد گرجوں کی تعمیر اس امر کی مزید شہادت ہے۔ جب ۱۱۹۳ء میں والی قرطبہ

(الیوسفؔ یعقوب بن المنصور از موحّدین افریقہ ۱۱۸۴ء۔ ۱۱۹۹ء) نے طلَیطلَہ کا محاصرہ کیا۔ جو اس وقت ایک عیسائی شہزادی بیَرن تِزیر کے قبضے میں تھا۔ تو شہزادی نے ابو یوسف کو پیغام بھیجا کہ عورتوں پہ حملہ کرنا بہادروں کا شیوہ نہیں۔ اس نے جواب دیا۔ کہ شہزادی پہ میرا اسلام ہو۔ اور فوراً محاصرہ اٹھالیا۔''

رابرٹ [۱۲] بریفالٹ لکھتا ہے کہ سپین کے عربوں اور عیسائیوں کے تعلقات اس قدر گہرے تھے۔ کہ جب عبدالرحمان اوّل (۷۵۶۔ ۷۸۸ء) کے زمانے میں شارلیمان (۷۶۸۔ ۸۱۴ء) نے سپین پہ حملہ کیا۔ تو اس کا مقابلہ نصاریٰ و مسلم نے مل کر کیا۔

مسلمانوں کو عیسائی اور یہودی لڑکیوں سے نکاح کرنے کی مذہباً اجازت ہے لیکن انہیں لڑکیاں دینے کی اجازت نہیں۔ اس مذہبی [۱۳] رکاوٹ کے باوجود اشبیلیہ کے بادشاہ ابوالقاسم محمد ثانی (۱۰۶۸۔ ۱۰۹۱ء) نے اپنی بیٹی زاہدہ لیُوں کے فرمانروا الفونسو ششم (۱۰۶۵۔ ۱۱۰۹ء) کے نکاح میں دی اور انفونسو پنجم (۹۹۹۔ ۱۰۲۸ء) نے اپنی بہن کی شادی طلیطلہ کے بادشاہ [۱۶] محمد سے کی۔ اسی طرح ایک عیسائی سردار برموڈ کی لڑکی ٹریسہ نامی سرقسطہ کے فرماں روا المنصور (۱۰۱۹۔ ۱۰۲۳ء) کے نکاح میں تھی۔

تو یہ تھا وہ سلوک جس سے متاثر ہو کر صرف غرناطہ میں انیس لاکھ سے زیادہ عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ہم نے اس ملک پر نہایت عادلانہ و عاقلانہ حکومت کی، ملک کو آباد کیا، ہزاروں درسگاہیں قائم کیں۔ نہریں نکالیں، سینکڑوں کارخانے لگائے۔ اور ساری آبادی کو نہال و آسودہ حال کر دیا۔ دِل ڈیوران [۱۷] لکھتا ہے:۔

''اندلس پر عربوں کی حکومت اس قدر عادلانہ، عاقلانہ اور مشفقانہ تھی کہ اس کی مثال اس کی تاریخ میں موجود نہیں۔ ان کا نظم و نسق اس دور میں بے مثال تھا۔ ان کے قوانین سے معقولیت و انسانیت ٹپکتی تھی اور ان کے جج نہایت قابل تھے۔ عیسائیوں کے معاملات ان کے اپنے ہم مذہب حکّام

کے سپرد تھے۔ جو عیسوی قانون کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ پولیس کا انتظام اعلیٰ تھا۔ بازار میں وزن اور ماپ کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ رومہ کے مقابلے میں ٹیکس کم تھا۔ کسانوں کے لیے عربوں کی حکومت ایک نعمت ثابت ہوئی۔ کہ انہوں نے بڑے بڑے زمینداروں کی زمینیں مزارعین میں تقسیم کر دی تھیں۔"

اسلامی اثرات یورپ میں

آدمی آدمی سے ملے تو کچھ سیکھتا اور کچھ سکھاتا ہے۔ ہم سپین میں آٹھ سو جنوبی فرانس میں دو سو سسلی میں دو سو تریسٹھ اور جنوبی اٹلی میں ڈیڑھ سو برس تک حاکم رہے۔

محکوم پر حاکم کا اثر اتنا شدید ہوتا ہے کہ تہذیب و تمدن تو رہے ایک طرف، بعض اوقات اس کا مذہب تک بدل جاتا ہے۔ ہندوستان پر انگریز نے صرف ڈیڑھ سو برس حکومت کی۔ اور پچاس کروڑ انسانوں کا تمدن، لباس، طرزِ حیات اور نقطۂ نگاہ تک بدل گئے۔ اس معاملے میں مسلمانوں کا جواب نہیں۔ یہ مشرقی و وسطی افریقہ، بحر الکاہل جزائر، ملایا اور چین میں تجارت کی غرض سے گئے تھے اور وہاں کا نقشہ بدل آئے۔ یہاں تک کہ چین کے مشہور ہیئت دان کوشو چنگ نے ۱۲۸۰ء میں علی ابن یونس مصری (۱۰۰۹ء) کی کتاب الہیت کو چینی زبان میں منتقل کیا۔

(تمدن عرب ص ۵۱۲)

یہ انڈونیشیا کے ساڑھے سات کروڑ ملایا کے نوے لاکھ چین کے پانچ کروڑ اور شرقی و وسطی افریقہ کے آٹھ کروڑ مسلمان ان تاجروں کی یاد دلاتے ہیں۔ جو آج سے تیرہ سو سال پہلے ان علاقوں میں بغرض تجارت گئے تھے۔ کتنی ہی ایسی منڈیاں ہیں۔ جہاں عیسائی اور مسلمان صدیوں ملتے رہے۔ مثلاً مصر۔ تونس۔ کریٹ۔ قبرص۔ جزائر یونان و اندلس۔ شام۔ انطاکیہ۔ آرمینیا۔ عراق وغیرہ۔ موسیو لیباں [۸] لکھتا ہے کہ عرب تاجر دریائے والگا کے راستے فن لینڈ تک جاتے تھے۔ نیز بحیرۂ بالٹک کے جزائر مثلاً گاٹ لینڈ (Gotland) بارن ہوم (Bornholm) اور

آلینڈ (Aland) سے ہوکر سویڈن، ڈنمارک اور پرشیا کونکل جاتے تھے۔ان جزائر سے کئی سو عرب سکّے ملے ہیں۔اور یہ اس امر کی واضح شہادت ہے کہ عرب وہاں تجارت کے لیے گئے تھے۔ یہ سکّے پولینڈ میں بھی دستیاب ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر ڈریپر[۱۹] لکھتا ہے:۔

''بارسلونا کی بندرگاہ خلفائے اندلس کی بحری تجارت کا مرکز تھی یہاں سے سینکڑوں جہاز مالِ تجارت سے لدے ہوئے اکنافِ عالم میں جاتے تھے۔مسلمانوں نے یہودی تاجروں کی مدد سے تجارت کے بہت سے اصول اختراع کیے۔ جو رفتہ رفتہ یورپ کی تاجر جماعتوں تک پہنچے۔ حساب میں ڈبل انٹری سسٹم مسلمانوں کی ایجاد ہے۔''

رابرٹ[۲۰] بریفالٹ کہتا ہے:۔

'عربوں کے سپین اور سسلی کی تجارتی وصنعتی سرگرمیوں نے یورپ کی تجارت وصنعت کوجنم دیا۔''

ایک اور مقام پہ لکھتا[۲۱] ہے:۔

''یورپ کے افلاس کی یہ حالت تھی۔کہ اٹلی کے تاجروں کے پاس عربوں کا مال خریدنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔وہ عموماً اردگرد کے دیہات سے بچے چُرا لاتے۔انہیں غلام بنا کر بیچتے اور اس طرح رقم ادا کرتے تھے۔۔۔۔عربوں نے ہند، چین، ملاکا اور ٹمبکٹو تک خشکی کے راستے کھول دیئے۔اور سوڈان وسقوطرہ سے مڈغاسکر تک تجارتی منڈیوں کا ایک سلسلہ قائم کردیا۔ جہاز سازی کے فن کو ترقی دی۔دنیا کو بحر پیمائی کا درس دیا۔ ہنڈیوں کا طریقہ رائج کیا اور بحری تجارت کے لیے انتظامیہ کونسلیں قائم کیں۔''

ہمارے تاجروں کا مابہ الامتیاز یہ تھا۔کہ وہ مالِ تجارت کے ہمراہ اپنی تہذیب، اپنا فلسفہ اور

نظریۂ زندگی بھی لے جاتے تھے۔ اور ان لوگوں کو جو جہالت، بداخلاقی، بت پرستی اور اوہام و اباطیل میں مبتلا تھے۔ خدائے واحد کی پرستش، پاکیزگی اور بلند اخلاقی کا درس دیتے تھے۔ اسلامی تہذیب کو پھیلانے میں صلیبی جنگوں نے بڑی مدد کی۔ اندازاً دو سو برس تک لاکھوں صلیبی مصر، فلسطین، ایشیائے خُورد اور شام میں آ کر اسلامی تہذیب و تمدّن سے متاثر ہوتے رہے۔ صلیبیوں نے پہلی جنگ (۱۰۹۶ء) میں یوروشلم لے لیا تھا۔ وہ یہاں اسّی برس تک حاکم رہے۔ پہلا بادشاہ بالڈول تھا۔ یہ عربی لباس پہنتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی طرح جابجا حمام قائم کیے اور شفاخانے بنائے۔ یورپ مشنری عربی سیکھنے لگے۔ سازِ جنگ میں گھوڑوں کی زِرہ، تبرطبل اور بارود کا اضافہ ہوا۔ کبوتروں کے ذریعے پیغام رسانی شروع ہوئی۔ محاصرہ کے عربی طریقے نیز مشرق کے پودے اور کاشت کے طریقے، لذیذ کھانے مثلاً پلاؤ، قورمہ، حلوہ، چٹنیاں، اعلیٰ لباس، عطریات، مسالے، مشروبات، نیشکر سے شکر نکالنے کی ترکیب اور دیگر متعدد اشیاء مشرق سے مغرب میں پہنچیں۔ وہاں فرنیچر، برتن اور عمارات مشرقی طرز کی بننے لگیں، آرٹ، نقاشی یہاں تک کہ جلد بندی پر بھی اسلامی رنگ چڑھ گیا۔ دمشق اور صور (شام کے شہر) کی صنعت شیشہ سازی وینس میں قائم ہوئی۔ فرانس اور اٹلی میں ریشم بافی ہونے لگی۔ عرب رجز خوانوں سے متاثر ہو کر یورپ کے شعرا نے بھی رجز خوانی شروع کر دی۔ اور لطف یہ کہ بحر، ردیف و قافیہ کے علاوہ تشبیہات و استعارات تک عربوں سے لے لیے۔ وہی اونٹ ''' آہو، ریت اور خارِ مغیلاں کا تذکرہ وصل و فراق کے قصے اور حسب و نسب پہ ناز۔ عربی ساز مثلاً بنسی، عُود، رباب، طنبورہ اور گٹار بھی یورپ میں جا پہنچے۔ یوں عربوں کی شائستگی کا نور آہستہ آہستہ یورپ میں پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ جاہل اور وحشی لوگ ذہنی مشاغل میں حصہ لینے لگے۔ ان کے لباس چمک اٹھے، اور وہ دنیا کی مہذب ترین قوم بن گئے۔

مسلمانوں کا شوقِ علم

یوں تو آغازِ اسلام میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا شاعرِ رسالت حضرت حسّان

بن ثابت اور امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کے دیوان حضرت عبداللہ بن عباس کی تفسیر، حضرت کعب بن زُہیرؓ کا قصیدہ (بانت سُعاد) حضرت علیؓ کے خطبات وخطوط کا مجموعہ (نہج البلاغہ) حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مجموعۂ احادیث، ابن العرام کا جغرافیہ عرب (اس کی ایک نقل پروفیسر عبدالعزیز میمن، علی گڑھ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ جو کراچی میں مقیم رہے کے پاس موجود تھی) ورقہ بن نوفل کا ترجمۂ تورات وانجیل اور درجنوں شعرا کا کلام اس پہ شاہد ہیں لیکن جب ہمارے سلاطین و خلفا جہاں گیری سے فارغ ہوئے۔ تو انہوں نے علوم وفنون کی طرف خاص توجہ دی۔ دار الکتب قائم ہوئے۔ تصنیف وترجمہ کے ادارے بنے۔ اور دنیا بھر سے علما اور کتابیں پایۂ تخت میں آنے لگیں۔ یہ کام دورِ اُمیّہ میں شروع ہوا تھا۔

یزید اوّل (۶۸۰ء) کے بیٹے خالد نے ایک دار الترجمہ قائم کیا تھا۔ جس میں ایک پادری اہرن نامی نگرانی پہ مامور تھا۔ خود خالد بھی مصنّف تھا۔ ابن الندیم نے الفہرست (ص ۴۹۷) میں اس کی چار کتابوں کے نام دیئے ہیں:

۱۔ کتاب الحرارت

۲۔ کتاب الصحیفۃ الکبیر

۳۔ کتاب الصحیفۃ الصغیر

۴۔ وصیۃ الی ابنہ فی الصنعۃ

امیر معاویہ (۶۶۱۔۶۸۰ء) کی خواہش پر ایک عیسائی عالم ابنِ آثال نے طب کی کچھ کتابیں عربی میں ترجمہ کیں۔ مروان بن حکم (۶۸۳۔۶۸۵ء) کے حکم سے ماسرجیس یہودی نے اَہرن کی قرابادین کو عربی میں منتقل کیا۔ ہشام بن عبدالملک (۷۲۴۔۷۴۳ء) کے میر منشی سالم نے ارسطو کے بعض رسائل کا ترجمہ کیا۔ اسی خلیفے نے فارسی کا ایک شاہ نامہ بھی عربی میں منتقل کرایا تھا۔

عباسی خلفا نے دنیا کے ہر حصّے میں اپنے آدمی بھیجے جو کتابوں کے انبار لے کر واپس آئے۔ جہان بھر کے حکما وعلما دربار خلافت میں طلب ہوئے۔ اور تصنیف وترجمہ پہ مامور ہوئے۔ ان لوگوں نے تھیلز (پ ۶۴۰ ق م) سے لے کر بطلیموس (۱۵۱ء میں زندہ) تک کی تصانیف عربی میں

منتقل کر ڈالیں۔ جالینوس وارسطو کی شرحیں لکھیں۔ یونانیوں کی غلطیاں نکالیں، بطلیموس کے بعض مشاہدات پہ تنقید کی۔ اور نہایت محنت سے ستاروں کے مقام وحرکت کی فہرستیں بنائیں۔ خسوف و کسوف کے اسباب بتائے۔ زمین کی جسامت معیّن کی۔ کئی قسم کے اصطرلاب بنائے۔ علماء کے ساتھ بعض وزراء، امرا اور سلاطین بھی کتب خانوں اور رصد گاہوں میں جا بیٹھے۔ حکمتِ یونان کو جسے دنیا بھول چکی تھی، پھر زندہ کیا۔ قرطبہ سے سمرقند تک ہزاروں درسگاہیں قائم کیں۔ ان میں طلبہ کی کثرت کا یہ عالم تھا۔ کہ بقول ول ڈیوران [۲۳] ''جغرافیہ دانوں، مؤرخوں، منجموں، فقیہوں، محدثوں، طبیبوں اور حکیموں کے ہجوم سے سڑکوں پہ چلنا مشکل تھا۔''

سلاطین کی علم نوازی

علم وادب کی تخلیق کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لیے برسوں کا مطالعہ، دیدہ ریزی، ایثار اور یکسوئی چاہیے۔ جب تک ادب فکرِ معاش سے آزاد نہ ہو۔ وہ لکھ نہیں سکتا۔ تخلیق ادب کے لیے یا تو حکومت کی سرپرستی چاہیے۔ اور یا امراد طالب علموں کی طرف سے حوصلہ افزائی۔ یورپ میں ایک آدمی صرف ایک کتاب لکھ کر فکرِ معاش سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ انگلستان کی مشہور شخصیت مسٹر چرچل جس کی عمر ۱۹۶۳ء میں ۸۳ برس تھی) کی کتاب ''دوسری جنگِ عالمگیر کی تاریخ'' کو ایک پبلشر نے ایک پونڈ فی لفظ کے حساب سے خریدا تھا۔ لیکن ایشیا میں یہ صورت نہیں۔ یہاں ادیب کو روزی کا بھی دھندا کرنا پڑتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ کہ احمد شاہ بخاری (۱۹۵۸ء) جیسا فاضل اجل صرف ایک مجموعہ مضامین (مضامینِ پطرس) لکھ سکا۔ سنا ہے کہ ایک یا دو انگریزی کتابوں کا بھی ترجمہ کیا تھا۔ لیکن کہیں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر (۱۹۰۲۔۱۹۵۱ء) کو کشاکش روزگار نے لکھنے کی فرصت ہی نہ دی۔ ان کی صرف چند نظمیں کتابی صورت میں نکلیں۔ اور وہ بھی بعد از مرگ۔ اس وقت پاکستان میں لاتعداد اہلِ قلم موجود ہیں۔ لیکن حکومت کی سرپرستی سے محروم۔ نتیجہ یہ کہ ان میں سے کوئی فلمی گیت لکھ رہا ہے۔ کوئی کلرکی کر رہا ہے۔ اور کوئی آوارہ گردی۔ آج سے ہزار سال پہلے صورتِ حال مختلف تھی۔ اس دور کے سلاطین اہلِ علم کا شکار کھیلتے تھے اور جس طرح بھی بن پڑتا، انہیں اپنے ہاں بلا لیتے تھے۔ جب سلطان محمود

غزنوی کو معلوم ہوا کہ خوارزم شاہی دربار میں البیرونی (۱۰۴۸ء) اور ابنِ سینا (۱۰۳۷ء) جیسے فضلا موجود ہیں۔ تو اس نے خاص قاصد بھیج کر انہیں طلب کیا۔ اور ساتھ ہی شاہ خوارزم کو دھمکی دی کہ اگر انہیں نہ بھیجا تو سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔ محمود غزنوی کے دربار میں چار سو علما و شعرا تھے۔ یہی حال سلجوقیوں، عباسیوں، سامانیوں، خوارزمیوں اور دیلمیوں کا تھا۔ پروفیسر براؤن (تاریخ ادب فارسی کا مصنف) محمود کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ اہل علم کو 'اغوا' کیا کرتا تھا۔ ہمارے تذکرے ایسے علماء کے ذکر سے لبریز ہیں جو سلاطین و امرا سے قصائد و تصانیف پہ بے اندازہ انعام پاتے تھے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ جبرئیل[۲] بن بختِ یشوع۔ ہارون الرشید کا طبیب خاص اور چند کتابوں کا مصنف تھا۔

اس کی سالانہ آمدنی یہ تھی۔

۱۔ سرکاری مشاہرہ	ایک لاکھ بیس ہزار درہم سالانہ
۲۔ یحییٰ بن خالد (۸۰۵ء) وزیر ہارون سے	چھ لاکھ بیس ہزار درہم سالانہ
۳۔ جائیداد سے آمدنی	پندرہ لاکھ بیس ہزار درہم سالانہ
۴۔ عطیات	ایک لاکھ بیس ہزار درہم سالانہ
۵۔ جعفر بن یحییٰ (۸۰۳ء) سے	بارہ لاکھ بیس ہزار درہم سالانہ
۶۔ فضل بن یحییٰ (۸۰۸ء) سے	چھ لاکھ
۷۔ دیگر اُمرا سے	دو لاکھ
میزان	تینتالیس لاکھ بیس ہزار

۲۔ ہارون[۵] نے ایک شاعر مروان بن ابی حفصہ کو صرف ایک نظم سن کر پانچ ہزار دینار (پچیس ہزار ڈالر) عطا کیے تھے۔

۳۔ ایک روز نضر[۶] بن شمیل (۸۱۹ء) جو مشہور موجدِ عروض خلیل بصری کا شاگرد تھا، مامون کو سلام کرنے آیا، اور دورانِ گفتگو میں ایک ایسا ادبی چٹکلہ پیش کیا۔ کہ مامون پھڑک اٹھا اور اسے پچاس ہزار درہم بطور انعام دیے۔

۴۔اسی طرح ایک مرتبہ مامون ایک ادیب ،کلثوم عتابی، کے چند جملوں سے اس قدر محظوظ ہوا۔ کہ اسے ایک ہزار دینار عنایت کیے۔

۵۔ایک مرتبہ مامون نے قیصرِ روم کو لکھا۔ کہ وہاں کے ایک حکیم لیو نامی کو دربارِ خلافت میں بھیج دیجئے۔ اس کے عوض چالیس من سونا دیا۔ نیز دائمی صلح کا وعدہ کیا۔

۶۔ مامون علمائے دارالحکمۃ کی تصانیف کو سونے میں تولتا۔ اور یہ سونا مصنّف کو دے دیتا تھا۔

۷۔ مامون کے سامنے ایک شاعر محمد بن وہیب نے ایک قصیدہ پڑھا اور ہر شعر پر ایک ہزار دینار انعام پایا۔

۸۔ جب مامون نے اپنے والد ہارون سے محل کی ایک خاص کنیز طلب کی۔ تو ہارون نے کہا۔ کہ قیمت ادا کرو۔ پوچھا کتنی؟ فرمایا۔ کہ ایک نظم لکھ کے لاؤ۔

۹۔ایک دفعہ خلیفہ ہشام (۷۲۴۔۷۴۳ء) کو ایک قصیدہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بڑی تلاش کی۔ لیکن نہ ملا۔ آخر حماد الراوی نے اسے سنایا۔ جس پر ہشام نے اسے دو کنیزیں اور پچاس ہزار دینار صلہ دیا۔

خلفا و ملوک کی ہی وہ قدر افزائی تھی۔ کہ اس دور کے ایک ایک عالم نے کئی کئی سو کتابیں لکھیں۔ ان علما کے شوق و ذوق کا یہ عالم تھا کہ حُنین ابن اسحاق (۸۷۷ء) نے جالینوس (۲۰۰ء) کی ایک کتاب تلاش کرنے کے لیے بغداد سے شام۔ فلسطین اور اسکندریہ تک پیدل سفر کیا۔ اور واپسی پر اسے دمشق میں اس کتاب کا صرف ایک مقالہ ملا۔

ہمارے اسلاف کی یہی وہ محنت، تلاش اور ہمت تھی۔ جس نے ایشیا و یورپ ہر دو کو علوم و فنون سے بھر دیا۔ اور کائنات ارضی کے در و دیوار نورِ علم سے چمک اٹھے۔

عربوں کی درس گاہیں

دنیائے اسلام میں ہزارہا مساجد تھیں اور ہر مسجد سے درسگاہ کا کام لیا جاتا تھا۔ ان مساجد

کے علاوہ ہر بڑے شہر میں بڑے بڑے دارالعلوم موجود تھے۔ مثلاً بغداد میں نظامیہ اور تیس دیگر کالج شیراز میں جن میں ہزار ہا طلبہ بیک وقت تعلیم پاتے تھے۔ جب سعدی (۱۲۹۱ء) نظامیہ میں داخل ہوا۔ تو اس وقت وہاں سات ہزار طلبہ زیر تعلیم تھے۔ اور مزید تین ہزار کی ابھی گنجائش تھی۔ مرزا حیرت دہلوی اپنی کتاب (حالات سعدی ص ٦٧) میں لکھتے ہیں۔ کہ دارالعلوم نظامیہ پورا ایک شہر تھا۔ لاتعداد کمرے اور ایک وسیع ہال جس میں دس ہزار انسان سما سکتے تھے۔ کالج میں قرآن، حدیث، فقہ، فلسفہ، ریاضی۔ ہیئت اور دیگر علوم کی تدریس کا پورا انتظام تھا۔ ایک شعبہ اجنبی زبانوں کا تھا۔ جہاں یونانی، عبرانی، لاطینی، سنسکرت اور فارسی پڑھائی جاتی تھی۔ تیر اندازی، تیغ بازی اور گھڑ سواری کی بھی مشق کرائی جاتی تھی۔

جب گیارہویں صدی میں اٹلی [۳۲] کا ایک پادری پیٹر نامی حصول علم کے لیے سپین گیا۔ تو اس نے قرطبہ و غرناطہ میں ہر خطے کے طلبہ دیکھے۔ جن میں چند ایک انگریز بھی تھے۔ اساتذہ کا سلوک بیرونی ممالک کے طلبہ سے بڑا ہی فیاضانہ اور مشفقانہ تھا۔ خلیفہ کے محل میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ جس میں کتب کی تعداد چار لاکھ تھی۔ وہاں کاتبوں، جلد سازوں اور نقاشوں کا بھی ایک بہت بڑا گروہ تھا۔ جن کا کام کتابوں کو نقل کرنا اور جلد باندھنا تھا۔ خلیفہ کے درجنوں قاصد دنیا بھر سے کتابیں جمع کرنے پہ مامور تھے۔

قرطبہ کا ایک پادری [۳۳] الوارو لکھتا ہے کہ تمام تعلیم یافتہ عیسائی نوجوان عربی مدارس کے تعلیم یافتہ ہیں۔ یہ عربی زبان و ادب سے آشنا ہیں۔ عربوں کی کتابیں ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔ مطالعہ کے لیے عربوں کے کتب خانوں میں جاتے ہیں۔ اور شب و روز عربی ادب کے گن گاتے رہتے ہیں۔ جب آری لک (فرانس) کا ایک معلّم جیبرٹ [۳۴] نامی (۱۰۱۰ء) سپین سے۔ ریاضی و ہیئت سیکھ کر واپس گیا۔ تو اس کے رُفقاء طلبا اس کی معلومات سن کر حیرت زدہ ہو گئے۔

جامعہ قرطبہ عربوں کی قدیم ترین یونیورسٹی تھی۔ جس کی بنیاد عبدالرحمان سوم (۹۱۲۔۹۶۱ء) نے ڈالی تھی۔ اس میں یورپ، افریقہ اور ایشیا تک سے طلبہ آتے تھے۔ اس کی لائبریری میں چھ [۳۵] لاکھ کتابیں تھیں۔ اس کی فہرست چوالیس جلدوں میں تیار ہوئی تھی۔ جب مسلمانوں کو سپین سے

نکال دیا گیا اور ان کی کتابیں جلا دی گئیں تو سپین کے بادشاہ فلپ دوم (۱۵۵۶۔ ۱۵۹۸ء) کو لائبریری بنانے کا خیال آیا۔ پوری تلاش کے بعد اسے صرف اٹھارہ سو کتابیں ملیں۔ جن میں اسلامی کتب صرف نو سو تھیں۔ اسی لائبریری کا نام اسکوریل لائبریری ہے۔ جو میڈرڈ میں قائم ہوئی تھی۔

کلونی (فرانس) کا پیرا ایبٹ (۱۲۸۰ء) لکھتا[6] ہے۔

"میں نے قیام ہسپانیہ کے دوران میں دیکھا۔ کہ فرانس۔ جرمنی اور برطانیہ کے طلبہ جوق در جوق عربوں کے علمی مراکز میں جمع ہو رہے ہیں۔"

عربوں[7] نے ایک درس گاہ طلیطلہ میں بھی قائم کی تھی۔ جہاں یورپ کے ہر حصے سے طلبہ آتے تھے۔ اس کالج سے بڑے بڑے اہل قلم نکلے۔ مثلاً رابرٹ (۱۱۴۰ء) جس نے قرآن اور خوارزمی (۸۴۴ء) کے الجبرا کو لاطینی میں منتقل کیا۔ مائیکل[8] سکاٹ، فریڈرک ثانی کا درباری، ڈینیل مارلے، مائیکل سکاٹ کا دوست اور ایڈل[9] ہارڈ۔ یہ تینوں انگلستان کے رہنے والے ہیں۔

سپین[10] کے علاوہ عربوں نے ماؤنٹ پلییئر (فرانس) پڈوا اور پیسا۔ (دونوں اٹلی کے شہر) میں بھی درسگاہیں قائم کی تھیں۔ جہاں بُو علی سینا (۱۰۳۷ء) اور ابوالقاسم بن عباس اندلسی (۱۱۰۷ء) کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، ان ہی مدارس سے اٹلی کے دو مشہور سرجن فیلو پی یَس (۱۵۶۲ء) اور ویسالیوس ایک طبیب کارڈن نامی (۱۵۷۶ء۔ اٹلی) اور شہرۂ آفاق مُنجّم گلیلیو (۱۶۴۲ء) نکلے تھے۔

عربوں کے کتب خانے

صفحات گزشتہ میں ضمناً یہ بات آ چکی ہے۔ کہ قرطبہ میں خلفائے اَمَوی نے ستّر دارالکتب قائم کیے تھے۔ ان میں سے ایک اتنا بڑا تھا۔ کہ اس کی فہرست چوالیس جلدوں میں تیار ہوئی تھی۔ اور اس میں چھ لاکھ کتابیں تھیں۔ طرابلس کی لائبریری کا بھی ذکر آ چکا ہے۔ جس میں تین لاکھ کتابیں تھیں۔ وہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ کتابوں کا شوق حدِ جنوں تک پہنچا ہوا تھا۔ اور ہر لکھا پڑھا آدمی کتابوں کو نشانِ تہذیب سمجھ کر جمع کیا کرتا تھا۔ ہر مکتب و مسجد کے ساتھ لائبریری ہوتی تھی۔ علماء،

وزراء، امرا اور سلاطین کے ذاتی و سرکاری کتب خانے ان کے علاوہ تھے۔ مؤرخ کا علم و مشاہدہ محدود ہوتا ہے۔ لاہور کے مؤرخ کو کیا خبر کہ لاہور میں کس کے پاس کتنی کتابیں ہیں، ہمارے مؤرخین نے بعض کتب خانوں کا حال لکھا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ فہرست مکمل نہیں ہو سکتی۔ بہر حال جو حالات ہم تک پہنچے ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں۔

ا۔ ابن ندیم (۹۸۸ء میں زندہ) لکھتا ہے۔ کہ میں نے بغداد میں محمد بن حسین المعروف بہ ابن ابی بصرہ کا کتب خانہ دیکھا، اس میں شعرائے عرب کے قصائد، کتب حکایات، امام حسنؓ و حسینؓ اور امیر المؤمنین حضرت علیؓ کی تحریرات دستاویزات و معاہدات نیز ابوعمر والشیبانی اور ابوعمرو بن العلاء (۷۷۳ء) کی تصانیف تھیں۔ ابن خلکان[۱] کی روایت ہے۔ کہ ابن العلاء نے عربی اشعار اور خطبات کے اس قدر مجموعے جمع کیے تھے۔ کہ ان کا مکان چھت تک بھر گیا تھا۔

۲۔ مشہور محدّث ابن شہاب الزہری[۲] (۷۴۲ء) کی کتابیں اس قدر تھیں کہ جب وہ ایک کتب خانے میں منتقل کی گئیں تو کئی خر اور خچر استعمال ہوئے۔

۳۔ سلطان بہاء الدولہ دیلمی (۹۸۹۔۱۰۱۲ء) کے وزیر ابونصر سابور بن اُردشیر نے بغداد کے ایک محلّے کرخ میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا۔ جس کے متعلق یاقوت حموی (۱۱۷۹۔۱۲۲۹ء) کا بیان[۳] ہے:

لَمْ یَکُنْ فِی الدُّنیا اَحْسَنَ مِنْھَا

(کہ اس سے بہتر دنیا بھر میں کوئی کتب خانہ نہیں تھا)

۴۔ حماۃ (شام) کے والی ابوالفِدا (۱۳۳۱ء) جو بحیثیت مؤرخ بہت مشہور ہے۔ کے پاس بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ جس میں دو سو علماء کاتبین کتابیں لکھنے اور نقل کرنے پہ مقرر تھے۔

۵۔ ۱۲۱۶ء[۴] میں یاقوت (۱۲۲۹ء) شام کے ایک امیر ابوالفوارس عضدالدین کے ہاں گیا۔ اور اس کے پاس ایک ایسا کتب خانہ دیکھا۔ جس کی کتابوں کی تعداد خود امیر کو بھی معلوم نہ تھی۔ ایک مرتبہ اس نے چار ہزار کتابیں بیچ ڈالیں۔ یا ایں ہمہ کتب خانہ ویسے کا ویسا نظر آتا تھا۔

۶۔ آخری[۵] عباسی خلیفہ مُستعصِم (۱۲۴۲۔۱۲۵۸ء) کے وزیر مُوید الدین ابو طالب محمد بن احمد المعروف بہ ابنُ العلقمی کی ذاتی لائبریری میں دس ہزار کتب تھیں۔ اسی وزیر کی فرمائش پر علامہ صغانی نے العباب (لغتہ) اور عبدالحمید ابن الحدید نے بیس جلدوں میں نہج البلاغۃ کی شرح لکھی تھی۔

۷۔ ابو کثیر[۶] افرائیم بن الزفان، ایوبی سلطان نورالدین علی افضل (۱۱۸۶۔۱۱۹۶ء) کا طبیب تھا۔ اس کے پاس ایک عظیم و نایاب کتب خانہ تھا۔

۸۔ بہرام[۷] شاہ بن عزّ الدین سلجوقی (۱۱۶۷۔۱۱۸۷ء) کے وزیر امین الدولہ ابوالحسن بن الغزّ ال نے کتابیں نقل کرنے کے لیے کئی کاتب اپنے کتب خانے میں رکھے ہوئے تھے۔

۹۔ اندلس کے ایک وزیر ابو جعفر احمد بن عباس نے کئی لاکھ کتابیں جمع کی تھیں۔

(السلوک۔ المقری ج ۲۔ ص ۳۰۸)

۱۰۔ کوفہ کے مشہور امام اللغتہ احمد بن یحییٰ ثعلب (۹۰۴ء) کے پاس بہت بڑا کتب خانہ تھا۔

(معجم الادبا، ج۲، ص ۱۹۶)

۱۱۔ احمد بن محمد ابوبکر بن الجرّ اح (۹۹۱ء) کی ذاتی کتابوں کی قیمت دس ہزار درہم تھی۔

(معجم الادبا، ج۲، ص ۷۸)

۱۲۔ یحییٰ[۸] ابن معین (۸۴۸ء) کی وفات پر اس کے گھر سے ایک سو صندوق اور چار مٹکے کتابوں سے بھرے ہوئے نکلے۔

۱۳۔ [۹] نصیر الدین طوسی (ہلاکو خان کا وزیر، وفات ۱۲۷۴ء) نے ایران کے ایک شہر مراغہ میں رصدگاہ قائم کی۔ تو ساتھ ہی ایک لائبریری بھی بنائی جس میں چار لاکھ کتابیں تھیں۔

۱۴۔ یاقوت حموی[۱۰] (۱۲۲۹ء) نے مَرو میں بارہ لائبریریاں دیکھیں۔ ایک میں بارہ ہزار کتب تھیں۔

۱۵۔ خلفائے[۱۱] فاطمی کے دارالکتب میں تقریباً چھ لاکھ کتابیں تھیں۔

۱۶۔ جب نوح بن [۵۲] منصور سامانی (۹۷۶۔۹۹۷ء) نے صاحب بن عباد (۹۹۶ء) کو وزارت کی دعوت دی۔ تو اس نے چار سو اونٹ اپنی کتابیں اٹھانے کے لیے طلب کیے۔

۱۷۔ المقری [۵۳] کا بیان ہے۔ کہ ابو جعفر احمد بن عباس کے پاس چار لاکھ کتابیں تھیں۔

۱۸۔ قطب [۵۴] الدین عبدالکریم بن عبدالنور الحلبی (۱۳۳۵ء) مصنف ''قطب الدین'' (تاریخی کتاب) لکھتا ہے۔ کہ اہلِ بغداد نے اس قدر کتابیں جمع کی تھیں۔ کہ جب مغلوں نے ان کتابوں کو دَجلہ میں پھینکا تو ایک پُشتہ سا بن گیا۔ جس پر لوگ پیدل چل سکتے تھے اور دریا کا پانی روشنائی گُھلنے سے کالا ہو گیا تھا۔

۱۹۔ ایک مرتبہ [۵۵] مامون (۸۱۳۔۸۳۳ء) نے قیصر مائیکل دوم (۸۲۰۔۸۲۹ء) سے ایک معاہدہ کیا۔ جس کی ایک شرط یہ بھی تھی۔ کہ قسطنطنیہ کا فلاں کتب خانہ بطلیموس (۱۵۱ء میں زندہ) کی کتاب اَل مجسطی سمیت بغداد بھیجا جائے۔

۲۰۔ حملہ [۵۶] تاتار کے وقت (۱۲۵۸ء) بغداد میں چھتیس سرکاری لائبریریاں تھیں۔ اور ہر تعلیم یافتہ کے پاس بھی کُتب کا خاصہ ذخیرہ تھا۔

۲۱۔ اسلام کے مشہور مؤرخ [۵۷] الواقدی (۸۲۲ء) کے گھر سے اس کی وفات پر کتابوں کے چھ سو صندوق نکلے تھے۔

عیسائیوں کے کتب خانے

یہ تو تھی [۵۸] مسلمانوں کی حالت۔ رہے عیسائی تو ۱۳۰۰ء میں ان کی سب سے بڑی لائبریری کینٹر بری میں تھی۔ جس میں صرف پانچ ہزار کتابیں تھیں۔ دوسری کلُونی (فرانس) میں جہاں پانچ سو ستر کتابیں تھیں۔ یورپ کی کسی اور لائبریری میں سو سے زیادہ کتابیں نہیں تھیں۔ بارھویں [۵۹] صدی کے ایک پادری عالم برنارڈ (۱۱۵۳ء) کی وفات پر اس کی لائبریری کو کھولا گیا۔ تو اس میں سے صرف چوبیس کتابیں نکلیں۔

کتابوں کی کمیابی کی ایک وجہ تو یہ تھی۔ کہ عیسائیوں میں لکھنے والے بہت کم تھے۔ اور دوسری یہ کہ ان کے ہاں کاغذ نہیں تھا۔ وہ چمڑے کی جھلّی پہ لکھتے تھے۔ جو اس حد تک مہنگی تھی۔ کہ ایک

معمولی کتاب دوسوڈالر (ہزار روپیہ) میں آتی تھی [1]۔ اسی دور کا واقعہ ہے کہ یورپ کی ایک امیر خاتون کو پندونصائح کی ایک کتاب دوسو بھیڑیں اور پانچ من غلہ دے کر خریدنا پڑی۔

ان تفاصیل کا ماحصل یہ کہ عیسائی یورپ نے بارہ سو برس میں اندازاً دوسو کتابیں لکھیں اور ساٹھ لاکھ سے زیادہ جلادیں۔

اِسلامی تہذیب کا اثر یورپ پر

اسلامی تہذیب نے حیاتِ مغرب کے ہر پہلو پہ اثر ڈالا۔ ان لوگوں کے لباس بدل گئے۔ طور طریقے تبدیل ہو گئے۔ تعمیرات میں مشرقیت آ گئی۔ عورتوں کا احترام بڑھ گیا۔ اور انہوں [1] نے حریص نگاہوں سے بچنے کے لیے نقاب اوڑھ لیے۔ باقی کیا کچھ ہوا؟ تفاصیل ذیل ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ گو سسلی [2] کا پہلا نارمن بادشاہ راجر اوّل (۱۰۹۱۔۱۱۰۱ء) مسلمانوں کا شدید دشمن تھا۔ لیکن اس کا لباس اسلامی تھا۔ اس کے دربار میں مسلم علماو حکما بھرے ہوئے تھے۔ اور اس کے احکام عربی۔ یونانی اور لاطینی میں نکلتے تھے۔

یورپ میں کاغذ پہ پہلی تحریر راجر اوّل کی بیوی کا ایک حکم تھا۔ جو ۱۱۰۹ء میں عربی اور یونانی میں جاری ہوا تھا۔

۲۔ راجر۔ دوم (۱۱۰۵۔۱۱۵۴ء) کے اسلامی لباس پر عربی آیات و امثال لکھی ہوئی تھیں۔ مشہور جغرافیہ دان الِادریسی (۱۱۶۶ء) اسی کے دربار میں رہتا تھا۔ مسلم سلاطین کی طرح اس کے ہاں بھی ایک حرم تھا۔ جس میں متعدد بیویاں اور کنیزیں تھیں۔ اس کے سکّے پر [3] یہ عبارت کندہ تھی:

المتعز بالله الملك المعظم رجار الثانی

لا اله الا الله وحده لا شریك له

راجر دوم کے بعد ولیم اوّل (۱۱۵۴۔۱۱۶۶ء) تخت نشین ہوا۔ اس کے سکّے پر یہ عبارت لکھی تھی۔

الهارون بامر الله الملك المعظم

۳۔ سپین کا مشہور جغرافیہ دان ابنِ جُبیر (۱۲۱۶ء) ۱۱۸۴ء میں سسلی پہنچا۔ وہاں کے بادشاہ کے متعلق لکھتا[۴] ہے۔

"سسلی کا بادشاہ (ولیم۔ دوم) حیرت انگیز انسان ہے۔ اس کے خواجہ سرا، باورچی، تمام خدمت گار، وزرا اور دربان سب کے سب مسلمان ہیں۔

اس کا سرکاری نشان

الحمد لله حق حمده

ہے۔ اور اس کے باپ (ولیم اوّل) کا

الحمد لله شكرا لانعمه

(خدائی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے ہم اس کی حمد کرتے ہیں) تھا۔

اس کے محل کے زرکار (کپڑے پہ طلائی کام کرنے والا) یحیٰ بن فتیان نے مجھے بتایا۔ کہ جو عیسائی لڑکیاں شاہی محل میں داخل ہوتی ہیں۔ وہ مسلم کنیزوں کی نیکی، پاکیزگی اور نماز سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتی ہیں۔"

(مُلخّص)

۴۔ مرسیہ[۵] (برطانیہ) کے ایک بادشاہ آفا (Offa) (۷۵۷۔۷۹۶ء) کا سکّہ اسلامی دینار کی شکل کا تھا۔ جس پر عربی حروف میں ایک عربی مثل کندہ تھی۔ یہ سکّہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

۵۔ اسی[۶] میوزیم میں نویں صدی کی ایک صلیب رکھی ہے۔ جس پر کوفی خط میں لکھا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

۶۔ میلان[۷] (اٹلی) کے ایک کلیسا میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے سر کے گرد عربی حروف کا ایک ہالہ بنا ہوا ہے۔ اور پطرس و پال کی تصاویر میں ان کے لباس پر عربی عبارات ہیں۔

۷۔ جرمنی کے ایک شہر نَرن بَرگ میں شاہانِ سسلی کی ایک ایسی ریشمی چادر موجود ہے۔ جس پر ایک کتبہ کوفی حروف میں درج ہے۔ یہ چادر ۱۱۲۶ء میں تیار ہوئی تھی۔ یہ رنگین ہے اور اس

حقیقت پہ واضح شہادت کہ مسلمان رنگ بنانا بھی جانتے تھے۔

۷۔ پوئ[۶۸] (فرانس) کے کلیسا کا دروازہ عربی کتبے سے آراستہ تھا۔ اور ناربون (فرانس) کی فصیل پر عربی تاج بنا ہوا تھا۔ عربوں کے کنگرے۔ چھجے اور مینار فرانس کے قلعوں، برجوں اور فصیلوں پہ آج بھی نظر آتے ہیں۔

۸۔ جرمن[۶۹] امپرر فریڈرک دوم (۱۲۱۲۔۱۲۵۰ء) کا دربار مشرقی طرز کا تھا وہی حرم، حاجب، خواجہ سرا۔ عربی لباس، دربار میں عرب علما کا ہجوم منقش ہال، باغات، فوارے، چڑیا گھر، علمی مسائل پہ بحثیں اور عربی راگ، عربی سازوں کے ساتھ۔ اگر کسی بادشاہ نے یورپ کو وحشت و بربریت سے نجات دلائی ہے تو وہ شارلیمان نہیں بلکہ فریڈرک تھا۔ اس نے مختلف مقامات پہ یونیورسٹیاں قائم کیں۔ سلرنو میں عربی طب کا مدرسہ کھولا۔ اور اپنے ایک درباری مائیکل سکاٹ کو ابن رُشد کی تصانیف جمع کرنے کے لیے قرطبہ بھیجا۔ اور ان کی نقول ہر درسگاہ میں رکھوائیں۔

۹۔ چودھویں صدی میں اوکسفرڈ اور پیرس میں عربی لازمی قرار دی گئی۔

۱۰۔ مسلمانوں کی علمی مساعی کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ میں جا بجا علمی مجالس قائم ہو گئیں۔ ان میں سے ایک لنڈن کی رائل سوسائٹی[۷۰] تھی۔ جس کی بنیاد ۱۶۶۲ء میں پڑی۔ پادریوں نے اس کی شدید مخالفت کی اور اگر شاہ چارلس ثانی (۱۶۶۰۔۱۶۸۵ء) اس کی مدد نہ کرتا تو یہ اسی وقت ختم ہو جاتی۔

اس سوسائٹی نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے۔ مثلاً

۱۔ نیوٹن (۱۶۴۲۔۱۷۲۷ء) کی کتاب "پرنسپا" شائع کی

۲۔ انسانی خون کے متعلق کئی انکشافات کیے۔

۳۔ چیچک کا ٹیکہ عام کیا۔

۴۔ اس کی مدد سے بریڈلے (۱۶۹۳۔۱۷۶۲ء) نے ہیئت جدیدہ کی بنا ڈالی۔

۵۔ مقیاس الحرارت پر درجے اور گھڑی کے ڈائل پہ میزان ساعات ولمحات بنایا۔

۶۔ سطح زمین کی ازسرِ نو پیمائش کی۔

۷۔کیپٹن کک (۱۷۲۸۔۱۷۷۹ء) کی طویل سمندری سیاحتوں کا انتظام کیا۔اس سیاحتوں میں کک نے کئی نئے جزائر ڈھونڈے۔اور سمندری نقشے بنائے۔

۱۳۴۵ء میں جنوبی فرانس کے ایک شہر ٹولوز میں ایک ادبی اکاڈمی قائم ہوئی۔اس کے بعد نیپلز میں ایک سائنسی مجلس معرضِ وجود میں آئی۔ جسے کلیسا نے بند کر دیا۔ایک اور مجلس لنسٹن کے نام سے رومہ میں بنی۔ یہ اور اس قسم کی دیگر بے شمار مجالس کی مساعی سے اوہام پرستی ختم ہوگئی۔ کلیسا کے خلاف ایک قسم کی نفرت پیدا ہوگئی۔عوام پاپا کے مظالم کے خلاف فریاد بن گئے۔اور عین اس عالم میں مارٹن لوتھر نے جنم لیا۔

مارٹن لُوتھر

لوتھر جرمنی کے ایک شہر ایزلین میں ۱۴۸۳ء کو پیدا ہوا تھا۔اس کے والدین غریب تھے۔اس کا باپ سلیٹیں بناتا اور بیچتا تھا۔تعلیم حاصل کرنے کے بعد پہلے پادریت کی تربیت لی۔اور پھر وِٹن برگ یونیورسٹی میں لیکچرار بن گیا۔ ۱۵۱۷ء میں پوپ نے وِٹن بَرگ کے پادری کو جنت و مغفرت کے پروانے برائے فروخت بھیجے۔تو لوتھر نے نہ صرف اس ''تجارت'' کا مضحکہ اڑایا۔ بلکہ اس پادری کو مباحثہ کی دعوت بھی دی۔ پادری کے پاس اتنا علم کہاں کہ وہ ایک ''باغی'' کو مطمئن کر سکتا۔ چنانچہ وہ مباحثہ سے بھاگنے لگا۔اس پر لوتھر نے پچانوے سوالات کا ایک پوسٹر تیار کیا۔ اور ۲۱ اکتوبر ۱۵۱۷ء کو گرجے کے دروازے پہ چسپاں کر دیا۔اس پر پوپ بگڑا۔اسے کافر و ملحد قرار دیا۔ نیز چند ایک غنڈے اس کی جان لینے کے لیے بھیجے۔لیکن سیکسنی کے سردار نے اسے اپنے قلعہ میں رکھ لیا اور یوں اس کی جان بچ گئی۔

لوتھر کے عقاید یہ تھے:۔

۱۔کہ ہدایت کے لیے صرف بائبل کافی ہے۔اور روایات و پاپائی تفسیرات بیکار و گمراہ کن ہیں۔

۲۔کہ بائبل سے ہر شخص براہِ راست ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔اور پادریوں کی وساطت محض تجارت ہے۔

۳۔ کہ پوپ کا منصب الحاد و لادینی ہے۔ اسے ختم کرنا چاہیے۔

۴۔ کہ پروانہ جنت اور اسی قسم کے دیگر عقائد محض اباطیل و خرافات ہیں۔

۵۔ کہ فلاطون، ارسطو اور ابنِ رُشد گمراہوں کے امام تھے۔

۶۔ کہ پادریوں کا شادی نہ کرنا، سنت انبیا (ابراہیم۔ اسحاق۔ داؤد وغیرہم علیہم الصلوٰۃ و السلام) کے خلاف ہے۔

۷۔ کہ رہبانیت (یعنی ایذائے نفس، فاقہ کشی، کانٹوں اور میخوں پہ سونا، برف پہ مہینوں چلّہ کشی) خلافِ مذہب ہے۔

لوتھر کی یہ سیدھی سادی باتیں لوگوں کو پسند آئیں اور وہ فوج در فوج اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ جب پوپ نے اپنے اقتدار کو خطرے میں دیکھا۔ تو اس نے حکومت فرانس کو گانٹھا۔ اور ۲۴ اگست ۱۵۷۲ء کو فرانس میں پچاس ہزار پیروان لوتھر قتل کر دیے گئے۔ بایں ہمہ یہ تحریک بڑھتی گئی۔ آج یورپ میں پروٹسٹنٹس کی تعداد پچیس کروڑ کے لگ بھگ ہے اور پوپ کی حیثیت محض ایک نمائشی پروہت کی ہے وبس۔

لوتھر ۱۸ فروری ۱۵۴۶ء کو فوت ہوا۔ اور اسی گرجے میں دفن ہوا۔ جس کے دروازے پر اس نے پوسٹر لگایا تھا۔ وہ سوالات اس گرجے کے آہنی دروازے پر مستقلاً کندہ کر دیے گئے ہیں اور جس مقام پر لوتھر نے پوپ کا فرماں پھاڑ کر پھینکا تھا۔ وہاں آج شاہ بلوط کا ایک درخت ہے۔ لوتھر کے علمی کارنامے یہ ہیں۔

۱۔ بائبل کا ترجمہ کیا۔

۲۔ چند مذہبی گیت لکھے۔

۳۔ ایک کتاب عیسائیوں کے فرائض پہ لکھی۔

۴۔ ایک کتاب میں شرفا و امرا کو مخاطب کیا۔

۵۔ اور ایک میں یہودیوں کی بابل میں اسیری، کے حالات قلمبند کیے۔

سوال یہ ہے۔ کہ لوتھر میں یہ آزاد خیالی اور معقولیت کہاں سے آئی؟ اس کے دل میں

رہبانیت اور پاپائیت کے خلاف کیسے نفرت پیدا ہوئی؟

اس کا جواب ایک ہی ہے۔ کہ اسلامی اثرات سے۔ اسلام ان تمام خرافات کا دشمن ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جرمنی کے تین بادشاہ ہنری ششم فریڈرک دوم اور مینفرڈ ۱۱۹۴ء سے ۱۲۶۶ء تک سسلی پہ حکمران رہے۔ جو اسلامی تہذیب کا گہوارہ تھا۔ فریڈرک عربی کا عالم اور اسلامی تہذیب کا گرویدہ تھا۔ اسی فریڈرک نے، لوتھر کی پیدائش سے سوا دو سو سال پہلے سلطان الکامل سے کہا تھا:۔

"سلطان کتنا خوش قسمت ہے کہ اس کا کوئی پوپ نہیں۔"

پھر سات سو برس سے اسلامی علوم و فنون سپین، فرانس، اٹلی اور جرمنی کی درسگاہوں میں پڑھائے جا رہے تھے۔ لوتھر ان اثرات سے کیونکر بچ سکتا تھا۔ اس لیے اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے۔ کہ لوتھر کی اصلاحی تحریک اسلامی اثرات کا نتیجہ تھی۔ درست ہے کہا تھا فرانس کے فلسفی دکٹر ہیوگو (۱۸۰۲۔۱۸۸۷ء) نے:۔

"پہلے تمام دنیا یونانی تھی۔ اور اب عربی ہے۔"

عربی کا اثر یورپی زبانوں پر!

عربی کا اثر جرمی، اطالوی، یونانی، لاطینی اور فرانسی زبانوں پہ کیا اور کس حد تک پڑا۔ میں اس سے نا آشنا ہوں۔ کیونکہ ان زبانوں سے ناواقف ہوں۔ لیکن جب سپین سے ایک ہزار میل دور کی زبان یعنی انگریزی میں عربی کے سینکڑوں لفظ دیکھتا ہوں۔ تو یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔ کہ قریب کی زبانیں یعنی اسپینی، اطالوی، فرانسی اور جرمنی زیادہ متاثر ہوئی ہوں گی۔ انگریزی کی چند مثالیں دیکھیے:

انگریزی	عربی	اُردو
جبرالٹر	جبل الطارق	جبل الطارق
انفلوائنزا	اِنزالُ الانف	ناک بہنا
اَرتھ	ارض	زمین

بیس(Base)	بئس	بُرا۔خراب
کافن	کفن	کفن
سَیفران	زعفران	زعفران
شاوَٹ	صَوت	آواز
مارکری	مکر	مکر
ایڈ	اَید	مدد۔ہاتھ
ایڈمرل	امیرُ البَحر	سمندری فوج کا افسرِ اعلیٰ
الکیمی	الکیمیا	علمِ کیمیا
شاک	شاق	صدمہ۔ناگوار
کیمل	جَمل	اُونٹ
سورڈ	سیف	تلوار
لانس	نصال	نیزہ
ہارس	فرس	گھوڑا

ہسپانوی زبان میں پہاڑوں۔ دریاؤں اور وادیوں کے نام کے ساتھ عربی کا ال آج بھی موجود ہے۔ مثلاً

عربی	ہسپانوی
وادی الرّملہ	Quadar Roma
اَلبحیرَہ	Albuera
البرکہ(حوض)	Alverca
وادی الحجارہ	Quadal Ajara
وادی الکبیر	Quadal Quivir

چند دیگر الفاظ

عربی	ہسپانوی	اُردو
فندق	Fonda	ہوٹل
طاحونہ	Tahona	چکّی
تجارت	Tarifa	تجارت
جَبل	Jabalcus	پہاڑ
المنارہ	Almenara	مینار
المرئیہ	Almaria	مینارِ روشنی

مالٹا میں مسلمان ۸۷۰ء میں پہنچے اور دو سو برس تک رہے۔ وہاں کی زبان میں آج بھی عربی کے ہزاروں الفاظ موجود ہیں۔ چند مثالیں:۔

عربی	مالٹی	اُردو
خُبز	خُبز	روٹی
نبیذ	اِمبیت	شراب کی قسم
ماء	ماء	پانی
زَیت	زیت	تیل
مِلح	مِلح	نمک
طِفل	طِفل	لڑکا
دقیق	تفیق	باریک۔مشکل
خیّاط	حیاط	درزی

ہالینڈ[۳۷] کے ایک فاضل موسیو ڈوزی (۱۸۸۳ء) نے ان اندلسی اور پرتگالی الفاظ کا لغات تیار کیا تھا۔ جو عربی سے مشتق ہیں۔ یہی مصنف لکھتا ہے۔ کہ فرانسی اور اطالوی زبانوں میں لاتعداد عربی الفاظ داخل ہیں۔ انگریزی کے علم ہیئت اور اطالوی علم جہازرانی کی اکثر اصطلاحات ... ماخوذ ہیں۔

عیسائیوں میں عربی علوم کا شوق

اہل یورپ عربوں کے شاندار علوم اور تابدار تہذیب سے اس حد تک متاثر ہوئے۔ کہ عربی بولنے اور لکھنے پہ فخر کرنے لگے۔ سسلی کے فرمانروا ولیم دوم (۱۱۶۶۔۱۱۸۹ء) اور فریڈرک دوم (۱۲۱۲۔۱۲۵۰ء) عربی کے عالم تھے۔ ولیم عموماً عربی میں گفتگو کیا کرتا تھا اور فریڈرک نے طول وعرض سلطنت میں ایسے مدارس کھول دیئے تھے۔ جہاں عربی لازمی تھی۔ جرمنی کی [۴] راہبات یعنی بل ڈی گراڈ (۱۱۷۹ء) اور یوراس ویٹا نے بڑی تعداد میں ایسے سکول کھولے۔ جن میں عربی علوم پڑھائے جاتے تھے۔ ان میں سے دو مدارس خاصے مشہور رہے۔ اول۔ قم ہس سکول اور دوسرا ناربون (فرانس) کا بن عذرا اسکول۔

ولیم [۵] فاتح برطانیہ (۱۰۶۶۔۱۰۸۷ء) کے ہمراہ یہودیوں کی ایک خاصی تعداد فرانس سے برطانیہ میں پہنچی تھی۔ یہ لوگ عربی کے عالم تھے۔ انہوں نے انگلینڈ میں عربی مدارس کھولے۔ ایک اوکسفرڈ میں جاری کیا۔ جہاں دو سو سال بعد راجر بیکن (۱۲۹۴ء) بحیثیت طالب علم داخل ہوا تھا۔ راجر بیکن بعد میں اوکسفرڈ یونیورسٹی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ یہ اپنے طلبہ سے کہا کرتا تھا کہ حقیقی علم حاصل کرنے کا واحد ذریعہ عربی زبان ہے۔

ابراہیم [۶] بن عذرا طلیطلہ کا ایک یہودی تھا۔ جو ۱۱۵۸ء میں لنڈن پہنچا۔ اور برسوں وہاں عربی میں درس دیتا رہا۔

جرمنی [۷] کا عظیم القدر فلسفی البرتوس میگنوس (۱۲۰۶۔۱۲۸۰ء) اور اٹلی کا فلسفی پادری طامس ایکوناس (۱۲۲۵۔۱۲۷۴ء) عربی مدارس کے فارغ التحصیل تھے۔ ان دونوں نے فلسفے پہ کتابیں لکھیں۔ اور فارابی (۹۵۱ء) سینا (۱۰۳۷ء) اور الکندی (۹۰۱ء) کے دلائل کو بجنسہ لے لیا۔ یہ سینا ہی تھا۔ جس نے یورپ کے پادریوں کو ہیئت و فلسفہ دیا اور طب بھی۔ یعنی اس نے پادری بھی پالے اور گلیلیو جیسے ہیئت دان بھی۔

جنوبی [۸] اٹلی کے ایک شہر سلرنو میں مسلمانوں نے گیارھوں صدی میں ایک طبی مدرسہ

جاری کیا تھا۔ جسے بعد کے نارمن سلاطین نے بحال کیا۔ اور افریقہ کے ایک عیسائی عالم کو جس کا نام قسطنطین افریقی (۱۰۶۰ء میں زندہ) تھا۔ اس کا پرنسپل مقرر کیا۔ اس نے سینا۔ رازی اور دیگر عربی اطبا کی تقریباً اسی کتابیں لاطینی میں منتقل کیں۔

۱۴۷۳ء [79] میں فرانس کے بادشاہ لوئیس یازدہم (۱۴۶۱۔۱۴۸۳ء) نے حکم دیا کہ فرانس کے تمام مدارس میں ابنِ رُشد کی فلسفیانہ کتابیں پڑھائی جائیں۔ اٹلی کی ایک یونیورسٹی (پڈوا) میں بھی اس کا فلسفہ شامل نصاب تھا۔

ابن مَسَرّہ [80] (۸۸۳۔۹۳۱ء) سپین کا ایک فلسفی صوفی تھا۔ اس کے افکار پر مالقہ (سپین) کے ایک یہودی اوس بران نے عربی میں ایک کتاب Fons Vitea کے عنوان سے لکھی تھی۔ جسے بارہویں صدی میں ایِون ڈیبٹ نے لاطینی میں منتقل کیا۔

سپین [81] میں ریمنڈ نام کے دو عالم تھے۔ ایک ریمنڈ لل (۱۲۳۵۔۱۳۱۵ء) جس نے اسلامی علوم کی ایک درسگاہ قائم کی تھی۔ یہ عربی بولتا اور لکھتا تھا۔ اس نے ایک کتاب عربی میں اسمائے الٰہیہ پہ لکھی تھی۔ اس پر عربوں کا اتنا اثر تھا۔ کہ وہ عرب معلوم ہوتا تھا۔ دوسرا ریمنڈ مارٹن، جو طلیطلہ کے سکول آف اورینٹل سٹڈیز کا تعلیم یافتہ تھا۔ یہ قرآن ۔ حدیث۔ فقہ۔ فلسفہ وغیرہ کا فاضل تھا۔ اس نے امام غزالی (۱۱۱۱ء) کی کتاب تہافۃ الفلاسفہ کا خلاصہ اپنی کتاب Pugio Fidei میں پیش کیا تھا۔ مارٹن کی اس کتاب اور سینٹ طامس کی کتاب سُمّہ (Summa) کے موضوع و دلائل میں اس قدر مشابہت ہے۔ کہ ایک دوسرے کی نقل معلوم ہوتی ہیں۔ خدا روح، نظام کائنات اور آخرت کے متعلق طامس کے سارے دلائل غزالی سے ماخوذ ہیں۔

ہسپانوی [82] خلیفہ الحکم۔ دوم (۹۶۱۔۹۷۶ء) کے زمانے میں بشپ گوبمار نے عربی زبان میں تاریخ یورپ لکھی۔ اور پادری ہیرب نے ایک عربی تقویم کا ترجمہ کیا۔ ان دونوں نے اپنی کتابیں خلیفہ الحکم کے نام منسوب کی تھیں۔

سپین [83] کا بادشاہ الفونسو۔ دہم (۱۲۵۲۔۱۲۸۴ء) عربی علوم کا بڑا سرپرست تھا۔ یہ خود بھی

مصنف تھا۔اس نے حضورﷺ کے سوانح حیات لکھے۔لعل و گہر کے خواص اور شطرنج پر بھی ایک ایک کتاب لکھی۔نیز ہسپانوی شاعری کا ایک مجموعہ تیار کرایا جو اسکوریل کے کتب خانے میں موجود ہے۔

ہم عرض کر چکے ہیں۔کہ ۱۲۲۴ء میں فریڈک دوم نے نیپلز میں ایک یونیورسٹی بنائی تھی۔جس میں ابنِ رُشد کا فلسفہ اور ارسطو کے عربی تراجم بطورِ نصاب پڑھائے جاتے تھے۔اور اس کے دارالکتب میں عربی کی کتابیں بڑی تعداد میں تھیں۔اسی طرح [۸۴] کا ایک ادارہ ۱۱۳۰ء میں طلیطلہ کے بشپ ریمنڈ نے قائم کیا۔اس میں عربی و لاطینی کے بڑے بڑے عالم جمع کیے۔ان کا کام تدریس کے علاوہ ترجمہ بھی تھا۔یہ ادارہ تین صدیوں تک جاری رہا۔ان علماء نے اِبنِ رُشد، رازی، سینا، وغیرہ کے علاوہ ارسطو، بقراط، جالینوس، اقلیدس، ارشمیدس اور بطلیموس کے عربی تراجم لاطینی میں منتقل کیے۔ان تراجم کی تعداد تین سو سے زیادہ تھی۔

پرتگال [۸۵] کے پرنس ہنری (۱۳۹۴ء۔۱۴۶۰ء) نے ایک عظیم بحری اکاڈمی قائم کی تھی۔ جس میں تدریس و تربیت کے لیے عرب اور یہودی علماء مقرر ہوئے تھے۔اسی درس گاہ سے واسکوڈی گاما (۱۵۲۴ء) نے تعلیم حاصل کی تھی۔جو پرتگال سے چل کر ہندوستان میں پہنچا تھا اور غالباً یہ پہلا یورپی ملاح ہے۔جس نے یورپ سے ہندوستان جانے کا راستہ معلوم کیا تھا۔

موسیو [۸۶] سلیبان لکھتا ہے۔

> ''یورپ میں پندرھویں صدی میں کوئی ایسا مصنف نہیں تھا جو عربوں کا ناقل نہ ہو۔راجر بیکن، پادری طامس، البرٹ بزرگ اور الفونسو دہم وغیرہ یا تو عربوں کے شاگرد تھے یا ناقل۔البرٹ بزرگ نے جو کچھ پایا، ابن سینا سے پایا۔اور سینٹ طامس نے اپنا فلسفہ ابن رشد سے لیا۔''
>
> (مُلخّص)

۱۔ تمدن عرب ص ۴۷۰

۲۔ المامون از شبلی ص ۸۹

۳۔ المامون ص ۱۳۶

۴۔ تشکیل انسانیت ص ۲۶۸

۵۔ 〃 〃 ص ۲۶۹

۶۔ 〃 〃 〃

۷۔ تمدن عرب ص ۲۷۵

۸۔ معرکۂ مذہب و سائنس ص ۱۴۴

۹۔ ایج آف فیتھ ص ۳۰۸

۱۰۔ 〃 〃 〃

۱۱۔ دل ڈیوران کو نام میں غلطی لگی ہے۔ ۱۰۷۱ء میں روم کا فرمانروا مائیکل ہفتم تھا۔ جس نے ۱۰۶۷ء سے ۱۰۷۸ء تک حکومت کی۔

۱۲۔ تشکیل انسانیت ص ۲۸۰

۱۳۔ تمدن عرب ص ۲۵۷۔۲۵۸

۱۴۔ تشکیل انسانیت ص ۲۷۲

۱۵۔ 〃 〃 ص ۲۷۳

۱۶۔ طلیطلہ کے بادشاہوں میں اس نام کا کوئی بادشاہ نہیں تھا۔ غالباً اس سے مراد اشبیلیہ کا بادشاہ ابوالقاسم محمد اوّل ہے۔ جس نے ۱۰۲۳ء سے ۱۰۴۲ء تک حکومت کی۔

۱۷۔ ایج آف فیتھ ص ۲۹۷

۱۸۔ تمدن عرب ص ۵۰۸

۱۹۔ معرکۂ مذہب و سائنس ص ۴۲۷

۲۰۔ تشکیل انسانیت ص ۲۶۵

۲۱۔ 〃 〃 ص ۲۶۷

۲۲۔ 〃 〃 ص ۲۷۴، ص ۲۷۵

۲۳۔ ایج آف فیتھ ص ۲۳۷

۲۴۔ تاریخ الحکما۔ القفطی۔ باب الجیم

۲۵۔ المامون۔ شبلی ص ۱۲۲

۲۶۔ ،، ،، ص ۱۲۸

۲۷۔ ،، ،، ص ۱۱۸

۲۸۔ ،، ،، ص ۱۱۵

۲۹۔ ،، ،، ص ۱۲۷

۳۰۔ ایج آف فیتھ۔ ص ۱۹۸

۳۱۔ المامون ص ۱۱۵

۳۔ معرکۂ مذہب وسائنس ص ۲۰۰

۳۳۔ تشکیل انسانیت ص ۲۵۷

۳۴۔ ولادت ۹۴۰۔ پہلے اٹلی اور پھر فرانس میں معلّم رہا۔ ۹۹۱ء میں بشپ اور ۹۹۹ء میں سلوسسٹر دوم کے لقب سے پوپ بنا۔

۳۵۔ یہ تعداد صحیح ہے۔ کیونکہ اس کتب خانے کی فہرست اسکوریل لائبریری میں موجود ہے۔

۳۶۔ تشکیل انسانیت ص ۲۸۵

۳۷۔ میراثِ اسلام۔ آرنلڈ ص ۲۸

۳۸۔ سکاٹ لینڈ کا رہنے والا جس کی پیدائش ۱۲۰۰ء ہے جو ۱۲۱۷ء میں طلیطلہ کے دارالعلوم میں داخل ہوا۔ سات برس بعد رومہ میں پہنچا۔ ۱۲۳۶ء تک سسلی میں رہا۔ اور ارسطو، ابن رشد نیز ہیئت اور اخلاق کی بعض عربی کتابیں لاطینی میں منتقل کیں۔

۳۹۔ بارہویں صدی کا برطانوی عالم۔ جس نے عربی میں کمال حاصل کرنے کے لیے شام کا سفر کیا تھا۔

۴۰۔ تشکیل انسانیت ص ۲۶۲

۴۱۔ وفیات الاعیان ن۔ ص ۳۸۶

۴۲۔ طبقاتِ ابنِ سعد ج ۲ ص ۱۳۴

۴۳۔ معجم البلدان ج ۲ ص ۳۴۲

۴۴۔ معجم الادباء ج ۲ ص ۱۹۶

۴۵۔ الفخری ص ۲۴۴

۴۶۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۰۵

۴۷۔ 〃 〃 〃 ص ۲۳۶ یہاں ابن سعد سے لغزش ہوئی ہے۔ بہرام شام طغرل شاہ (والی کرمان کا بیٹا تھا۔ دیکھیے سلسلۂ سلاطین اسلام ترجمہ عباس اقبال ص ۱۳۸ پر شجرہ سلاجقہ۔

۴۸۔ وفیات الاعیان ج ۲، ص ۲۱۴

۴۹۔ 〃 〃 〃 ص ۱۴۹

۵۰۔ ایج آف فیتھ ص ۳۲۹

۵۱۔ کتاب الخطط والآثار۔ از مقریزی

۵۲۔ معرکۂ مذہب وسائنس ص ۱۶۵

۵۳۔ نفحۃ الطیب ج ۲ ص ۳۰۸

۵۴۔ تمدنِ عرب ص ۱۷۵

۵۵۔ معرکۂ مذہب وسائنس ص ۱۶۴

۵۶۔ ایج آف فیتھ ص ۲۳۷

۵۷۔ 〃 〃 〃 〃

۵۸۔ 〃 〃 ص ۹۰۹

۵۹۔ 〃 〃 ص ۹۰۸

۶۰۔ 〃 〃 ص ۹۰۸

۶۱۔ رحلۂ ابنِ جُبیر ص ۳۳۳

۶۲۔ تمدنِ عرب ص ۲۸۰

۶۳۔ تاریخ صقلیہ ج ۲ ص ۴۱۷ نیز رحلۃ ابن جبیر ص ۳۳۳

۶۴۔ رحلۃ ابن جبیر ص ۳۲۰

۶۵۔ میراثِ اسلام ص ۱۱۳

۶۶۔

۶۷۔ تمدن عرب س ۴۸۶

۶۸۔ 〃 〃 ص ۵۱۹

۶۹۔ تشکیل انسانیت ص ۲۷۸، ص ۲۷۹

۷۰۔ معرکۂ مذہب و سائنس ص ۴۱۶

۷۱۔ ، ، ، ص ۴۰۶

۷۲۔ میراثِ اسلام ص ۲۰۶

۷۳۔ تمدنِ عرب ص ۴۰۴

۷۴۔ تشکیل انسانیت ص ۲۶۰

۷۵۔ تشکیل انسانیت ص ۲۶۰

۷۶۔ انسائیکلو پیڈیا برطانیکا

۷۷۔ تشکیل انسانیت ص ۲۸۸

۷۸۔ تمدنِ عرب ص ۴۵۱

۷۹۔ انٹروڈکشن ٹو ہسٹری آف ویسٹرن یورپ ص ۵۵

۸۰۔ میراثِ اسلام ص ۲۶۸

۸۱۔ میراث ص ۲۷۲

۸۲۔ تشکیل انسانیت ص ۲۷۳

۸۳۔ میراث ص ۳۱

۸۴۔ تمدنِ عرب ۵۱۴

۸۵۔ تشکیل انسانیت ص ۳۶۳

۸۶۔ تمدنِ عرب ص ۵۱۵

پانچواں باب

اِسلامی علوم وفنون

ہر چند کہ ہمارے باہمت اسلاف نے تصانیف کے انبار لگا دیئے تھے۔ کتنے ہی ایسے تھے۔ جنہوں نے سو یا سو سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ امام غزالی (۱۱۱۱ء) دو سو ابن العربی (۱۲۴۰ء) اڑھائی سو ابن تیمیہ پانچ سو۔ جلال الدین سیوطی (۱۵۰۶ء) ساڑھے پانچ سو اور ابن طولون دمشقی (۱۵۴۶ء) ساڑھے سات سو کتابوں کے مصنف تھے۔ لیکن آج ہمیں ان کتابوں کے نام تک معلوم نہیں۔ دوسری طرف یورپ کی لائبریریوں میں ان کتابوں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ ہالینڈ کی ایک فرم ای۔ جے۔ برل کی فہرستوں میں کئی ہزار عربی کتابوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے ہزار کے قریب صرف تاریخ پر ہیں۔ پاکستان میں شاید ابن قُتیبہ کے نام سے بھی کوئی آشنا ہو۔ لیکن برل کی فہرست میں۔ اس کی دس کتابیں درج ہیں۔ مثلاً کتاب المعارف، کتاب المیسر، عیون الاخبار، کتاب الانواع وغیرہ۔ اسی فرم نے غزالی کی چوبیں، فارابی کی بارہ، رازی کی چار، ثعلبی کی چھ، جلال الدین، سیوطی کی چودہ، بوعلی سینا کی سترہ، ابن تیمیہ کی سات، مشہور مؤرخ طبری کی تین، ثابت بن قرہ کی دو، شعرانی کی چھ، ابن رشد کی بارہ، القزوینی کی چھ، القفطی کی دو، ابن حزم کی گیارہ، الجاحظ کی دس۔ علامہ ذہبی کی چھ، البُسیری کی سات البیرونی کی چار اور ابن العربی کی سات کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ حقیقت کس قدر افسوس ناک ہے کہ وہ مسلمان جو ساری کائنات کے لیے معلّم کتاب وحکمت بن کر آیا تھا۔ آج جہالت کی دلدل میں تا بغرق ڈوبا ہوا ہے، عراق، شام، جارڈن، یمن، سوڈان، لبیا، تونس، الجیریا، مراکش، ترکی، ملایا، افغانستان اور انڈونیشیا میں آج ایک بھی مفکّر اور کام کا مصنف موجود نہیں۔ ایران۔ مصر اور پاکستان میں چند اہل قلم موجود ہیں۔ لیکن ابنائے زمانہ کی ناقدری اور حکومتوں کی بے اعتنائی کی وجہ سے ان کی حالت بے حد قابلِ رحم ہے۔ اگر صرف اتنا ہی ہو جاتا کہ کوئی اسلامی حکومت اپنے اسلاف کے علمی ذخائر ہی جمع کر لیتی۔ تو پھر ان سے استفادہ کے مواقع بھی نکل سکتے تھے۔ لیکن بُرا ہو اس مغربی تہذیب کا۔ جس

نے نہ صرف ہمیں اپنے بزرگوں کے علوم سے بیگانہ بنا دیا۔ بلکہ مذہب تک سے متنفر کر دیا ہے۔
ہمارے بزرگوں کی کتابیں کتنی تھیں۔ اور کس کس موضوع پہ تھیں۔ ہمیں تفصیلاً معلوم نہیں۔
اور معلوم بھی کیسے ہو۔ کہ تاتاری اور عیسائی درندوں نے ہماری کئی کروڑ کتابیں جلا دیں۔ اور جو بچ گئیں۔ وہ آج لنڈن، پیرس، ہالینڈ، جرمنی، سپین اور اٹلی میں مقفل ہیں۔ یورپ سو برس تک اسلامی ممالک پہ مُسلّط رہا۔ اس دوران میں وہ ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہر ملک سے کتابیں نکال کر اپنی لائبریریوں میں بھرتا رہا۔ ۱۹۲۸ء کا ذکر ہے۔ کہ میں نے ایک ہندو بزاز سے کپڑا خریدا۔ جب قیمت ادا کرنے لگا تو وہ بول اٹھا: ''برق صاحب! اگر آپ عربی یا فارسی کی قلمی کتابیں مہیا کر سکیں تو ایک پونڈ فی کتاب کے حساب سے کپڑے کی رقم کم کر دوں گا۔'' میں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ عربی کتابیں تمہارے کس کام کی؟ کہنے لگا کہ ''میں انگلستان سے براہ راست کپڑا منگاتا ہوں۔ اور وہاں کے ڈیلرز نقدی کی جگہ ایسی کتابوں کو ترجیح دیتے ہیں۔''
تو یوں ہماری بچی کھچی کتابیں یورپ میں چلی گئیں۔ اور ہم ان سے یوں محروم ہو گئے۔ کہ آج پاکستان جیسی وسیع سلطنت میں ان کتابوں کا ایک فیصد بھی موجود نہیں۔ وہ لوگ ہمارے علوم کو اساس بنا کر علم و حکمت کے آفتاب بن گئے۔ اور ہم ان سے کٹ کر جہالت کے اندھیروں میں بھٹکنے لگے۔ اور ستم یہ کہ ہم اس حال پہ قانع ہیں۔

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں وہ اک جلوۂ شرر کے لیے

(اقبال بہ ترمیم)

ان حالات میں تفصیلاً یہ بتانا ناممکن ہے۔ کہ ہمارے اسلاف نے کیا کچھ لکھا تھا۔ ان کی کتنی تخلیقات یورپ میں پہنچیں۔ اور کس کس زبان میں کتنے تراجم ہوئے۔ تاہم مختصراً چند معروضات پیش کرتا ہوں۔

ایجاد و صنعت

کاغذ

یورپ پر عربوں کا سب سے بڑا احسان کاغذ کا رواج ہے۔ کاغذ کے اصل موجد چینی تھے۔ انہوں نے کاغذ کا ایک کارخانہ سمرقند میں بھی قائم کیا تھا۔ جب ساتویں صدی عیسوی میں عربوں نے سمرقند کو فتح کیا۔ تو وہاں سے یہ صنعت لے لی۔ اہل چین ریشمی کپڑے کے خول سے کاغذ بناتے تھے۔ عرب پرانے کپڑوں اور کپاس کو بھی اس مقصد کے لیے استعمال کرنے لگے۔ کاغذ سازی کا پہلا کارخانہ ۷۹۴ء میں بغداد میں قائم ہوا۔ یہ ہارون الرشید کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد یہ صنعت سلطنت کے دیگر بڑے شہروں مثلاً دمشق، مصر، نیشاپور، شیراز، خراسان، مراکش، قرطبہ، غرناطہ، سسلی وغیرہ میں پہنچی۔ یہ صنعت کس ملک میں کب پہنچی۔ جدول ذیل دیکھیے:

ملک	کب پہنچی	ملک	کب پہنچی
ا۔ چین۔ موجد	۱۰۵ء	۵۔ قسطنطنیہ	۱۱۰۰ء
۲۔ بغداد	۷۹۴ء	۶۔ اٹلی	۱۱۵۴ء
۳۔ مصر	۸۰۰ء	۷۔ جرمنی	۱۲۲۸ء
۴۔ سپین	۹۵۰ء	۸۔ برطانیہ	۱۳۰۹ء

عرب تاجروں کی بدولت مکہ میں کاغذ ۷۰۰ء سے بھی پہلے پہنچ گیا تھا۔

یورپ میں کاغذ سے پہلے کتابیں چمڑے کی جھلّی پہ لکھی جاتی تھیں اور وہ اس قدر مہنگی ہوتی تھیں۔ کہ اٹلی کی ایک امیر خاتون کو ایک چھوٹی سی کتاب کے لیے دو سو بھیڑیں اور پانچ من غلّہ دینا پڑا تھا۔ اسی طرح جب فرانس کے بادشاہ لوئیس یازدہم (۱۴۶۱۔۱۴۸۳ء) کو پیرس کی یونیورسٹی سے رازی کی چند طبی تصانیف عاریتہً لینا پڑیں۔ تو اس نے ایک امیر کو ضامن بنایا۔ نیز ایک بہت بڑی رقم جمع کرائی۔

یورپ میں کاغذ پہ پہلی تحریر راجر اوّل کی بیوی کا ایک حکم ہے۔ جو ۱۱۰۹ء میں جاری ہوا تھا۔

لیکن موسیالیبان لکھتا ہے۔ کہ کاغذ پہ پہلی تحریر ایک کتاب تھی۔ جو ۱۰۰۹ء میں لکھی گئی تھی اور جو اسکوریل کے کتب خانے میں محفوظ ہے یہ کاغذ عربوں سے خریدا گیا تھا۔

قطب نما

قطب نما عربوں کی ایجاد ہے۔ یہ آلہ قرونِ اولیٰ کے تمام تجارتی و جنگی جہازوں میں لگا ہوا تھا۔ یہ اسی کی رہنمائی کا کرشمہ تھا کہ ہمارے جہاز جدہ سے چین تک جاتے تھے۔ جب ہم نے یہی چیز یورپ کو دی۔ تو اس کا کولمبس بحر اطلس کی لہروں کو چیر کر امریکہ جا پہنچا۔ اور واسکوڈی گاما ہندوستان تک نکل گیا۔

بارُود

مسلمان صدیوں سے بارود استعمال کر رہے تھے۔ سسلی اور سپین کی صنعت گاہوں میں دیگر اسلحۂ جنگ کے ساتھ ایک مسالہ بوتلوں میں بھرا جاتا تھا۔ جنہیں سنگ انداز مشینوں کی مدد سے دشمن پہ پھینکا جاتا تھا اہل چین آتش بازی کے لیے شورے سے کام لیتے تھے۔ لیکن عرب بارود استعمال کرتے تھے۔ یہ توپیں بھی بنا سکتے تھے۔ توپ کو سب سے پہلے افریقہ کے ایک سردار یعقوب نے ۱۲۰۵ء میں استعمال کیا تھا۔ ۱۲۷۳ء میں ابو یوسف یعقوب سلطان مراکش (۱۲۵۸۔۱۲۸۶ء) نے بھی مراکش کے ایک شہر سجلماسہ کے محاصرے میں توپوں سے کام لیا تھا۔ یورپ کے تاریخ نگار راجر بیکن کو بارود کا موجد سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ دعویٰ سراسر بے بنیاد ہے۔ بیکن نے بارود سازی ایک کتاب المنیر ان المحرقتہ (جلانے والی آگیں) سے سیکھی تھی۔ جو کسی عرب نے لکھی تھی۔

کلاک اور گھڑیال

ہارون الرشید (۷۸۶۔۸۰۹ء) اور شارلیمان (۷۶۸۔۸۱۴ء) کے تعلقات بڑے دوستانہ تھے۔ ایک دفعہ ہارون نے شارلیمان کو چند تحائف بھیجے۔ جن میں ایک کلاک بھی تھا۔

آپ صفحات گزشتہ میں پڑھ چکے ہیں۔ کہ جب فریڈرک۔ دوم (۱۲۱۲۔۱۲۵۰ء) صلیبی افواج کو لے کر فلسطین پہنچا۔ اور سلطان الکامل (۱۱۹۹۔۱۲۱۸ء) کے خلاف صف آرا ہوا۔ تو الکامل

نے اس بنا پر کہ فریڈرک اسلامی تہذیب کا دل دادہ ہے۔اس کا بڑا احترام کیا۔اور واپسی پر بیش قیمت تحائف سے نوازا۔جن میں ایک کلاک بھی تھا۔اس میں شمس وقمر حرکت کرتے اور طلوع و غروب کا منظر دکھاتے تھے۔نیز ہر گھنٹے کے بعد ٹن کی آواز آتی تھی۔

دمشق کی مسجد میں ایک ایسی گھڑی آویزاں تھی۔جس کے ڈائل پر تانبے کے دو شاہباز بنے ہوئے تھے۔ساتھ ہی ایک پیالی میں تانبے کی گولیاں رکھی تھیں۔جب ایک گھنٹہ ختم ہوتا۔تو یہ باز حرکت میں آتے۔جھک کر چونچ سے گولی اٹھاتے۔اور باری باری ایک اور پیالی میں ڈالتے جاتے۔جس سے ٹن ٹن کی آواز پیدا ہوتی۔غروبِ آفتاب کے بعد یہ باز سو جاتے اور چند نئے پرزے کام کرنے لگتے۔اس گھڑی پر نیم دائرہ کی شکل میں بارہ سوراخ تھے۔جن پر شیشہ لگا ہوا تھا۔اور اوپر ایک سے بارہ تک ہندسے لکھے ہوئے تھے۔اندر ایک چراغ گھومتا رہتا تھا۔جب ایک گھنٹہ ختم ہو جاتا۔تو وہ ایک سوراخ کے سامنے آ کر تھوڑے سے وقت کے لیے رک جاتا۔کمال کی بات یہ ہے کہ وہ ہمیشہ صحیح سوراخ کے سامنے رکتا۔اور وقت بتانے میں کبھی غلطی نہ کرتا۔

پَلَرمو (سسلی) میں مسلمانوں نے ایک چشمے پر ایک ایسا گھڑیال بنایا تھا۔جو صرف اوقاتِ نماز پہ بجتا تھا۔اور اس کی آواز کئی میل تک سنائی دیتی تھی۔

ایران کے ایک فاضل ابن رضوان نے ۱۲۰۳ء میں ایک کتاب لکھی جس میں ایک ایسی پن گھڑی کا ذکر کیا ہے جو اس کے والد نے دمشق میں بنائی تھی۔۱۲۰۶ء میں ایک اور فاضل الجزری نے گھڑیوں اور مشینوں پہ پوری کتاب لکھی تھی۔

دارُالصناعۃ

مسلمانوں نے سسلی۔سپین۔دمشق اور تونس میں ایسے کارخانے قائم کیے تھے۔جن میں تیر سے توپ تک تمام اسلحہ بنتا اور سمندری جہاز تیار ہوتے تھے۔امیر معاویہ کا سمندری بیڑہ بارہ سو اور اغالبہ کا کئی ہزار جہازوں پہ مشتمل تھا۔اور ان کی اجازت کے بغیر کسی سلطنت کا کوئی جہاز بحیرۂ روم میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

عینک۔طیارہ اور میزان الوقت

دل ڈیوران ؎ لکھتا ہے۔ کہ سپین کے ایک مسلم سائنس دان ابن فرناس نے تین چیزیں ایجاد کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اول عینک کا شیشہ۔ دوم وقت بتانے والی گھڑی جو کھیلوں اور دوڑوں میں استعمال ہوتی ہے۔ سوم ایک مشین جو ہوا میں اڑ سکتی تھی۔

متفرق ایجادات

خلیفہ المقتدر عباسی کے حوض میں مصنوعی سنہری درخت پر ایسی چڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ جو ہوا چلنے پہ گاتی تھیں۔ الحمرا میں ایسے فوارے تھے۔ جن سے پانی کے ساتھ گیت بھی نکلتے تھے۔ سپین میں ایک پریس ؎ تھا۔ جس پر عبدالرحمان۔ اوّل (۷۵۶۔۷۸۸ء) کے احکام چھپتے تھے۔ اموی خلفا نے پہاڑی چشموں کا پانی دمشق کے ہر گھر میں پہنچا دیا تھا۔ سسلی میں ایسی مشینیں تھیں۔ جو کنویں کا پانی بلندی پہ پہنچاتی تھیں۔ وہ لوگ دریاؤں پہ پل بھی باندھ سکتے تھے۔ خلفائے عباسیہ کے عہد میں دریائے دجلہ پہ جو سات سو پچاس فٹ چوڑا ہے۔ تین پل ؎ تھے۔ انہوں نے معادن کو پگھلانے کے لیے بھٹیاں اور جامہ بافی کے لیے کر گھے لگائے۔ ہر قسم کی مٹھائیاں، مشروبات اور ادویہ بنائیں۔ زمین سے مختلف ستاروں کا فاصلہ معلوم کرنے کے لیے خاص آلات ایجاد کیے۔ بھاری چیزوں کو بلندی تک پہنچانے کے لیے کلیں بنائیں۔ شیشہ سازی، قالین بافی، چرمی رنگنے، چینی کے رنگین برتن اور فانوس بنانے میں کمال حاصل کیا۔ موسولیبان لکھتا ہے کہ سسلی ؎ میں ایک نارمن امیر رابرٹ دسکرڈ کو ایک ایسی مورتی ملی۔ جو سنگ مرمر کے چبوترے پر نصب تھی۔ اس کے سر پہ کانسی کا تاج تھا۔ اور اس پر یہ الفاظ کندہ تھے۔ "یکم مئی کو غروبِ آفتاب کے وقت میرے سر پہ سونے کا تاج ہوگا" کوئی شخص اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ جب یہ بات ایک مسلم قیدی تک پہنچی تو اس نے پیغام بھیجا۔ کہ اگر مجھے چھوڑ دو تو میں اس معمہ کو حل کر دوں گا۔ رابرٹ نے اسے آزاد کرا لیا۔ اس نے کہا۔ کہ یکم مئی کو وہ جگہ کھودی جائے۔ جہاں وقتِ غروب اس مورتی کے سر کا سایہ پڑ رہا ہو۔ وہاں سے خزانہ نکلے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہاں سے زر و جواہر

کے صندوق برآمد ہوئے۔

اس دور میں چند شہر اپنی مصنوعات کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ موصل کی ململ، دمشق اور طلیطلہ کی تلواروں، عدن کے اونی کپڑے، حلب کے شیشے، رے کے رنگین برتنوں، رقہ کے صابن، ایران کے قالینوں اور نیشا پور کے عطر کا دور دور تک چرچا تھا۔ بعض کاریگر ایسی اعلیٰ چیزیں بناتے تھے۔ جنہیں بڑے بڑے امرا بھی نہیں خرید سکتے تھے۔ ایک مرتبہ ہارون الرشید کا وزیر اعظم یحییٰ بن خالد برمکی (۸۰۵ء) بازار سے گزر رہا تھا کہ اس کی نظر ایک چھوٹے سے مرصع صندوقچے پر پڑی۔ اسے بے حد پسند آیا اور خریدنے کا ارادہ کیا۔ لیکن قیمت پہ اتفاق نہ ہو سکا۔ یحییٰ ستر لاکھ درہم دیتا تھا۔ دکاندار زیادہ مانگتا تھا۔

مسلمانوں نے صنعت و حرفت پہ کافی کتابیں لکھی تھیں۔ لیکن آج ان کا نام و نشان تک موجود نہیں۔ صرف چند نام باقی رہ گئے ہیں۔ مثلاً

ابوالفیض اسمٰعیل بن الرزاق کی الکتاب فی معرفۃ حیل الہندسیہ۔ جو ۱۲۰۶ء میں لکھی گئی تھی۔ الخازنی (۱۲۰۰ء) کی میزان الحکمۃ اور الخوارزمی (۸۴۴ء) کی کتاب الصنائع جس میں ایک سو صنعتوں کا ذکر ہے۔

مہِ نخشب

ہمارے شعری ادب میں مہ نخشب کا ذکر بار بار آتا ہے۔ نخشب ترکستان میں ایک گاؤں کا نام تھا۔ جہاں حکم بن ہاشم نے دعوائے نبوت کے بعد ڈیرے جا لیے تھے۔ اس نے ایک چاند بنایا جو غروب آفتاب کے معاً بعد نخشب کے ایک کنویں سے نکلتا۔ اندازاً سو مربع میل رقبے کو رات بھر منور کرتا اور طلوع آفتاب سے عین پہلے ڈوب جاتا۔ کمال صنعت یہ تھا۔ کہ موسم کوئی ہو۔ جونہی سورج کا آخری حصہ نہاں ہوتا۔ وہ چاند نکل آتا تھا۔ آدھی رات کو عین سر پر آ جاتا۔ اور پھر رفتہ رفتہ اس رفتار سے واپس جاتا۔ کہ آخری کنارہ غائب ہوتے ہی سورج نکل آتا۔ جب تک یہ چاند باقی رہا۔ سورج سے کبھی اس کا سامنا نہ ہوا۔ غالب کیا مزے کا شعر کہتے ہیں۔

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دستِ قضا نے
خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

مطلب یہ کہ دستِ قضا یعنی خدا نے سورج کو حکم دے دیا۔ کہ جاؤ مہ نخشب کی طرح نکلو اور ڈوبو اور صورت یہ تھی۔ کہ ابھی وہ حسن و جمال میں میرے محبوب کے برابر نہ ہوا تھا۔

حکم بن ہاشم کے منہ پر زخم تیغ کا ایک گہرا نشان تھا۔ جسے چھپانے کے لیے وہ برقع اوڑھتا تھا۔ اور اسی لیے اُلمقنّع (برقع پوش) کے نام سے مشہور تھا۔ جب اس کا فتنہ حد سے بڑھ گیا۔ تو خلیفہ مہدی عباسی (۷۷۵۔۷۸۵ء) نے مُسیّب بن زُبیر کی کمان میں ایک فوج ترکستان کی طرف بھیجی۔ جب اس نے دیکھا۔ کہ بچنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہی تو اس نے اپنے تمام اہل و عیال کو شراب میں زہر پلا دیا۔ اور خود تیزاب کے مٹکے میں غوطہ لگا کر تحلیل ہو گیا۔ تیزاب اتنا تیز تھا۔ کہ اس کی ہڈیاں بھی گل گئیں اور مٹکے میں صرف بال رہ گئے۔ یہ واقعہ ۷۸۳ء کا ہے۔

مقنّع دعوائے نبوت سے پہلے بغداد میں سرکاری ملازم تھے۔ ظاہر ہے کہ اس نے بغداد ہی میں سائنس پڑھی ہوگی۔ غور فرمائیے۔ کہ اس دور میں جب یورپ والے کھالیں پہنتے، پتے کھاتے اور جنگلی وحشیوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ مسلمان علم و فن کی کن بلندیوں پر فائز تھے۔

عُلوم طبیعی

(سائنس)

ہم نے علوم طبیعی یونانیوں سے لیے تھے۔ اور یونانیوں نے مصر و بابل سے۔ اہل بابل فلکیات کے اور مصری تعمیرات کے ماہر تھے۔ مصریوں کے اہرام ان کے کمال فن پہ زندہ شہادت ہیں۔ رہے اہل بابل۔ تو فلکیات اور چند دیگر انکشافات میں ان کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ بطلیموس کے پاس ایک ایسا بابلی جدول تھا۔ جس میں ۷۴۷ ق م سے اس کے اپنے عہد تک کے فلکی مشاہدات درج تھے۔ وہ لوگ کسوف و خسوف کے اسباب سے آگاہ اور دھوپ گھڑی۔ آبی گھڑی، محدب شیشے اور اصطرلاب کے موجد تھے۔ طباعت اور ابتدائی ریاضی سے بھی آشنا تھے۔

ارسطو (۴۲۸-۳۶۰ ق م) کا بھتیجا کیلستھنیز (۳۶۰-۴۲۸ ق م) مطالعہ فلکیات کے لیے یونان سے بابل گیا تھا اور اس نے بابلی ہیئت دانوں کے دو ہزار سالہ مشاہدات ارسطو کو بھیجے تھے۔

یونانی علم کی خامیاں

یہ درست ہے کہ یونانیوں نے ہیئت اور طبیعات پہ چند کتابیں لکھی تھیں۔ لیکن ان میں تلاش و تحقیق، باریک بینی، تفصیلی مشاہدات اور اس یقینی علم کی کمی تھی، جو تجربات سے حاصل ہوتا ہے۔ ارسطو نے طبیعات پہ کتاب تو لکھ دی۔ لیکن تجربہ ایک بھی نہ کیا۔ اور کئی باتیں غلط کہہ دیں مثلاً کہ مرد[1] کے دانت عورت سے زیادہ تیز ہوتے ہیں۔ اور شیر کی گردن میں ایک ہڈی ہوتی ہے۔ جالینوس کا قول ہے کہ انسان کے نچلے جبڑے میں آٹھ ہڈیاں ہوتی ہیں۔ یونانی صرف ریاضی کے اُستاد تھے۔ لیکن اس سے کوئی عملی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اس علم سے ان کی دلچسپی صرف منطق اور موسیقی کے لیے تھی۔ جب یونان کے ایک عالم آرچی طاس[2] نے ریاضی کے چند پیمانے اور پرکاریں ایجاد کیں۔ تو افلاطون نے اسے ملامت کی، کہ تم نے ریاضی کے حُسن کو تباہ کر دیا ہے۔ یونان کا ایک ڈرامہ نگار ارسطوفین (۳۸۵ ق م) فلکیات، طبیعات اور ریاضی کا مضحکہ اڑایا کرتا تھا۔ اقلیدس (۳۰۰ ق م) یونان میں ریاضی کا امام سمجھا جاتا ہے، لیکن اس کی حیثیت محض ایک جامع کی ہے جس نے اسلاف کا علم ریاضی یک جا کر دیا تھا۔ ہپاقوس (۱۲۷ ق م) یونان کا منجم اعظم تصور رہوتا ہے لیکن اس کی تصانیف اوہام و خرافات سے لبریز ہیں۔ یہ چیزیں کاپرنیکی (پ ۱۴۷۳ء) کے ہاں بھی ملتی ہیں۔ وہ[3] لکھتا ہے کہ تاروں کو فرشتے دھکیلتے ہیں۔ جرمنی کا منجم کپلر (۱۶۳۰ء) جنم پتریاں بنایا کرتا تھا۔

مسلمانوں کے مطالعہ کائنات کا انداز یونانیوں سے مختلف تھا۔ یہ لوگ ہر چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھتے۔ تجربہ کرتے، تجربات کو دہراتے اور پھر پورے وثوق کے بعد نتائج قلم بند کرتے تھے۔ درست کہا تھا رابرٹ[4] بریفالٹ نے:

> "سائنس سے مراد تحقیق کی نئی روح، تفتیش کے نئے طریقے اور پیمائش و مشاہدہ کے نئے اسلوب ہیں۔ ۔۔۔۔ جن سے یونانی بے خبر تھے۔

یورپ میں اس روح اور ان اسالیب کو رائج کرنے کا شہرہ عربوں کے سر ہے۔" (ملخص)

یونانیوں کی یہ غیر تجرباتی سائنس ان کے کوئی کام نہ آئی اور وہ اپنے پانچ سو سالہ دورِ عروج میں ایک سڑک، ایک پل اور ایک نہر یا کاریز تک نہ بنا سکے۔

مسلمانوں کے طبیعی کارنامے

مسلمانوں کے طبیعی کارناموں کی فہرست کافی طویل ہے۔ مختصراً یہ کہ انہوں نے روشنی، نظر، کسوف و خسوف، زلازل، باد و باراں، حیوانات، نباتات اور خواص اشیاء، پہ لاتعداد کتابیں لکھیں، گندھک اور شورے کا تیزاب بنایا معادن پگھلانے کے آلات ایجاد کیے۔ الکحل سے کام لیا۔ جرثقل کے قوانین پہ روشنی ڈالی، مائعات معادن اور سیماب وغیرہ کا وزن معلوم کیا۔ نیز پہاڑوں اور سمندروں کے ذخائر پہ بحث کی۔

عرب علمائے طبیعی

جابر بن حیان (۸۳۰ء)

کوفے کا رہنے والا۔ علم الکیمیا کا بابا آدم سمجھا جاتا ہے۔ اس نے سو کتابیں لکھیں تھیں۔ لیکن آج ناپید ہیں۔ اس نے یورپ کے علم کیمیا پہ گہرا اثر ڈالا۔ اس کی کتاب الکیمیا کا لاطینی ترجمہ ایک انگریز رابرٹ آف چیسٹر نے ۱۱۴۴ء میں کیا تھا اور اس کی ایک اور کتاب السبعین کو کریمونہ کے عالم جیرارڈ ۱۱۸۷ء نے لاطینی میں منتقل کیا تھا۔ ۱۶۷۲ء میں اس کی ایک کتاب فرانسیسی میں ترجمہ ہوئی۔ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا نے لفظ "جابر" کے تحت ایک ایسے یورپی جعلساز کا نام لکھا ہے۔ جو جابر کی تصانیف کو لاطینی میں منتقل کرنے کے بعد انہیں اپنی تخلیقات بنا لیتا تھا۔ کیمیا جدید میں بعض ایسی اصطلاحات بدستور موجود ہیں۔ جو جابر نے وضع کی تھیں۔ ۱۸۹۲ء میں مسٹر اُد۔ ہو دَس نے جابر کی نو کتابوں کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔

رازی ۹۲۵ء

پورا نام محمد بن ذکریا ابوبکر۔ رے میں پیدا ہوا۔ طب میں لازوال شہرت کا مالک ہے۔ اور تقریباً دو سو کتابوں کا مصنف جن میں سے نصف سے زیادہ طب پر ہیں۔ بارہ علم الکیمیا پر۔ چند ایک فلسفہ وروحانی علاج، نظر برف اور غروب شمس ونجوم پر ہیں۔ ایک کتاب میں زمین کی ساخت پر بحث ہے۔ نام ہے۔

رسالة فی البحث عن الارض الطبیعیة هی الطین ام الحجر اور ایک میں بتایا ہے کہ فضا میں زمین کیسے معلق ہے۔ عنوان ہے۔

کتاب سبب وقوف الارض فی وسط السماء

اس کی ایک کتاب چیچک اور خسرے پر تھی۔ جو پہلے لاطینی اور پھر دیگر یورپی زبانوں میں ترجمہ ہوئی۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ۱۴۹۸ء میں ہوا۔ اور ۱۸۶۶ء تک چالیس مرتبہ چھپا۔ اس کی کتاب الحاوی بیس جلدوں میں ہے۔ جس کی متفرق جلدیں یورپ کی آٹھ لائبریریوں میں موجود ہیں۔ سب سے پہلے اس کا ترجمہ سسلی کے ایک یہودی طبیب فرج بن سالم نے ۱۲۷۹ء میں کیا تھا۔ ۱۴۸۶ء کے بعد یہ ضخیم کتاب چھپن برس کے عرصے میں (۱۵۴۲ء تک) پانچ مرتبہ شائع ہوئی۔ تیرہویں صدی کے نصف آخر میں فرج بن سالم نے رازی کی بعض دیگر کتابوں کو لاطینی میں منتقل کیا۔ اور جیرارڈ نے اس کی کتاب الاسرار کا لاطینی ترجمہ پیش کیا۔ رازی نے یورپ کی طب پر گہرا اور پائیدار اثر ڈالا۔ راجر بیکن اپنی تصانیف میں رازی کا بار بار حوالہ دیتا ہے اور پیرس یونیورسٹی میں رازی وسینا کی تصاویر آج بھی آویزاں ہیں۔

ابوریحان محمد بن احمد البیرونی (۹۸۳ء۔۱۰۴۸ء)

گو البیرونی مؤرخ کی حیثیت سے مشہور ہے۔ لیکن وہ ایک قابل طبیب، منجم، جغرافیہ دان اور طبیعی بھی تھا۔ طب پر کتاب الصیدلہ، ہیئت پر تفہیم وقانون اور جواہر ومعادن پر الجواہر فی الجواہر لکھی۔ جس میں بیس معادن اور تمام جواہر کے اوزان وخواص پر بحث کی۔ اس کی بیشتر کتابیں ابھی

تک طبع نہیں ہوئیں۔ان میں سے اکثر اسکوریل کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔اس نے معدنیاتی ھف نمونے جمع کرنے اوران کے مطالعہ پر بیس سال لگائے تھے۔

علی بن حسین المسعودی بغدادی ۹۵۶ء

مسعودی مؤرخ وجغرافیہ دان تھا۔اس کی مشہور تصنیف مُروج الذہب میں سمندری لہروں، دریائی سانپوں،موتیوں،زلزلوں بحیرہ مُردار کے پانی،ہوائی چکی اور نظریۂ ارتقاپر بھی طویل بحثیں ملتی ہیں۔

اخوانُ الصفا

یہ فلسفیوں کی ایک جماعت تھی۔جس نے دسویں صدی عیسوی میں پچاس رسائل لکھے۔ان میں سے سترہ طبیعات پر ہیں۔ان میں معادِن کی تکوین، زلزلوں، امواج بحر،عناصر اربعہ، بادو باراں اورافلاک پر بحث کی گئی ہے۔

ابن الہیثم ۹۶۵ء

بصرے کا رہنے والا۔پورا نام حسن بن حسن ابن الہیثم دوسو کتابوں کا مصنف تھا۔ان میں سے بیشتر ریاضی ہیئت، روشنی اور روایت پر ہیں۔اس نے ایسے شیشوں پہ بحث کی ہے۔جن سے اشیاء صاف اور بڑی نظر آتی ہوں (عینک)۔اس نے شفق،قوسِ قزح،ہالہ اور خسوف وکسوف پر بھی کتابیں لکھیں۔اس نے پہلی دفعہ اعلان کیا کہ روشنی شفاف چیز سے گزر کر ایک طرف کو مڑ جاتی ہے۔اس نے اقلیدس اور بطلیموس کے اس نظریہ کی کہ رویت اس شعاع سے ہوتی ہے جو آنکھ سے نکل کر مرئی تک جاتی ہے، تردید کی۔اور کہا کہ مرئی کا عکس آنکھ تک آتا ہے۔اور اسی کا نام دیکھنا ہے۔اس نے یہ بھی بتایا کہ طلوع وغروب کے وقت سورج کیوں بڑا نظر آتا ہے اور اشیاء کے وزن پہ ہوا کا کیا اثر پڑتا ہے۔راجر بیکن نے اسی کے مشاہدات سے کام لے کر دوربین ایجاد کی۔یہ اپنی تصانیف میں بار بار ابن الہیثم کا حوالہ دیتا ہے۔کیلر اور لیونارڈو (تیرہویں صدی) نے بھی اسی کے نظریات پر مطالعۂ روشنی کی بنا ڈالی تھی۔راجر بیکن طبیعات میں بڑا مقام رکھتا ہے۔لیکن بقول

دل آف ڈیوران:

"With Ibn ul Haitham Rogor
Bacon would have never been
heard of."

(ابن الہیثم کے بغیر راجر بیکن کا نام ونشان تک نہ ہوتا)

ابن الہیثم کی چند تصانیف:۔

۱۔تربیع الدائرہ	ریاضی
۲۔الہالہ وقوسِ قزح	موسمیات
۳۔مسئلہ ہندسیہ	انجینیر نگ
۴۔اصول الکواکب	نجوم
۵۔ضوء القمر	چاند کی روشنی
۶۔کتاب المناظر	رویت
۷۔ہیئۃ العالم	کائنات

ان میں سے ایک کتاب المناظر کا لاطینی اور اطالوی میں ترجمہ ہوا تھا۔

الکندی یعقوب بن اسحاق ۸۵۰ء

اسلام کا مشہور فلسفی، منجم، طبیب اور طبیعی۔جس کی ساری زندگی لکھنے میں گزری۔القفطی نے اس کی دوسو پچیس کتابوں کی فہرست دی ہے، تقسیم یہ ہے۔

فلسفہ	منطق	حساب	موسیقی	ہیت	طب	نفسیات	سیاست	طبعیات	متفرق	میزان
۲۰	۹	۳۳	۶	۳۹	۲۴	۵	۱۲	۴۴	۳۳	۲۲۵

الکندی کے طبعی موضوعات یہ تھے۔

عناصر اربعہ کی ماہیت، زمانہ کیا ہے؟ گرمیوں میں فضا کیوں خنک ہوتی ہے؟ پیری میں

سردی لگنے کی وجہ، جواہرات ، پتھروں کی اقسام، رنگ، فولاد، شہد کی اقسام، عطر سازی، الکیمیا، مدّ وجزر، آئینہ، حشرات، زلزلوں کا سبب، کڑک چمک، بارش اور اولوں کی حقیقت وغیرہ۔

چند طبیعی کتابوں کے نام:۔

ا۔ کتاب فی ما هیة الزمان و العین و الدهر۔ زمانے پر۔

۲۔ کتاب فی الکواکب الذی یظهر ایاما و یضمحل چندروزہ ستاروں پر جو غائب ہو جاتے ہیں۔

۳۔ کتاب فی استخراج بعد مرکز اقمر من الارض ۔ چاند اور زمین کی مسافت پر۔

۴۔ کتاب معرفة العاد قلل الجبال ۔ پہاڑوں کی چوٹیوں کا فاصلہ معلوم کرنے کا طریقہ۔

۵۔ کتاب فیما یصبغ فیعطی لونا۔ رنگوں پر

۶۔ کتاب کیمیاء العطر۔ عطر سازی پر

۷۔ کتاب فی الخیل۔ گھوڑوں پر۔ وغیرہ وغیرہ

الکندی تقریباً گیارہ سو سال پہلے کا آدمی ہے۔ عربستان کے ایک گوشے یمن کا رہنے والا۔ جہاں آج بھی کوئی کالج یا اس سے ملتی جلتی درسگاہ موجود نہیں۔ نہ جانے اس تاریک زمانے میں وہاں اتنا بڑا فاضل کیسے پیدا ہو گیا۔ اور اس نے حساب، فلسفہ اور ریاضی جیسے ٹھوس مضامین پر درجنوں کتابیں کیسے لکھ لیں؟

فارابی، ابونصر محمد بن محمد (۹۵۱ء)

فاراب چینی ترکستان میں ایک شہر کا نام ہے۔ یہ حکیم وہیں پیدا ہوا۔ اور بعد میں بغداد چلا گیا۔ یہ اسلام کے عظیم فلسفیوں میں شمار ہوتا ہے۔ ساتھ ہی منجم، طبیب اور طبیعی بھی تھا۔ کشف الظنون میں اس کی ایک سو چودہ تصانیف کے نام درج ہیں۔ چند ایک یہ ہیں:۔

۱۔ کتاب النجوم	ہیئت
۲۔ کتاب الردِ جالینوس	طب
۳۔ کتاب الاخلاق	اخلاق
۴۔ کتاب فی العلم الِالٰہی	الٰہیات
۵۔ کتاب السیات المدنیہ	سیاست
۶۔ کتاب الموسیقی	موسیقی
۷۔ کتاب فی الجن	جنّات کی حقیقت پر
۸۔ کتاب التاثیر العلویہ	ستاروں کا اثر زمین اور اہل زمین پر
۹۔ کتاب شرح السماء العالم	آسمان وزمین

عبداللطیف بغدادی ۱۱۶۲ء۔۱۲۳۲ء

یہ نحو، حدیث، فقہ، کیمیا، طب اور علوم طبیعی کا بہت بڑا فاضل تھا۔ اس نے اپنی تصانیف میں قحط اور زلزلوں پہ بھی بحث کی ہے۔ اس کی تصانیف اب ناپید ہیں۔ صرف ایک باقی ہے۔ جس میں مصر کے حالات ہیں۔ نام ہے:۔

اَلْاِفَادَۃُ و الْاِعْتِبَار

یہ لاطینی۔ فرانسیسی اور جرمنی میں ترجمہ [۸] ہو چکی ہے۔

ابوالعباس شہاب الدین تفاشی (وفات در مصر ۱۲۵۴ء)

یہ جواہرات کے پہچاننے اور پرکھنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اس فن پر ان کی ایک کتاب اظہار الافکار فی جواہر الاسجار (الابحار) علمی حلقوں میں بڑی شہرت رکھتی ہے۔

الخازنی ۱۲۰۰ء

یہ ایک یونانی غلام تھا۔ جو مرو میں آباد ہو گیا تھا۔ اس نے ایک کتاب کششِ ارضی اور پانی کے وزن و حجم پہ لکھی۔

شہاب الدین القرانی ۱۲۸۵ء

قاہرہ کا فقیہہ وقاضی، جس میں فریڈرک دوم کے ان تین سوالات کا جواب لکھا تھا:۔

اول: لاٹھی کا وہ حصہ جو پانی میں ڈوبا ہوا ہو۔ کیوں ٹیڑھا نظر آتا ہے؟

دوم: کبھی کبھی آنکھوں کے سامنے شعلے سے اڑتے نظر آتے ہیں۔ کیوں؟

سوم: سورج طلوع وغروب کے وقت کیوں بڑا دکھائی دیتا ہے؟

نیز چشم ونظر پر ایک کتاب لکھی۔ جس میں پچاس مسائل پہ بحث تھی۔

ابن العوام ۱۱۹۰ء

اشبیلیہ کا ایک حکیم جس نے بارہویں صدی کے آخر میں زراعت پہ ایک کتاب لکھی۔ اس میں پانچ سو پچاسی نباتات کا ذکر ہے زمین کی اقسام بتائیں۔ بیج کو ترقی دینے، فصلوں کے امراض اوران کے علاج پہ روشنی ڈالی۔ پچاس پھلدار درختوں کو لگانے اور پالنے کے طریقے بھی لکھے۔

ابن البیطار، ابو محمد عبداللہ بن احمد ضیاء الدین ۱۲۴۸ء

نباتات کا سب سے بڑا عالم تھا۔ اس نے مطالعہ نباتات کے لیے افریقہ، شام اور چند دیگر ممالک کا سفر کیا اور پھر اپنی مشہور کتاب ''الجامع فی الادویۃ المفردات'' مرتب کی۔ جس میں چودہ سو بوٹیوں کے خواص وکوائف اور ڈیڑھ سو اطبائے عالم کی آراء درج ہیں۔ یورپ کے ایک فاضل میئر نے اپنی کتاب:

میں الجامع کو محنت ومطالعہ کا ایک یادگاری مینار قرار دیا ہے۔

الجاحظ، عمرو بن بحر، بصری ۸۶۹ء

یہ علم حیوانات کا امام سمجھا جاتا ہے۔ اس کی کتاب الحیوان یورپ میں صدیوں بطور نصاب رائج رہی۔ اس کی تصانیف کی فہرست کافی طویل ہے۔ اہم ترین یہ ہیں۔

ا۔ کتاب الزرع والنخل	نباتات پر
۲۔ کتاب المعادن	معادن پر

۳۔کتاب السودان والبیظان	سیاہ وسفید نسلوں پر
۴۔کتاب النساء	عورتوں کی نفسیات پر
۵۔کتاب الفتیان	نوجوانوں کی نفسیات پر
۶۔کتاب الجواری والغلمان	غلاموں اور کنیزوں پر
۷۔کتاب القیان	گانے والی لڑکیوں پر
۸۔کتاب البخلا	کنجوسوں پر
۹۔کتاب اخلاق الملوک	شاہوں کے اخلاق پر
۱۰۔کتاب البیان والتبیین	شعراء وادبائے عرب کا تذکرہ

چند دیگر علماء

زکریا قزوینی نے (۱۲۸۳ء) بھی حیوانات، نباتات اور جواہرات کا عالم تھا۔ محمد اللہ میری کی کتاب الحیوانات بھی خاصی مقبول ہے۔ اشبیلیہ کا ایک عالم ابوالعباس (۱۲۱۶ء) مطالعہ نباتات کے لیے اطلس سے قلزم تک گیا۔ اور پھر ایک کتاب لکھی۔ مشہور جغرافیہ دان الادریسی ۱۱۶۶ء نے تین سو ساٹھ پودوں پر بحث کی۔ کسی عرب نے شہباز داری، پہ ایک کتاب لکھی تھی، جس کا لاطینی ترجمہ فریڈرک دوم نے کرایا تھا۔ میڈرڈ کے ایک عالم مسلمہ بن احمد نے سیماب سے مرقیورک آکسائڈ بنایا تھا۔

کہاں تک لکھوں۔ یہ داستان بہت طویل ہے۔ ابن القفطی (۱۲۴۸ء) نے تاریخ الحکماء میں چار سو گیارہ اور ابن ابی اُصیبعہ نے طبقات الاطباء میں چھ سو حکماء کے حالات لکھے ہیں۔ ان میں سے بیشتر طبیعی تھے۔ اگر ان حضرات کی تصانیف یورپ نہ پہنچتیں تو اس کی حیات ثانیہ کئی سو سال پیچھے جا پڑتی۔ درست کہا تھا یورپ کے ایک فاضل نے:۔

The Arabs must be considered
The real creators of Physical
Science. (Alexander Von Humbold)

میڈیکل سائنس یا طِب

چونکہ درسِ نظامی میں تمام علوم شامل ہیں اور ہر طالب علم کو نحو، منطق، فلسفہ، فقہ، حدیث، ریاضی، ہیئت، تفسیر، طب، بدیع و معانی، عروض، کلام مناظر اور دیگر اصناف علم لازماً پڑھنا پڑتی ہیں۔ اس لیے اس درس کا فارغ التحصیل سب کچھ ہوتا ہے۔ لیکن بعد از تحصیل کوئی طبیب بن جاتا ہے۔ کوئی منجم، کوئی محدث اور کوئی فلسفی۔ اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جن کی شہرت کئی پر لگا کر اڑتی ہے۔ عمر خیام شاعر بھی تھا اور محاسب بھی، بینا رازی طبیب بھی تھے اور فلسفی بھی۔ یاقوت حموی مؤرخ بھی تھا اور جغرافیہ دان بھی، البیرونی طبیعی بھی تھا اور مؤرخ بھی۔ وقس علیٰ ہذا۔ اسلام نے ہزار ہا علماء و حکماء پیدا کیے یہ سب کے سب طبیب تھے، لیکن ان میں سے اکثر طب کو پیشہ نہ بنا سکے۔ ہم یہاں چند ایسے حکماء کا ذکر کریں گے۔ جنہوں نے طب میں نام پیدا کیا۔ اور اس فن پہ کتابیں بھی لکھیں۔

دنیا یونانی علوم کو بھول چکی تھی۔ صدیوں بعد ان کے احیاء کی پہلی کوشش ان حکماء نے کی، جو جندیشاپور میں جمع ہو گئے تھے اور پھر بعض شامی علماء اس طرف متوجہ ہوئے۔ سرجیس (۵۳۶ء) پہلا شامی عالم تھا، جس نے جالینوس کے بعض تراجم شامی میں کیے۔ اسکندریہ کے ایک پادری اہرن (ساتویں صدی) نے طب پہ ایک کتاب لکھی۔ جسے دورامیہ میں عمر بن عبدالعزیز (۷۱۷۔ ۷۲۰ء) کے حکم سے ماسرجویہ یہودی نے عربی میں منتقل کیا تھا۔ اسلامی دور کی یہ پہلی طبی کتاب تھی۔ ۷۵۵ء میں المنصور عباسی (۷۵۴۔ ۷۷۵ء) نے جندیشاپور کے ایک طبیب جرجیس کو علاج کے لیے بلایا اور کچھ مدت کے لیے دربار ہی میں رکھ لیا۔ اس کی پشت سے جبریل بن بخت یشوع، بخت یشوع بن جبریل اور بیسیوں دیگر بلند پایہ اطباء پیدا ہوئے۔ انہی اطباء کی وجہ سے عباسیوں کو یونانی طب کے ترجمے کا شوق پیدا ہوا۔ ہارون الرشید، ماموں و معتصم کا طبیب خاص یوحنا بن ماسویہ (۸۵۷ء) ان طبی کتابوں کے ترجمے پر مامور ہوا جو بلادِ روم سے ملی تھیں۔۔ یہ خود بھی مصنف تھا۔ القفطی نے اس کی اٹھائیس طبی کتابوں کے نام دیئے ہیں:۔

۱۔کتاب الجذام

۲۔کتاب الاسہال

۳۔کتاب علاج الصداع

۴۔کتاب ماءالشعیر

۵۔کتاب القولنج

۶۔کتاب التشریح

۷۔کتاب الحمام وغیرہ

یوحنا کا ذکر چل پڑا ہے تو ایک لطیفہ بھی سن لیجیے۔ایک مرتبہ ابن حمدون الندیم نے خلیفہ متوکل (۸۴۷۔۸۶۱ء) کے بھرے دربار میں یوحنا سے مذاق کیا۔یوحنا نے جواباً کہا۔کہ اگر تم میں بجائے جہالت عقل ہوتی اور بمقدار جہالت ہوتی،اوراس عقل کوایک سوبھونڈوں (گھانگوں) میں بحصہ برابر تقسیم کر دیا جاتا۔تو ہر بھونڈا ارسطو سے زیادہ عقل مند بن جاتا۔

حُنین بن اِسحاق ۸۷۷ء

حنین بن اسحاق (۸۰۹۔۸۷۷ء) نے جالینوس کی ایک سوتین کتابیں عربی میں منتقل کی تھیں۔اس کے بیٹے اسحاق (۹۱۰ء) اور بھتیجے حُبَیش نے نوے تراجم کیے۔حنین کے نوے شاگرد بیت الحکمۃ میں ترجمہ پہ مامور تھے۔اس کے رفقاء میں سے ثابت بن قُرّہ (۸۲۵۔۹۰۱ء) اور قُسطا بن لُوقا (۹۰۰ء) خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔اِلقِفطی نے قسطا کی بائیس کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں پانچ طب پر ہیں۔باقی ریاضی،نجوم،سیاست،تاریخ وغیرہ پر۔ثابت بن قرہ نے ایک سو چھ کتابیں لکھی تھیں۔ان میں سے بارہ طب پر،دس ریاضی پر،نو ہیئت پر،دو سیاست پر،تین طبیعات پر اور ایک موسیقی پر ہے۔

حنین نے ایک سوتین تراجم کیے۔اور تقریباً تین درجن کتابیں لکھیں۔بیشتر طب پر اور کچھ طبیعات پر۔چند نام یہ ہیں:۔

۱۔کتاب الاغذیہ غذا پر

۲۔کتاب الاسنان واللثہ	دانتوں پر
۳۔کتاب الحمام	غسل پر
۴۔کتاب علل العین	امراضِ چشم پر
۵۔اوجاع المعدۃ وعلاجہا	معدے کے امراض پر
۶۔کتاب تولد الحصات	نگری پر
۷۔کتاب القرح	سوزاک
۸۔کتاب المدوالجزر	سمندر کے مدّ وجزر پر
۹۔کتاب السبب الذی صارت لہ میاۃ البحر مالحۃ	سمندر کا پانی کھاری کیسے ہوا؟
۱۰۔کتاب الادان	رنگوں پر

الکندی ۸۵۰ء

الکندی ہر فن مولا تھا۔اس نے طب پر چوبیس کتابیں لکھیں۔چند نام یہ ہیں۔

۱۔کتاب الطب الرّوحانی

۲۔الطب البقراطی

۳۔فی الغذاء والدواء

۴۔الادویۃ المشفیۃ من الروائح الموذیۃ

۵۔کتاب کیفیت الدماغ

۶۔فی اقسام الحمیات

۷۔علاج الطحال

۸۔فی وجع المعدۃ والنقرس

۹۔فی علۃ نفث الدّم

۱۰۔فی علۃ الجذام

رازی ۹۲۵ء

رازی دوسو کتابوں کا مصنف تھا۔اس کی بعض کتابیں ترجمہ ہوکر یورپ کی درسگاہوں میں مدتوں بطورِ نصاب استعمال ہوتی رہیں۔راجر بیکن بار بار رازی[۳۲] کا ذکر کرتا ہے۔اس نے یورپ کی طب پر گہرا اور پائیدار اثر ڈالا۔رازی نے ایک کتاب چیچک پر بھی لکھی تھی، جو یورپ میں بہت مقبول ہوئی۔۱۵۰۹ء میں رازی کی بعض کتابوں کا لاطینی ترجمہ وینس (اٹلی) میں ہوا۔بعض دیگر کا ترجمہ ۱۵۲۸ء میں چند فرانسیسی علماء نے کیا تھا۔لووان (بلجیم) کا کالج ۱۷۱۶ء میں قائم ہوا تھا۔وہاں، سینا، رازی کی تصانیف داخل نصاب تھیں۔اس کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں:۔

۱۔کتاب الشکوک علیٰ جالینوس

۲۔کتاب کیفیۃ الابصار

۳۔کتاب الباہ

۴۔کتاب الحاوی فی الطب

۵۔کتاب الطب المملوکی

۶۔کتاب الفالج

۷۔کتاب اللقوۃ

۸۔کتاب ہیئت القلب

۹۔کتاب اوجاع المفاصل

۱۰۔کتاب القولنج

ابوعلی حسین بن عبداللہ بن سینا (۹۸۰۔۱۰۳۷ء)

دنیائے اسلام کا یہ عظیم فیلسوف اور طبیب جسے مؤرخ ''الشیخ الرئیس'' کے نام سے یاد کرتا ہے، تقریباً ایک سو پندرہ کتابوں کا مصنف تھا۔کچھ طب پر اور باقی ہیئت، ادب، منطق، فلسفہ وغیرہ پر۔اس کی چند طبی کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔القانون ۱۴جلدیں

۲۔کتاب الشفاء ۱۸جلدیں

۳۔کتاب القولنج

۴۔کتاب الحواشی علی القانون

۵۔کتاب الادویۃ القلبیہ

چند غیر طبی کتابیں

۱۔کتاب الحاصل والمحصول ۲۰ جلدیں

۲۔کتاب الانصاف ۲۰ جلدیں

۳۔کتاب لسان العرب ۱۰ جلدیں

۴۔کتاب النجات ۳۰ جلدیں (تیس)

۵۔کتاب البرّ والاثم ۲ جلدیں (دو)

۶۔کتاب المعاد

۷۔رسالۃ القضاء والقدر

۸۔کتاب عیونِ الحکمت

۹۔مختصر اقلیدس

۱۰۔کتاب الاشارات

سینا کی القانون طب کا شاہکار سمجھی جاتی ہے۔ بارہویں صدی میں جیرارڈ نے اسے لاطینی میں منتقل کیا۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا۔ کہ پندرہویں صدی کے آخری تیس برس یہ سولہ مرتبہ شائع ہوئی۔ پندرہ ایڈیشن لاطینی تھے۔ اور ایک عبرانی۔ سولہویں صدی میں اس کے بیس ایڈیشن نکلے اس کا ایک جزوی ترجمہ انگریزی میں بھی ہوا۔ یورپی علماء نے اس کی اس قدر شرحیں لکھیں۔ اور چھوٹے چھوٹے حصوں کے اس قدر ایڈیشن نکالے۔ کہ انہیں شمار کرنا مشکل ہے۔ یہ کتاب صدیوں تک یورپ کی درسگاہوں میں بطور نصاب رائج رہی۔ مائیکل سکاٹ نے (۱۲۲۲۔

۱۲۳۶ء) کے درمیانی عرصے میں ارسطو کی وہ کتابیں، جو حیوانات و نباتات پہ تھیں، سینا کے حواشی کے ساتھ لاطینی میں منتقل کیں۔ڈاکٹر ولیم آسلر القانون کو طب کی بائبل کہا کرتا تھا۔

اسحاق مصری (۸۵۵۔۹۵۵ء)

یہ فاطمی [۵] خلفا کا درباری طبیب تھا۔اس کی دو کتابیں قارورہ اور ہادی الاطباء صدیوں یورپ کی درسگاہوں میں رائج رہیں۔ان کا لاطینی ترجمہ قسطنطین افریقی نے ۱۰۸۰ء میں کیا تھا۔ رابرٹ برٹن (۱۶۴۰ء) اپنی کتاب

Anatomy of Melancholy

میں اس اسحاق کا بار بار حوالہ دیتا ہے۔

ابن الجزّار (۱۰۰۹ء)

یہ اسحاق [۶] کا شاگرد تھا۔اس کی ایک کتاب زاد المسافر یونانی، عبرانی اور لاطینی میں ترجمہ ہوئی۔لاطینی ترجمہ قسطنطین افریقی نے کیا تھا۔لیکن بددیانتی کی انتہا دیکھیے کہ ترجمہ کو اصل بنا کر اس پر اپنا نام بطورِ مصنف جڑ دیا۔

علی عباس (۹۹۴ء)

ایران کا ایک طبیب، جس کی الکتاب الملکی دو مرتبہ لاطینی میں ترجمہ ہوئی اور یورپ کی درسگاہوں میں بطورِ نصاب استعمال ہوتی رہی۔ جب سینا کی القانون وہاں پہنچی تو اس کی تدریس ختم ہوگئی۔اس کا پہلا لاطینی ترجمہ اٹینی (انطاکیہ کا رہنے والا) نے ۱۱۲۷ء میں کیا تھا۔

ابوالقاسم بن عباس (۱۰۱۳ء)

میراث میں اس کی تاریخ وفات ۱۰۱۳ء اور تمدن عرب میں ۱۱۰۷ء درج ہے۔ یہ قرطبہ کا درباری طبیب تھا۔اور فن جراحی میں اتنی شہرت رکھتا تھا کہ دُور دُور سے مریض اپریشن کے لیے اس کے ہاں آتے تھے۔اس کی کتاب [۷] التصریف لمن عجز عن التالیف کا لاطینی ترجمہ ۱۴۹۷ء میں ہوا۔فرانس [۸] کے ایک سرجن Guy De Chauliace (۱۳۶۸ء) نے اس ترجمے کو اپنی

ایک تصنیف کے ساتھ بطورِ ضمیمہ شامل کیا۔

حسدے بن شپرُوت (۹۹۰ء)

عبدالرحمان سوم (۹۱۲۔۹۶۱ء) اورالحکم دوم (۹۶۱۔۹۷۶ء) کا درباری طبیب، جس نے ایک یونانی طبیب[۲۹] ڈیاسکرائڈ (۵۰ء) کی کتاب ''میٹریا میڈیکا'' کا عربی ترجمہ کیا تھا۔اور بعد میں ابن جُلجُل اندلسی نے اس کی شرح لکھی۔

ابن زہر (۱۱۶۲ء)

اشبیلیہ کا رہنے والا، ابنِ رُشد کا دوست اور کتاب التیسیر کا مصنف۔اس کتاب کا لاطینی ترجمہ ۱۲۸۰ء میں پیراوی سیئس نے کیا۔ دل ڈیوران [۳۰] لکھتا ہے۔ کہ ابن زہر جالینوس کے بعد سب سے بڑا طبیب تھا۔اور تپ دق، ناسُور اور فالج کے علاج میں ماہر تھا۔

داؤدالانطاکی (۱۵۹۹ء)

اس کی طبّی تصانیف کے لاطینی تراجم [۳۱] مدتوں یورپ میں استعمال ہوتے رہے۔

ابن الخطیب (۱۳۱۳۔۱۳۷۴ء)

غرناطہ کا طبیب جو ساٹھ کتابوں کا مصنف تھا۔ایک مرتبہ سپین میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی۔اور پادریوں نے اسے سزائے گناہ سمجھا۔تو ابن الخطیب نے طاعون پر ایک کتاب لکھی۔ اس میں اسباب طاعون پہ بحث کی۔ نیز بتایا کہ یہ ایک متعدّی مرض ہے۔اس کی تائید میں اس کے ایک ہم عصر و ہم وطن ابن الخاتمہ (۱۳۶۹ء) نے بھی ایک کتاب لکھی۔اور طاعون کو متعدّی مرض قرار دیا۔تعدّی کا نظریہ یونانی طب میں موجود تھا۔اس لیے یہ انکشاف اچھوتا تھا۔ان دونوں [۳۲] کی تصانیف چودھویں اور سولھویں صدی کے درمیان یورپ میں بار بار چھپیں۔

ابنِ رُشد (۱۱۹۸ء)

سپین کا یہ عظیم فیلسوف طبیب بھی تھا۔اس کی کُلّیات فی الطب۔کو ۱۲۵۵ء میں ایک یہودی بُناقُسہ نامی نے لاطینی میں منتقل کیا۔اس نے طب پر سولہ کتابیں لکھی تھیں۔

چند دیگر لاطینی تراجم

چند اور اطبا، جن کی بعض کتابیں۔ لاطینی میں ترجمہ ہوئیں۔ یہ ہیں [۳۴]

۱۔ علی بن رضوان مصری (۱۰۶۷ء)

۲۔ ابن بُطلان بغدادی (۱۰۶۳ء)

۳۔ ماسوَیہ ماردینی بغدادی (۱۰۱۵ء)

۴۔ علی بن عیسیٰ بغدادی، ماہر امراضِ چشم (۱۰۰۰ء)

۵۔ ابوریحان البیرونی (۱۰۴۸ء)

چیچک کا ٹیکہ

ڈاکٹر ڈریپر [۳۵] لکھتے ہیں کہ چیچک کا ٹیکہ مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ ۱۷۲۱ء میں وسطِ یورپ کی ایک لیڈی میری وارٹلی ماٹیگ قسطنطنیہ میں پہنچی، وہاں اسے ٹیکے کا طریقہ سیکھا۔ لیکن جب اپنے وطن میں واپس گئی۔ تو پادریوں نے اس کی سخت مخالفت کی۔

اسحاق بن حُنین (۹۱۱ء)

متعدد یونانی کتابوں کا مترجم اور چند طبی کتابوں کا مصنف بھی تھا۔ مثلاً

۱۔ کتاب الادویۃ المفردہ

۲۔ کتاب کناش الخف

۳۔ کتاب تاریخ الاطبا

ثابت بن قُرہ (۸۳۶۔۹۰۱ء)

حران (شام) میں پیدا ہوا۔ اور بغداد میں رہائش اختیار کر لی۔ اس کی طبی تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ کتاب فی النبض

۲۔ فی وجع المفاصل والنقرس

۳۔ کتاب فی البیاض الذی یظہر فی البدن

۴۔ کتاب فی اوجاع الکلٰی والمثانہ

القفطی نے تاریخ الحکما میں اس کی ایک سو چھ کتابوں کی فہرست دی ہے جن میں تیرہ طب پر ہیں۔

ابن سہل الطبری

خلیفہ متوکّل (۸۴۷۔۸۶۱ء) کا مصاحب اور تین طبی کتابوں کا مصنف:۔

۱۔ کتاب کناش الحضرۃ

۲۔ منافع الاطعمۃ والاشربۃ والعقاقیر

۳۔ کتاب تحفۃ الملوک

الفخر الرازی (۱۲۱۰ء)

عظیم مفسّر و فلسفی، جس نے ابن سینا پہ سخت تنقید کی۔ تاریخ الحکماء میں اس کی اکسٹھ تصانیف کے نام دیئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کچھ طب پر بھی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ الجامع الکبیر فی الطب

۲۔ کتاب النبض

۳۔ شرح کلیات القانون

مزید تفصیل کے لیے ابن ابی اُصیبعہ کی طبقات الاطبا اور حکمائے عالم (تاریخ الحکما کا اردو ترجمہ از ڈاکٹر برق) ملاحظہ فرمایئے۔

فلسفہ

اسلام کے عہد زرّیں میں اسلامی فلسفہ جہاں بھر میں پھیل گیا۔ اور اس قدر فلسفی پیدا ہوئے کہ انہیں گننا دشوار ہے۔ یہ فلسفی لایعنی مسائل پہ نہیں سوچتے تھے۔ بلکہ اس اساس و صداقت پہ بحث کرتے تھے۔ جس پر نظم کائنات قائم ہے اسلامی فلسفے کے موضوعات یہ تھے۔

۱۔ خدا و کائنات

۲۔صفاتِ الٰہیہ کی حقیقت

۳۔انسان مجبور ہے یا مختار؟

۴۔خیر و شر کی تشریح

۵۔لذّت و اَلم کی حقیقت

۶۔تلاشِ مسّرت

۷۔شخصیت پہ اَعمال کا اثر

۸۔حیات کی منزل

۹۔زمین راہگزرِ حیات ہے یا مسکن؟

۱۰۔تقدیر، رضا و تسلیم، کائنات کی خفیہ طاقتیں، اعمال و جزائے اعمال اقوام کی بقا و فنا، وحدتِ انسان۔وغیرہ

چند فلسفیوں کے نام یہ ہیں:

ابن طفیل، ابوبکر محمد بن عبدالملک بن محمد بن طفیل ۱۱۸۵ء

غرناطہ کے طبیب جو بعد میں وزارت کے منصب پہ فائز ہوئے۔ان کی تمام تصانیف پادریوں نے جلا دی تھیں۔صرف ایک فلسفیانہ ناول باقی رہ گیا ہے۔نام ہے۔حیّ بن یقظان۔یہ پہلی فلسفیانہ کتاب ہے۔جو داستان کی صورت میں لکھی گئی ہے۔اس کے دیباچے سے ابن طفیل نے تاریخ فلسفہ لکھنے کے بعد امام غزالی ابن سینا اور ابن ماجہ کی بہت تعریف کی ہے۔اور داستان میں یہ بتایا ہے کہ انسانی فکر کی منتہا، ذات خداوندی ہے۔اور حیات کی آخری منزل اللہ سے اتحاد ہے۔اس کتاب کو ۱۶۷۱ء میں ایڈورڈ پوکاک نے لاطینی میں منتقل کیا تھا۔اس کا ڈچ ترجمہ ۱۶۷۲ء میں روسی ترجمہ ۱۹۲۰ء میں اور ہسپانوی ترجمہ ۱۹۳۴ء میں نکلا۔

الکندی (۸۵۰ء) کی چند فلسفیانہ تصانیف کے نام یہ ہیں۔

۱۔کتاب الفلسفۃ الاولیٰ فی مادون الطبیعیات والتوحید

۲۔کتاب فی الفلسفۃ الداخلۃ

۳۔کتاب فی انَّ افعالَ الباری کُلّھا عدلٌ

۴۔رسالۃ فی ماہیۃ العقل

۵۔کتاب الحث علی تَعلُّم الفلسفۃ

۶۔فی ماہیۃ العلم واقسامہ

۷۔فی ماہیۃ الشیٔ الّذی لانہایۃ لہٗ

القفطی نے اس کی بیس فلسفیانہ کتابوں کے نام دیئے ہیں، اس کی متعدد تصانیف کا لاطینی ترجمہ جیرارڈ نے کیا تھا۔

فارابی (۹۵۱ء)

فلسفی بھی تھا۔ اور طبیب بھی، اس کی چند تصانیف کے لاطینی تراجم بھی ہوئے۔ اس کی بعض فلسفیانہ کتابوں کے نام یہ ہیں:۔

۱۔کتاب فی اغراضِ ارسطاطالیس

۲۔کتاب فی العقل

۳۔کتاب الواحد والوحدۃ

۴۔کتاب فی اسم الفلسفۃ

۵۔کتاب الرد علی الرازی

۶۔کتاب فی اتفاق آراء ارسطاطالیس وافلاطون

۷۔کتاب فی الفلسفۃ وسبب ظہورہا۔

تاریخ الحکما میں اس کی تہتر کتابوں کے نام دیئے ہوئے ہیں۔ جن میں سے تقریباً پچاس فلسفہ ومنطق پر ہیں۔

ابن سینا (۱۰۳۷ء)

اس حکیم کی چند فلسفیانہ کتابیں طلیطلہ کے بشپ ریمنڈ نے ۱۱۳۰۔۱۱۵۰ء کے درمیان لاطینی میں منتقل کرائی تھیں۔ بعض کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ کتاب البِرّ والاثم

۲۔ بعض الحکمۃ والشرقیہ

۳۔ رسالۃ القضاء والقدر

۴۔ اقسام الحکمۃ

۵۔ النہایۃ والانہایۃ

۶۔ کتاب فی انّ علم زید غیر علم عمرو

۷۔ کتاب عیون الحکمۃ

۸۔ کتاب الاشارات (منطق)

اثیر الدین مفضل بن عمر (۱۲۴۶ء)

اپنے وقت کے عظیم فلسفی تھے۔ ان کی تصانیف میں سے صرف دو کتابیں باقی رہ گئی ہیں:۔ اِیساغوجی اور ہدایۃ الحکمت۔ پہلی منطق پر ہے اور دوسری طبیعیات و الٰہیات وغیرہ سے بحث کرتی ہے۔

فخر الرازی (۱۲۱۰ء)

المعروف بہ ابن الخطیب، مُفسّر، طبیب، محاسب، فلسفی سب کچھ تھا۔ اس کی چند فلسفیانہ تصانیف کے نام یہ ہیں۔

۱۔ المباحث الشرقیۃ

۲۔ مباحث الوجود وَ العدم

۳۔ کتاب القضاءِ والقدر

۴۔ رسالۃ الحدوث

۵۔ تعجیز الفلاسفہ

۶۔ کتاب الخلق والبعث

لِسانُ الدین ابن الخطیب (۱۳۷۴ء)

غرناطہ کے ایک فاضل، جو ساٹھ کتابوں کے مصنف تھے۔ یہ کتابیں، تاریخ، جغرافیہ، ادب، فلسفہ، طب اور تصوّف پر تھیں۔ آج ان میں سے صرف آٹھ دس باقی رہ گئی ہیں۔ جن میں سے دو تاریخ کی ہیں اور باقی متفرق۔ فلسفہ کی کوئی کتاب باقی نہیں رہی۔

ابن الخمار بغدادی (ولادت ۹۴۳ء)

پورا نام حسن بن سوار بن بابا بن بہرام ابوالخیر۔ اس کی صرف دس کتابوں کے نام ملتے ہیں۔ جن میں سے آٹھ منطق پر ہیں اور دو یعنی کتاب الوفاق بین الفلاسفۃ و النصاریٰ اور سیرۃ الفیلسوف فلسفے پر ہیں۔

عیسیٰ بن زُرعہ بغدادی (۹۴۳۔۱۰۰۸ء)

فلسفہ ارسطو کا مترجم اور شارح تھا۔ اس کی دس کتابوں کے نام تذکروں میں ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک اخلاق پر، دو حیوانات پر اور باقی منطق و فلسفہ پہ ہیں۔ چند نام:

۱۔ کتاب فی العقل

۲۔ اختصار کتاب ارسطو فی المعمور من الارض

۳۔ کتاب سوفسطیقا لارسطو

۴۔ کتاب خمس مقالات من کتاب نیقو لاؤس فی فلسفہ ارسطو۔

ابوزکریا یحیٰی بن عدی بغدادی (۹۷۵ء)

فارابی کا شاگرد، تقریباً اسی کتابوں کا مصنف جن میں سے انچاس کے نام تاریخ الحکما میں دیے ہوئے ہیں۔ بیشتر منطق پر ہیں۔ اور یہ فلسفہ پر:۔

۱۔ کتاب نقضِ حجِ القائلین۔ بانّ الافعال خلق اللہ و اکتسابُ العبد

۲۔ مقالۃ فی انّ الافعال خلق اللہ

۳۔ مقالۃ فی ضلالۃِ من یعتقِدُ انَّ عِلمَ الباری بالامورِ الممکنۃ قبل وجودِہا

۴۔ رسالۃ کتبہا لابی بکر الآدمی العطّار

ابن تیمیہ، تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم (۱۲۶۳۔۱۳۲۷ء)

حران (شام) کے رہنے والے محدّث، مفسّر، فلسفی اور متکلم۔ پانچ سو کتابوں کے مصنف اور بدعت کے شدید دشمن تھے۔ ان کی تفسیر، البحرَ المُحیط پچاس جلدوں میں ہے۔ انہوں نے اٹھارہ برس کی عمر میں لکھنا شروع کیا تھا۔ وفات تک پانچ سو کتابیں لکھیں۔ جو دو۔ چار۔ سات۔ دس۔ بیس جلدوں میں ہیں۔ اور ایک پچاس جلدوں میں فہرست تصانیف میری کتاب۔ سیرت امام ابن تیمیہ" میں ملاحظہ فرمائیے۔

چند فلسفیانہ کتابوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ رسالۃ فی القضاء والقدر

۲۔ رسالۃ فی درجات الیقین

۳۔ الواسطۃ بین الخلق والحق

۴۔ رسالۃ فی الارادۃ والامر

۵۔ السیاسۃ الالٰہیۃ والآیات النبویہ

۶۔ المُنقِذ مُن الضّلال

۷۔ رسالۃ فی الاحتجاج بالقدر

۸۔ رسالۃ فی مراتب الارادۃ

۹۔ الکلام علی حقیقۃ الاسلام والایمان

ابوحیان التوحیدی (۱۰۱۰ء میں زندہ)

نیشاپور کے رہنے والے۔ بعد میں بغداد چلے گئے۔ یاقوت نے معجم الادباء میں ان کی سترہ

تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے الاشارات الالٰہیہ اور اخبارُ القدماء و ذخائرُ الحکماء فلسفے سے تعلق رکھتی ہیں۔

تفتازانی، علامہ سَعدُ الدین مسعود بن عمر (۱۳۲۲ـ۱۳۸۹ء)

اپنے دور کے فاضل اجل علم البیان والمعانی کے امام اور دیگر علوم رائجہ کے ماہر تھے۔ علامہ سیُوطی نے بُغیَۃُ الوُعاۃ الوعاۃ میں اور فصیحی نے مُجمل میں ان کی اٹھارہ کتابوں کے نام دیئے ہیں۔ جن میں سے صرف فضیحۃُ المُلحدین یک گونہ فلسفیانہ ہے۔ اس میں ابن العربی کے عقیدۂ وحدت الوجود کی تردید ہے۔

عمر خیام، ابوالفتح عمر بن ابراہیم (۱۰۳۸ـ۱۱۱۲ء)

خیام کی شہرت بحیثیت شاعر و ریاضی دان ہے۔ نظامی عروضی سمرقندی لکھتا ہے۔ کہ وہ اکیس کتابوں کے مصنف تھے۔ ان میں رسالۃ الوجود اور رسالۃ فی الکون والوجود، فلسفیانہ ہیں۔

شہرستانی، محمد بن عبدالکریم (۱۰۷۶ـ۱۱۵۳ء)

مشہور مؤرخ، فقیہہ اور متکلم تھے۔ فلسفہ پر ان کی دو کتابیں ملتی ہیں۔ مُصارعۃ الفلاسفہ، اور تاریخ الحکما، ان کی مشہور ترین کتاب المِلَل والنِّحل ہے۔ جس میں اسلامی فرقوں کا ذکر ہے۔

الغزالی، ابوحامد محمد بن محمد طوسی (۱۰۵۸ـ۱۱۱۱ء)

مشہور مفکّر جنہوں نے اپنی تصانیف میں صحیح اسلامی فلسفہ پیش کیا۔ اور تہافتہ الفلاسفہ، میں فلسفہ یونان کی تردید کی۔ ان کی پینتیس تصانیف ہند، ایران اور یورپ میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے کتب ذیل کا تعلق یا تو فلسفیانہ مسائل سے ہے۔ اور یا ان کا انداز فلسفیانہ ہے۔

۱۔ احیاء العلوم
۲۔ الحکمۃ فی مخلوقات اللہ
۳۔ مقاصد الفلاسفہ
۴۔ تہافتہ الفلاسفہ
۵۔ کیمیائے سعادت

چند دیگر تصانیف:۔

۱۔کتاب الوجیز
۲۔علم الاصول
۳۔معیار العلم
۴۔محک النظر
۵۔القسطاس المستقیم
۶۔رسالۃ القدسیہ
۷۔قواعد العقائد
۸۔مشکوٰۃ الانوار
۹۔جواہر القرآن
۱۰۔ایُّہا الوَلَد
۱۱۔مُکاشفۃ القلوب
۱۲۔میزان العمل

ریمنڈ مارٹن جو طلیطلہ کے سکول آف اورینٹل سٹڈیز کا فارغ التحصیل تھا۔ اپنی تصانیف میں غزالی کا بار بار حوالہ دیتا ہے اور اپنی ایک کتاب Pugio Fidei میں تہافۃ الفلاسفہ [۳۶] کا خلاصہ بھی پیش کیا ہے۔ الفریڈ گیلام [۳۷] لکھتا ہے۔

''الغزالی نے یورپ کو بے حد متاثر کیا، وہ ایک عظیم فلسفی متکلم، محدث اور صوفی تھا۔۔۔۔ اس کی منطقی۔ طبیعی اور مابعد الطبیعی تصانیف بارہویں صدی میں طلیطلہ کے مترجمین کی وساطت سے یورپ میں پھیلیں گو غزالی کے مابعد الطبیعی فلسفے کی گرفت اوس بران [۳۸] کے فلسفے سے کم تھی تاہم یہ فلسفہ دماغوں پہ چھا گیا۔ یہاں تک کہ بعد میں ابن رشد اور سینٹ تھامس کے فلسفے نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔

السہروردی شہاب الدین یحیٰی بن خباش (۱۱۵۳۔۱۱۹۱ء)

یہ فلسفہ میں سینا و ارسطو کے متبع تھے۔ انہوں نے فلسفہ، مذہب اور تصوّف کو ملا کر اک نیا نظام مذہب و اخلاق پیش کیا۔ جو فلسفہ اشراق کے نام سے مشہور ہے اور جس کی پوری تفصیل ان کی کتاب حکمۃ الاشراق میں ملتی ہے۔

نصیر الدین ابو جعفر محمد بن محمد بن حسن طُوسی (۱۲۰۱۔۱۲۷۴ء)

ہلاکو خان کے وزیر تھے۔ فلسفہ، منطق اور دیگر علوم میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ انہوں نے سینا

کی کتاب الاشارات کی شرح لکھی۔ جس میں فخر الرازی کی مخالفت اور سینا کی حمایت کی۔ اَلمجسطی، کا عربی میں ترجمہ کیا۔ عربی کی ایک کتاب ''الطہارۃ فی الحکمۃ'' کو فارسی میں منتقل کیا۔ اور اس کا نام اَخلاقِ ناصری رکھا۔ اس میں فلسفہ اخلاق پر تفصیلی بحث ہے۔

علامہ محمد بن اسعد جلال الدین دوّانی (۱۴۲۷۔۱۵۰۱ء)

ان کی شہرت فلسفہ و منطق میں تھی۔ ان کی چند تصانیف کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حاشیہ تہذیب المنطق والکلام

۲۔ رسالۃ الزوراء

۳۔ اثباتِ واجب

۴۔ حاشیہ شمسیہ

۵۔ انوارِ شافعیہ

۶۔ شرحِ عقائد

۷۔ اخلاقِ جلالی (فلسفۂ اخلاق پر شہرۂ آفاق کتاب جس کے کئی تراجم یورپی زبانوں میں ہو چکے ہیں)

موسیٰ بن میمون اندلسی (۱۲۰۴ء)

سپین کا ایک اسرائیلی۔ جس نے ایک کے سوا باقی تمام کتابیں عربی میں لکھیں تقریباً سب کی سب عبرانی و لاطینی میں ترجمہ ہوئیں۔ اس کے فلسفیانہ افکار سے اسپنوز (۱۶۷۷ء) اور کانٹ (۱۸۰۴ء) بھی متاثر ہوئے۔ اس کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ شرح تلموز (تلموذ تورات کی شرح ہے)

۲۔ اِبطال المعاد (حیاتِ بعد الموت کا انکار)

۳۔ مختصر (جالینوس کی اکیس کتابوں کا اِختصار)

۴۔ تہذیب کتاب الاستکمال لابن افلح الاندلسی (ہیئت)

۵۔تہذیب کتاب الاستکمال لابنِ ہُود (ریاضی)

ابنِ رُشد، ابوالولید محمد بن احمد بن محمد (۱۱۲۶۔۱۱۹۸ء)

سپین کا فلسفی اعظم جس کی تصانیف چھ سو برس تک یورپی درس گاہوں میں نصاب رہیں۔ ان کتابوں میں سے چند ایک یورپ میں تو ہیں۔لیکن اسلامی ممالک میں کوئی نہیں۔صرف چند نام رہ گئے ہیں۔مثلاً:۔

۱۔تہافتہ التہافتہ	(غزالی کی کتاب تہافہ کا جواب)	
۲۔کشف المناہج	(فلسفہ)	
۳۔فصل المقال فی موافقتہ الحکمۃ والشریعہ	(فلسفہ)	
۴۔ہدایۃ المجتہد	(فقہ)	
۵۔کُلّیات		(طب)
۶۔ارسطو کی	پوئے ٹکس	(کتاب الشعر) کی شرح
۷۔ارسطو کی	ری ٹارکس	(خطابت) کی شرح
۸۔افلاطون کی	ری پبلک	(جمہوریت) کی شرح

ابنِ رُشد، مذہب، کائنات، روح، بقائے روح، آخرت اور دیگر مسائل پر عام علما سے اختلاف رکھتا تھا، اٹلی کے مشہور فلسفی، پادری طامس ایکوناس نے اپنی کتاب سمہ میں ابنِ رُشد کی تردید کی ہے۔لیکن راجر بیکن اسے ارسطو اور سینا کے بعد کائنات کا تیسرا بڑا فلسفی قرار دیتا ہے۔ پیرس کی یونیورسٹی اپنے فارغ التحصیل طلبہ سے حلف لیا کرتی تھی۔ کہ وہ ارسطو کی صرف وہ شرحیں پڑھائیں گے۔ جو ابنِ رُشد کی تیار کردہ ہیں۔ابنِ رُشد نے کتب ارسطو پر تین قسم کی کتابیں لکھی تھیں۔

۱۔ ہر کتاب کا خلاصہ

۲۔ ہر کتاب کی مختصر شرح درمیانی طلبہ کے لیے

۳۔ ہر کتاب کی مفصل شرح انتہائی طلبہ کے لیے

موسیٰ بن میمون (۱۲۰۴ء) ابن رشد کی تصانیف کی شرحیں لکھا کرتا تھا۔ یہود[۳۹] کی دینی

مجلس کو یہ بات ناگوار گزری۔ اوراس کی تمام کتابیں جلا دیں۔ ہسپانیوں کا فرانسسکن [۱] فرقہ ابنِ رُشد کے فلسفے کا مُبلّغ تھا۔ ۱۲۲۴ء میں فریڈرک دوم (۱۲۵۰ء) نے ارسطو اور ابنِ رُشد کی تصانیف کو نیپلز یونیورسٹی میں بطور نصاب رائج کیا۔ نیز ان کے لاطینی تراجم بولون (فرانس) یونیورسٹی کو بھیجے۔ ۱۴۷۳ء میں لوئیس یازدہم (۱۴۸۳ء) نے حکم دیا [۲] کہ فرانس کی تمام درسگاہوں میں ابنِ رُشد کی وہ کتابیں پڑھائی جائیں۔ جن کا تعلق ارسطو سے ہے۔

فریڈرک دوم بڑا ہی علم دوست تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ سپین میں ایک یہودی گھرانہ علم و فضل میں بڑی شہرت رکھتا ہے۔ تو اسے جرمنی بلا لیا۔ ان میں سے ایک یہود بن سلیمان نے طلبُ الحِکمۃ لکھی جو ابنِ رُشد کے افکار کا آئینہ تھی۔ اسی گھرانے کے ایک اور عالم یعقوب بن مَریم نے فریڈرک کے حکم سے ابنِ رُشد کی کئی تصانیف کا ترجمہ کیا۔ اسی دور کال وِن یم (پ ۱۲۸۷ء) نے اس کی چند تصانیف عبرانی میں منتقل کیں۔ اُسی دَور کے ایک یہودی لاوِی بن حَرشون نے اس کی بعض کتابوں کی شرحیں لکھیں۔ ۱۳۲۸ء میں کسی نے اس کی تہافہ کا لاطینی ترجمہ کیا۔ اور فریڈرک دوم کے دوست اور درباری مائیکل سکاٹ نے اس کی متعدد کتابوں کی شرحیں لکھیں نیز تراجم کیے۔ اس کی کتاب [۳] فصل المقال کا فرانسی ترجمہ ایل۔ گیتھیر نے شائع کیا تھا۔ طلیطلہ کا ریمنڈ مارٹن [۴] اپنی تصانیف میں غزالی وابن رشد کے عربی اقتباسات بکثرت پیش کرتا ہے۔

مؤرخین یورپ اس امر پر متّفق ہیں۔ کہ اس فلسفی نے اہل یورپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ اس کی تصانیف چھ سو برس تک یورپی درسگاہوں میں نصاب رہیں۔ اور آج بھی فلسفہ، یورپ کی ذہنی بیداری اور حیاتِ ثانیہ کی تمام تواریخ ابنِ رُشد کے ذکر سے لبریز ہیں۔

فلسفیانِ اسلام کی فہرست اس قدر طویل ہے۔ کہ اسے قلم بند کرنے کے لیے کئی برس چاہئیں۔ ایک مصری عالم محمد لطفی نے ''فلاسفۃ الاسلام'' کے نام سے سوا تین سو صفحات کی ایک کتاب لکھی ہے۔ لیکن وہ بہت مختصر ہے۔ لاہور کے ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کے ڈائریکٹر پروفیسر ایم۔ اے شریف فلسفۂ اسلام کی تاریخ گزشتہ کئی برس سے قلم بند کر رہے ہیں۔ آج سے کئی برس پہلے (۱۹۶۰ء) مجھے اس تاریخ کا نامکمل مسودہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہ تاریخ کئی جلدوں میں شائع ہوگی۔

ریاضی

ڈاکٹر ڈریپر لکھتے ہیں:

''الجبرا[۴] کے لیے ہم عربوں کے ممنون ہیں۔ ریاضی کی اس شاخ کا نام
تک انہی کا رکھا ہوا ہے۔ اس فن کے جو بچے کھچے اجزا دارالعلم اسکندریہ
سے ان تک پہنچے تھے۔ ان میں انہوں نے ان معلومات کا اضافہ کیا۔ جو
ہندوستان سے حاصل کی تھیں۔ اور ترتیب و تنقیح کے بعد اس اصلاح یافتہ
مجموعے کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے مدوّن کیا۔ تیرھویں صدی میں
عربوں کا یہ فن اٹلی میں پہنچا۔۔۔۔۔''

''کلیسا[۵] نے بارہ سو برس کی آمرانہ حکومت میں ایک بھی ریاضی دان پیدا
نہیں کیا۔''

عرب جیومیٹری اور ٹرگ نومیٹری کے موجد تھے۔ یونانیوں کی ریاضی انہی کی معرفت یورپ تک پہنچی۔ مسلم ریاضی دانوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے۔ کہ پوری فہرست شاید چار سو صفحات کی کتاب میں بھی نہ سما سکے۔ یہاں چند مشہور علمائے ریاضی (محاسبین) کا ذکر کیا جاتا ہے۔

عمر خیام (۱۰۳۸۔۱۱۱۲ء)

ول ڈیوران[۶] لکھتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں عمر خیام سے بڑا ریاضی دان موجود نہیں تھا۔ اس کا الجبرا جس کا فرانسیسی ترجمہ ۱۸۵۱ء میں F. Woepokes نے کیا تھا، یونانیوں نیز الخوارزمی کی سطح سے بلند تر تھا۔ ریاضی پہ اس کی تمام تحریرات ضائع ہو گئی ہیں صرف چند اجزا یورپ کے علمی خزائن میں باقی ہیں۔

خوارزمی، ابوعبداللہ محمد بن موسیٰ (۸۴۴ء)

عہد مامون کا منجم و محاسب (ریاضی دان) جس کی کتاب الجبر والمقابلہ کا لاطینی ترجمہ اٹلی کے ایک ریاضی دان لیونارڈ فیبو ناچی نیز جیرارڈ نے کیا تھا۔ اس کا انگریزی ترجمہ ایف روزن نے

۱۸۳۱ء میں کیا۔ یہ کتاب ایک ہزار سال تک یورپ کی درسگاہوں میں بطورِ نصاب رائج رہی۔ یورپ میں ریاضی کا پہلا رسالہ ۱۴۹۴ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں صرف لیونارڈ فیبو ناچی (۱۲۲۲ء میں زندہ) کا کچھ ترجمہ تھا۔ وبس۔

ثابت بن قرّہ (۸۳۶۔۹۰۱ء)

ثابت نے ہر فن پہ کتابیں لکھیں۔ ریاضی پہ اس کی تصانیف کے نام یہ ہیں۔

۱۔ کتاب فی ان الخطین المستقمین اذا خرجا علیٰ اقل من زوایتین قائمتین التقیا فی جھة خروجھا۔

۲۔ کتاب فی استخراج مسائل الہندسیۃ

۳۔ فی مساحۃ الاشکال المسطحہ

۴۔ کتابہ فی الاعداد

۵۔ کتاب فی عمل شکل مجسم ذی اربع عشرۃ قاعدۃ

۶۔ کتاب فی مساحۃ الاجسام المتکافئۃ

۷۔ کتاب فی قطع المخروط

۸۔ اقلیدس کے دو مقالوں کی شرح

اس کے بعد تصانیف جیرارڈ نے لاطینی میں منتقل کیں۔

ابوالوفا محمد بن یحییٰ البُوزجانی (۹۴۰۔۹۹۹ء)

بوزجان، نیشاپور کا ایک قصبہ ہے۔ جہاں یہ حکیم ۹۴۰ء میں پیدا ہوا تھا۔ ریاضی میں کمال حاصل کرنے کے بعد یہ مختلف درسگاہوں میں مُعلّم رہا۔ اور بغداد میں فوت ہوا۔ اس کی کتب ریاضی کی فہرست یہ ہے:

۱۔ کتابُ المنازل فی الحساب

۲۔ تفسیرُ الخوارزمی فی الجبر والمقابلہ

۳۔ تفسیرُ کتاب دیوفنطس فی الجبر

۴۔ تفسیر کتاب ابرخس فی الجبر

۵۔ المدخل الیٰ الا ثماطیقی

۶۔ کتاب فی ماینبغی ان یحفظ قبل کتاب الارثماطیقی

۷۔ البراہین علی القضایا فیما استعملہ دیوفنطس

۸۔ کتاب استخراج مبلغ المکعب

۹۔ کتاب الکامل

۱۰۔ کتاب العمل بالجدول الستینی

اس کی تصانیف آٹھ صدیوں تک یورپ کی درسگاہوں میں استعمال ہوتی رہیں۔

پیرس [۱۲] کی یونیورسٹی میں ابوالوفا کے علم اور بعض نظریات پر ۱۸۳۶ء سے ۱۸۷۱ء تک بحث ہوتی رہی۔ جس میں پروفیسر بیاٹ (Biot) اراگو (Arago) اور جوزف برٹ رنڈ جیسے فضلائے حصہ لیا تھا۔

نصیرالدین محقق طوسی (۱۲۰۱۔۱۲۷۴ء)

اس نے حساب [۱۳] اور جیومیٹری کے متعلق اسلاف کی سولہ کتابوں پہ حواشی لکھے۔ ان میں سے چار عربوں کی تھیں۔

احمد بن محمد بن مروان بن الطیب السّرخسی (۹۰۰ء)

خلیفہ مُعتضد (۸۹۲۔۹۰۲ء) کا درباری تھا۔ اس کی چوبیس کتابوں کے نام تاریخ الحکما میں دیئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب الارثماطیقی والجبر والمقابلہ ریاضی پر ہے۔

احمد بن عمر الکرابیسی

اس کی صرف پانچ کتابوں کے نام باقی رہ گئے ہیں۔ ایک (کتاب الوصایا) کے سوا باقی چار حساب پہ ہیں۔

۱۔ شرح اقلیدس ۲۔ کتاب الحساب الہندی

۳۔ کتاب مساحۃ الحلقۃ

۴۔ کتاب مساحۃِ الدّور

ابنُ الہَیثَم (۱۰۳۹ء)

یہ ہرفن مولیٰ تھا۔ ریاضی پر اس کی تصانیف یہ ہیں:

۱۔ مصادرات اقلیدس

۲۔ الشکوک علیٰ اقلیدس

۳۔ مساحۃ الجسم المتکافی

۴۔ العدد والجسم

۵۔ قسمۃ الخط الذی استملہ ارشمیدس فی الکرۃ

۶۔ استخراج مسئلۃ عددیۃ

۷۔ مقدمۃ ضلع المسبع

۸۔ تربیع الدائرہ

۹۔ اصول المساحۃ

۱۰۔ اعداد الوفق

۱۱۔ مسئلۃ فی المساحۃ

۱۲۔ اعملۃ المثلثات

۱۳۔ عمل المسبع فی الدائرہ

۱۴۔ حل شک من الجسم

۱۵۔ حل شک من اقلیدس

۱۶۔ استخراج الضلع المکعب

۱۷۔ علل الحساب الھندی

۱۸۔ خطوط الساعات

۱۹۔ الکرۃ اوسع اشکال المجسمۃ

۲۰۔ مساحۃ الکرۃ

۲۱۔ حساب المعاملات

۲۲۔ مسئلۃ ہندسیۃ

۲۳۔ شرح قانون اقلیدس

۲۴۔ استخراج خط نصف النھار بظل واحد

۲۵۔ برکار الدوائر العظام

۲۶۔ جمع الاجزا

۲۷۔ قسمۃ المقدارین

۲۸۔ التحلیل والترکیب

۲۹۔ شکل بنی موسیٰ

۳۰۔ استخراج اربعۃ خطوط

۳۱۔ سمت القبلۃ بالحساب

۳۲۔ ارتفاع القطر

۳۳۔ تعلیق فی الجبر

حَبَش الحساسب

مَروکا رہنے والا۔ بغداد میں رہائش اختیار کی۔ مامون و معتصم کا زمانہ دیکھا۔ بحیثیت منجم شہرت پائی۔ اور ایک کتاب، کتاب الدوائر ریاضی پر لکھی۔

سَموَل بن یہودا اُندلسی (۱۱۷۵ء)

ریاضی پر اس کی دو کتابوں کے نام ملتے ہیں۔

۱۔ کتاب المثلث القائم الزاویہ

۲۔ منیر فی مساحۃ اجسام الجواہر

عباس بن سعید الجوہری

مامون (۸۱۳۔۸۳۳ء) کا درباری عالم جس نے ریاضی پہ دو کتابیں لکھیں۔

۱۔ کتاب تفسیر اقلیدس

۲۔ کتاب الاشکال التی فی المقالہ الاولیٰ من کتاب اقلیدس

ابوالفضل ابومحمد عبدالحمید بن واسع الجیلی

گیلان کا ایک فاضل جس نے حساب پہ دو کتابیں چھوڑیں۔

۱۔ کتاب الجامع فی الحساب

۲۔ کتاب نوادر الحساب وخواص الاعداد

علی بن احمد العمرانی الموصَلی

موصل کا یہ عالم شرح کتاب الجبر والمقابلہ لابی کامل المصری کا مصنف تھا۔

ابوالقاسم علی بن احمد الانطا کی (۹۸۷ء)

انطا کیہ کو چھوڑ کر بغداد میں آ گیا۔ اور عضد الدولہ دیلمی (۹۸۲ء) کا مصاحب بن گیا۔ اس کی تمام تصانیف ریاضی پہ تھیں۔ چھ کے نام یہ ہیں۔

۱۔ کتاب التخت الکبیر فی الحساب الہندی

۲۔ کتاب الحساب علی التخت بلا محو

۳۔ تفسیر الارثماطیقی

۴۔ شرح اقلیدس

۵۔ الموازین العددیہ

۶۔ کتاب الحساب بلا تخت

ابو بکر رازی (۹۲۵ء)

رازی نے بھی ریاضی پہ کچھ کتابیں لکھی تھیں۔ مثلاً

۱۔ کتاب فی قطر المربع

۲۔ رسالۃ فی الجبر

محمد بن لرۃ الاصفہانی

اپنے عہد کا مشہور ریاضی دان تھا۔ اس کی کتاب الجامع فی الحساب کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔

موسیٰ بن شاکر

عہدِ مامون کا منجم و ریاضی دان تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ محمد۔ احمد اور حسن۔ یہ تینوں ہیئت۔ موسیقی۔ حساب وغیرہ میں ماہر تھے۔ تذکرہ نگار ''ابناء موسیٰ'' کے تحت ان تینوں کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ محمد سب سے بڑا تھا۔ اس کی وفات ۸۷۳ء میں ہوئی تھی۔ باقی بھائیوں اور ان کے والد کی تاریخ وفات کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

ان بھائیوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ القفطی نے تاریخ الحکما میں دس کتابوں کے نام دیئے ہیں۔ ان میں چار ایسی ہیں۔ جن کے سامنے مصنف کا نام درج نہیں۔ اور جب تک اصل کتاب سامنے نہ آئے مصنف کا پتہ نہیں چل سکتا۔ اس فہرست میں تین ریاضی پہ ہیں۔

۱۔ کتاب الشکل المدور المستطیل ۔ حسن بن موسیٰ

۲۔ کتاب الشکل الہندسی

۳۔ کتاب مساحۃ الکرۃ وقسمۃ الزاویۃ بہ ثلثۃ اقسام تساویۃ

دوسری اور تیسری کتاب کے مصنف کا نام درج نہیں۔

ابوسہل وریجن بن رستم الکوہی (۹۸۹ء میں زندہ)

دیلمیوں کا درباری منجم جس نے بغداد میں ایک رصدگاہ بنائی تھی۔ یہ اس زمانے میں سب سے بڑا محاسب و منجم تھا۔ اس کی نو تصانیف کے نام ملتے ہیں۔ جن میں سے ایک ہیئت پر اور باقی ریاضی پر ہیں۔

۱۔ کتاب مراکز الاکر

۲۔ کتاب الاصول علیٰ تحریکات اقلیدس

۳۔ کتاب البرکار التام

۴۔ کتاب مراکز الدوائر

۵۔ کتاب اخراج الخطّین علیٰ نسبۃ

۶۔ کتاب الدوائر المتماسۃ

۷۔ کتاب استخراج ضلع المسبع

۸۔ کتاب الزیادات علی ارشمیدس

۹۔ کتاب صنعۃ الاصطراب

صرف آخری کتاب ہیئت پر ہے اور باقی تمام ریاضی پر۔

الکِندی (۸۵۰ء)

الکندی نے ریاضی پہ ۳۳ کتابیں لکھی تھیں۔ ان میں سے گیارہ حساب پر اور بائیس جیومیٹری پہ ہیں۔ مکمل فہرست کشف الظنون یا القفطی میں دیکھیے۔ چند نام یہ ہیں۔

۱۔رسالۃ فی الحساب الہندی

۲۔رسالۃ فی الکمیۃ المضافۃ

۳۔رسالۃ فی الحیل العددیۃ

۴۔کتاب فی تالیف الاعداد

۵۔رسالۃ فی المدخل الی الارثماطیقی

۶۔کتاب اغراض کتاب اقلیدس

۷۔کتاب فی وتر الدائرہ

۸۔کتاب فی تقریب وتر السبع

۹۔کتاب تقسیم المثلث والمربع

۱۰۔کتاب قسمۃ الدائرہ بثلثۃ اقسام

سینا (۱۰۳۷ء)

بوعلی سینا کی بھی ایک کتاب ریاضی پر بھی موجود ہے۔نام ہے: مختصر اقلیدس

ہمارے ریاضی دانوں نے قرونِ وسطیٰ کو کیا کچھ دیا۔اس کی تفصیل میراثِ اسلام (آرنلڈ) کے آخری باب ''ریاضی وہیئت'' میں ملاحظہ فرمایئے۔

علم ہیئت

قرونِ وسطیٰ کے عرب حکما و علما کو شمار کرنا مشکل ہے۔القفطی نے چار سو گیارہ، ابن ابی اُصیبعہ نے چھ سو، اور ابن خلکان نے آٹھ سو پینسٹھ علما و مشاہیر کا ذکر کیا ہے۔آج سے سات سو برس پہلے کمال الدین عبدالرزاق ابن الفوطی (۱۳۲۷ء) نے مسلم مشاہیر کا ایک معجم پچاس جلدوں میں تیار کیا تھا۔نام تھا: ''مجمع الآداب فی معجم الالقاب'' اس کی ایک جلد میرے پاس بھی موجود ہے۔یہ ۷۴۳ صفحات پہ مشتمل ہے۔اس میں پچپن ''کافی'' پچپن ''الکامل'' ستر ''الکریم'' اڑتیس ''کاظم، کاتب'' وغیرہ اور چار سو چونتیس ''کمال الدین'' ہیں۔میزان ۶۴۷۔اس زمانے میں علم ہیئت،

نصاب تعلیم کا حصہ تھا۔ اور اس لیے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ کہ اس عہد کا ہر عالم ہیئت دان بھی تھا۔ صفحات گزشتہ میں جتنے علما کا ذکر آیا ہے۔ وہ سب کے سب ہیئت دان تھے۔ اور تقریباً ہر مصنف نے ہیئت پہ کوئی نہ کوئی کتاب لکھی تھی۔ یورپ کے ایک فاضل کرلونلینو نے عرب ہیئت دانوں کے حالات چار جلدوں میں لکھے تھے۔ جس کا ترجمہ ''علم الفلک عند العرب فی القرون الوسطیٰ'' کے عنوان سے ایک مصری نے کیا ہے۔ موضوع اتنا وسیع ہو۔ تو اختصار و اشارات کے سوا چارہ نہیں ہے۔

عربوں نے پہلا کام یہ کیا کہ یونانیوں کا سارا علم ہیئت عربی میں منتقل کیا۔ اس کے بعد جا بجا رصد گاہیں بنائیں۔ طویل مشاہدے کیے۔ ستاروں کی فہرستیں تیار کیں۔ ان کے نام تجویز کیے۔ ان کی رفتار کا اندازہ لگایا آفتاب و ماہتاب کی روشنی۔ حرکت۔ زمین سے دوری وغیرہ پر روشنی ڈالی۔ سال و ماہ کی مدت معین کی۔ کسوف وخسوف کے اسباب بتائے۔ زرقیال (۱۰۸۰ء) نے اعلان کیا۔ کہ سیاروں کے مدار بیضوی ہیں۔ یعنی وہ حرکت کرتے وقت انڈے کی شکل کا دائرہ بناتے ہیں۔ علی بن یونس مصری (۱۰۰۹ء) نے وقت کی پیائش کے لیے پنڈولم سے کام لیا۔ عمر خیام[۹] (۱۱۱۲ء) نے ۱۰۷۴ء میں ایران کے کیلنڈر میں ایسی اصلاح کی۔ کہ وہ دنیا بھر کے کیلنڈروں سے بہتر بن گیا۔ عیسوی کیلنڈر میں تین ہزار تین سوتیس سال کے بعد ایک دن کا فرق پڑتا ہے اور خیام کے کیلنڈر میں ایک دن کا فرق تین ہزار سات سو ستر برس کے بعد ہوتا ہے۔ خیام جوتشی بھی تھا۔ ایک مرتبہ سلجوقی سلطان ملک شاہ دوم (۱۱۰۴ء) نے اسے کہا۔ کہ میں شکار کے لیے جنگل میں جانا چاہتا ہوں۔ کوئی ایسا ہفتہ انتخاب کرو کہ اس میں باد و باراں کا اندیشہ نہ ہو۔ خیام نے زائچہ بنا کر ایک ہفتہ منتخب کیا۔ جب شاہی سواری زد تین فرسنگ کا فاصلہ طے کر چکی۔ تو یک دم مغرب سے آندھی اٹھی۔ اور بادل گرجنے لگے۔ ملک شاہ نے عمر خیام سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کہا۔ ظلِ الٰہی! فکر نہ کیجیے۔ یہ سب کچھ نیم ساعت میں ختم ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد سات دن تک آسمان صاف رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ابوالعباس احمد بن محمد فرغانی

عہدِ مامون کا ایک منجم جس نے ہیئت پہ کئی کتابیں لکھی تھیں۔ مثلاً

۱۔ اصول علم النجوم

۲۔ جوامع علم النجوم

۳۔ المدخل الی علم ہیئت الافلاک

۴۔ کتاب الفصول الثلاثین

اس کی المدخل کا لاطینی ترجمہ جیرارڈ نے کیا تھا جو ۱۵۳۷ء میں طبع ہوا۔

محمد بن موسیٰ خوارزمی (۸۴۴ء)

اس کی تین کتابیں ہیئت پر بھی ہیں:۔

۱۔ کتاب الزیج الاول

۲۔ کتاب الزیج الثانی

۳۔ کتاب العمل بالاصطرلاب

ان میں سے ایک کتاب ایڈلرڈ آف باتھ نے لاطینی ؎ میں منتقل کی تھی۔

ماشاءاللہ (۸۱۵ء)

عہد مامون کا ایک منجم جس نے ہیئت پہ دو کتابیں لکھیں:

۱۔ کتاب صنعۃ الاصطرلاب والعمل بہا

۲۔ کتاب فی مشہوردات الکواکب

ان کا لاطینی ؎ ترجمہ جوہانس ڈی لیونو نے کیا تھا۔

ابومعشر جعفر بن محمد بن عمر البلخی (۸۸۶ء)

خلیفہ معتمد (۸۷۰۔۸۹۲ء) کے بھائی مُوفق کا منجم۔ جس نے ہیئت پر دو درجن کے قریب کتابیں لکھیں تھیں۔ چند نام یہ ہیں:

۱۔زیج الکبیر	۲۔زیج الصغیر
۳۔المدخل الکبیر	۴۔کتاب القرانات
۵۔المدخل الصغیر	۶۔زیج الهز ارات
۷۔کتاب ہیئت الفلک	۸۔کتاب اثبات علم النجوم
۹۔زیج القرانات	۱۰۔کتاب الاختیارات علیٰ منازل القمر

اس کی چار کتابیں [۲] ایڈلرڈ اور جوہانس ڈی لیو نے نے لاطینی میں منتقل کیں۔

البتانی، محمد بن جابر بن سنان الحرّانی (۹۲۹ء)

اس نے بیالیس برس تک آسمانی مشاہدات کیے اور پھر کئی کتابیں لکھیں۔ جن میں سے چار یہ ہیں۔

۱۔کتاب الزیج	۲۔مطالع البروج
۳۔شرح الاربعہ لبطلی موس	۴۔اقدار الاتصالات

نلینو [۳] نے اس کی کتاب الزیج کا لاطینی ترجمہ معہ متن ایڈٹ کرکے ۱۹۰۳ء میں شائع کیا۔ اس کی ایک کتاب کا ترجمہ پلیٹو آف تو الی نے کیا۔ راجیومان طنس (Ragiomontanus) نے البتانی کی الواح کی مدد سے وہ نقشہ ہائے ہیئت تیار کیے۔ جن کے سہارے کولمبس امریکہ تک پہنچا۔

زرقالی، ابو اسحاق، ابراہیم ابو یحییٰ علی (۱۰۸۷ء)

سپین کا ایک منجم جو ایک خاص قسم کے اصطرلاب کا موجد تھا۔ جس کا نام صفیحہ تھا۔ اس پر ایک کتاب بھی لکھی۔ جس کا لاطینی ترجمہ [۴] ایک یہودی نے کیا اور ہسپانوی ترجمہ سپین کے بادشاہ الفونسو دہم (۱۲۵۲۔۱۲۸۴ء) نے پندرھویں صدی میں ایک یورپی منجم Ragiomontanus ''صفیحہ'' پر ایک مستقل کتاب لکھی۔ کاپرنیکی (پ ۱۴۷۳ء) اپنی کتابوں میں زرقالی کا بار بار حوالہ دیتا ہے۔

ابو اسحاق بطرُوجی

غرناطہ کے مشہور حکیم ابن طفیل (۱۱۸۵ء) کا شاگرد جس کی کتاب الہیۃ کا عبرانی ۵۵ف ترجمہ موسیٰ بن طبن اور لاطینی ترجمہ کیلونیمس نے کیا تھا۔

نصیر الدین طوسی (۱۲۷۴ء)

نے مراغہ میں ایک رصدگاہ بنائی تھی۔ جو ایل خانی رصدگاہ کے نام سے مشہور ہوئی اس نے طویل مشاہدات کے بعد ایک زیج تیار کی۔ جو یورپ میں بہت مقبول ہوئی۔

اُلغ بیگ (۱۴۴۹ء)

تیمور کا پوتا جس نے سمرقند میں ایک رصدگاہ بنوائی۔ اور ۱۴۳۷ء میں چند ہیئت دانوں کو مشاہدۂ فلک پہ مامور کیا۔ ان لوگوں نے ستاروں کی الواح (نقشے۔ چارٹ) تیار کیں۔ جو الواحِ الغ بیگ کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۶۵۰ء میں جے گریوز اور ٹی۔ ہائیڈ نے ان الواح کو ایڈٹ کیا اور پھر لاطینی ترجمہ سمیت لنڈن سے شائع کیا۔ ۱۸۴۶ء میں موسیو سیدی لاط (Sedillot) نے ان الواح کا دیباچہ فرانسی میں ترجمہ کیا۔

ابراہیم بن حبیب الفزاری

اس نے پہلی مرتبہ اُصطرلاب کا استعمال کیا تھا۔ اس کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

۱۔ کتاب الزیج
۲۔ العمل بالاصطرِلاب ذوات الحلق
۳۔ العمل بالاصطرلاب المسطح
۴۔ القصیدۃ فی علم النجوم

ابن الہیثم (۱۰۳۹ء)

کی تصانیف:

۱۔ صورۃ الکسوف
۲۔ اختلاف منظرِ القمر
۳۔ رویۃ الکواکب
۴۔ الشکوک علیٰ بطلی موس

۵۔ضَوالقمر
۶۔ارتفاعات الکواکب
۷۔کتاب البرہان علیٰ مایراہٗ الفلکیُون فی احکام النجوم

جبش الحاسِب المروَزِی

کی تصانیف:

۱۔زیج المعروف بالممتحن
۲۔الزیج الصغیر
۳۔العمل بالاصطرلاب
۴۔الزیج الدمشقی
۵۔الزیج الماموئی

سنان بن ثابر آقُرہ (۹۴۳ء)

خلیفہ القاہر کا درباری طبیب، جس نے مختلف عنوانات پہ اٹھارہ کتابیں لکھیں۔ان میں سے دو نجوم پر ہیں۔

۱۔رسالۃ فی النجوم
۲۔رسالۃ فی قسمۃ ایام الجمعۃ علی الکواکب السبعۃ

عبداللہ بن اماجور القاسم الہروی

ہرات کا منجم جس نے ہیئت پہ چھ تصانیف چھوڑیں۔

۱۔الزیج،الخالص
۲۔الزیج۔المزنرہ
۳۔الزیج البدیع
۴۔زیج السندہند
۵۔زیج الہرات
۶۔زیج المریخ

عبیداللہ بن الحسن ابوالقاسم،غلام زُحل (۹۸۴ء)

بغداد کا محاسب و منجم جس نے ہیئت پر احکام النجوم کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تھی۔

ابوالحسین عبدالرحمان بن عمر بن محمد بن سَہل الصّوفی الرازی (۹۸۷ء)

رَے کا رہنے والا اور عضد الدولہ دیلمی (۹۴۹۔۹۸۲ء) کا ندیم ومشیر ان کتابوں کا مصنف تھا۔

۱۔الکواکبُ الثابِتہ
۲۔اَلا رجوزۃُ فی الکواکب الثابتہ
۳۔کتابُ التذکرۃِ ومطارِحِ الشّعاع

الفضل بن حاتم النیریزی

ایران کے ایک شہر نیریز کا رہنے والا جس نے کتب ذیل ہیئت پہ لکھیں۔

۱۔الزیج الکبیر
۲۔الزیج الصغیر

ابو سہل، الفضل بن نوبخت

ہارون کا درباری حکیم جو فارسی کتب کو عربی میں منتقل کیا کرتا تھا۔ نجوم پر اس کی تصانیف یہ ہیں۔

۱۔کتاب الفال النجومی
۲۔کتاب تحویل سنی الموالید
۳۔المنتحل من اقاویل المنجمین

الکندی (۸۵۰ء)

القفطی نے ہیئت پر کندی کی بتیس تصانیف کے نام دیئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔ تفصیل کے لیے تاریخ الحکما کی طرف رجوع فرمایئے۔

۱۔کتاب ظاہریات الفلک
۲۔کتاب فی المناظرۃ الفلکیۃ
۳۔فی مائیۃ الفلک
۴۔کتاب فی امتناع مساحۃ الفلک الاقصیٰ
۵۔رسالۃ فی السوال عن احوال الکواکب
۶۔رسالۃ فی کیفیات نجومیۃ
۷۔رسالۃ فی رجوع الکواکب
۸۔رسالۃ فی الاوضاع النجومیۃ
۹۔رسالۃ فی مَطرحِ الشُعاع
۱۰۔کتاب فی ان طبیعۃ الفلک مخالفۃ لطبائع العناصر

اُصطرلاب

اصطرلاب آسمان کو دیکھنے کا آلہ ہے۔ یہ یونانی ایجاد ہے جسے مسلمانوں نے مکمل کیا تھا۔ پوپ [56] سلوسٹر دوم، جو ۹۹۹ء میں مسند پاپائیت پہ جلوہ آراء ہوا تھا، ایک بلند پایہ منجم تھا۔ اور اصطرلاب کا استعمال بطلیموس سے بہتر کر سکتا تھا۔ اس کا ذاتی اصطرلاب فلورنس (اٹلی) کے میوزیم میں محفوظ ہے۔ اصفہان کے رہنے والے دو بھائیوں احمد و محمود ابنائے ابراہیم اصطرلابی نے ۹۸۴ء میں ایک اصطرلاب بنایا تھا۔ جو اوکسفرڈ کے علمی خزائن میں رکھا ہوا ہے۔ برٹش میوزیم میں متعدد اصطرلاب پڑے ہیں۔ لیکن ۱۲۶۰ء سے پہلے کا کوئی نہیں، برطانیہ میں پہلا اصطرلاب غالباً ۱۲۶۰ء ہی میں تیار ہوا تھا۔ جو برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ مرٹن کالج (برطانیہ) میں وہ اصطرلاب موجود ہے۔ جسے چاسر (برطانوی شاعر، وفات ۱۴۰۰ء) استعمال کیا کرتا تھا۔ اور جس پر اپنے بچے کی خاطر ایک مضمون بھی لکھا تھا۔ طلیطلہ کے ایک کاریگر ابراہیم بن سعید نے ۱۰۶۶ء میں اور عبدالحمید ایرانی نے ۱۷۱۵ء میں نہایت خوبصورت اور منقوش اُصطرلاب بنائے تھے۔ پہلا میڈرڈ اور دوسرا انگلستان کے وکٹوریا میوزیم میں محفوظ ہے۔

جغرافیہ

عرب جغرافیہ دانوں نے دنیا بھر کی سیاحت کی۔ چپے چپے کا حال لکھا۔ ہر ملک کے پہاڑوں، دریاؤں، جھیلوں، قصبوں، بستیوں اور وادیوں تک کو گن ڈالا، لوگوں کے تمدن۔ تہذیب، زبان، رسوم اور لباس پہ بحث کی، بحر و بر کے نقشے تیار کیے، زمین اور کرۂ ہوا کو ماپا، کُرے بنائے۔ کتابیں لکھیں۔ اور شہروں کے بڑے بڑے معجم (انسائیکلوپیڈیا) تیار کیے۔ مامون کی فرمائش پر اس کے جغرافیہ دانوں نے زمین کو ماپا۔ اور اعلان [57] کیا۔ کہ زمین گول ہے۔ اس کا دور چوبیس ہزار میل اور قطر سات آٹھ ہزار میل کے درمیان ہے۔ نیز بتایا کہ زمین سے اٹھاون میل کی بلندی تک ہوا ہے اور آگے خلا۔

عرب جغرافیہ دانوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں۔ مشہور مورخ ابو الفدا (۱۳۳۱ء) نے اپنے

پہلے ساٹھ جغرافیہ دانوں کے نام گنے ہیں۔ ان میں ایک بدوی عرّام بن الاصبغ السُّلَمی الاعرابی بھی تھا۔ جس نے عہد مامون میں عرب کا جغرافیہ لکھا تھا۔ اس کا ایک نسخہ مولانا عبدالعزیز[۵۸] میمن پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی کے پاس موجود تھا۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں ادارۃ المعارف ہند، کا ایک اجلاس عربک کالج دہلی میں منعقد ہوا تھا۔ اس میں اس وقت کے بڑے بڑے فضلا شامل ہوئے تھے۔ مثلاً جسٹس شاہ محمد سلیمان نظریہ اضافیت کے فاضل، خان بہادر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع پرنسپل اورینٹل کالج لاہور (وفات ۱۹۶۳ء) پروفیسر محمود شیرانی، پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال، خواجہ حسن نظامی، ڈاکٹر پروفیسر ہادی حسن (علی گڑھ) مولانا محمد اسلم جیراجپوری۔ مولانا عبدالعزیز میمن اور بیسیوں دیگر۔ مولانا میمن نے ابن العرام کی کتاب جغرافیہ پہ تقریر فرمائی تھی۔ آج یہ چند سطور حافظہ سے لکھ رہا ہوں اور اس لیے امکان ہے کہ اس کی کنیت اور زمانہ وغیرہ کے متعلق کوئی لغزش ہو گئی ہو۔ چند دیگر جغرافیہ دانوں کے نام یہ ہیں:

ادریسی، ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عبداللہ بن ادریس (۱۱۰۰ـ۱۱۶۶ء)

سپین کا ایک فاضل، جو بعد میں سسلی کے نارمن فرمانروا۔ راجر دوم (۱۱۰۵ـ۱۱۵۴ء) کے دربار سے وابستہ ہو گیا تھا اور اس کے لیے چاندی[۵۹] کا ایک کرہ بنایا تھا۔ اس میں پہاڑ۔ دریا۔ جنگل اور وادیاں تک دکھائی تھیں۔ آسمان کا بھی ایک کرہ بنایا تھا۔

۱۱۵۴ء میں جغرافیہ کی وہ مشہور کتاب لکھی۔ جو یورپ[۶۰] کی درسگاہوں میں تین سو برس تک نصاب رہی۔ اس کا نام تھا کتاب الرجاری یا نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق۔ اس کتاب میں ستر نقشے ہیں۔ اس کے نسخے اوکسفرڈ اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں موجود ہیں۔ اس کا اطالوی ترجمہ ۱۶۱۹ء میں روما سے شائع ہوا تھا۔

سلیمان بصری

بصرے کا ایک تاجر، جس نے نویں صدی میں ہند و مشرق بعید کا سفر کیا۔ اور ۸۵۱ء میں ہند و چین کا سفر نامہ لکھا۔ اس کا فرانسیسی[۶۱] ترجمہ موسیو رینان نے ۱۸۴۵ء میں کیا۔

المسعودی، ابوالحسن علی بن حسین (۹۵۶ء)

بغداد سکونت، تحصیل علم اور سیرِ کائنات کے لیے ایران، ہند، سیلون، چین اور شام وغیرہ کا سفر کیا۔ اور کئی کتابیں لکھیں مثلاً:

۱۔ مروج الذہب و معادنُ الجواہر

۲۔ اخبار الزمان

۳۔ کتاب الاوصاف

۴۔ کتاب التنبیہ والاشراف

ان میں سے مُروج الذہب کو یورپ میں بڑی شہرت حاصل ہوتی۔ اس کا ایک عمدہ ایڈیشن لیڈن سے شائع ہوا ہے۔ یہ ہے تو تاریخی کتاب۔ لیکن اس میں جغرافیائی مواد اس قدر ہے۔ کہ تذکرہ نگار مسعودی کو جغرافیہ دانوں میں بھی شمار کرتے ہیں۔

ابن حوقل، ابوالقاسم محمد بغدادی (۹۶۸ء میں زندہ)

مشہور عرب سیاح اور کتاب المسالک والممالک کا مصنف۔ اس کتاب میں متعدد نقشے بھی ہیں۔

نضر بن شمیل بصری

خلیل بن احمد بصری (نحوی ۷۱۴۔۷۹۱ء) کا شاگرد جو چالیس برس تک بدوؤں میں رہا۔ ۷۴۰ء میں کتاب الصفات لکھی۔ جس میں عرب کا جغرافیہ تفصیل سے دیا ہے۔

المقدسی، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر (۹۴۶۔۱۰۰۰ء)

یروشلم کا رہنے والا، جس نے جغرافیہ پہ ایک کتاب ''احسنُ التقویم فی معرفۃ الاقالیم کے عنوان سے ۹۸۵ء میں مکمل کی۔

یاقوت، ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ حَمَوِی (۱۱۷۹-۱۲۲۹ء)

ایشیائے صغیر کا ایک غلام جو بغداد میں فروخت ہوا۔ آقا نے اسے بہترین تعلیم دی۔ اور وہ دنیائے اسلام کا سب سے بڑا جغرافیہ دان بن گیا۔ اس کی مشہور تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ معجم البلدان ۶ جلد (جغرافیہ)

۲۔ معجم الادباء
۳۔ معجم الشعرا

۴۔ اخبار الشعرا
۵۔ کتاب الدول

۶۔ کتاب المبدأ والمآل
۷۔ ارشاد الاریب

معجم البلدان کو ایک جرمن عالم وسٹن فیلڈ نے ایڈیٹ کر کے لپ زگ (جرمنی) سے ۱۸۶۶ء میں شائع [۲] کیا اور معجم الادبا کو پروفیسر مارگولیتھ نے گب میموریل کی خاطر ایڈٹ کیا گوائے لی سٹرینج (Guy Le Strange) نے اپنی کتاب "فلسطین مسلمانوں کے تحت" کے دیباچے میں مسلم ماہرین جغرافیہ پہ عمدہ بحث کی ہے۔ ایک اور فاضل ڈی۔ گوژے (De Goeje) نے ابن خِلکان، ابن حَوقل، مَقدسی اور اِصطخری کی تصانیف ایڈٹ کیں۔ جو ۱۸۷۰ء میں لیڈن سے شائع ہوئیں۔

ابن بطوطہ، محمد بن عبداللہ بن ابراہیم ابوعبداللہ (۱۳۰۴-۱۳۷۷ء)

طنجہ (افریقہ) کا مشہور سیاح جو شام، فلسطین، عراق، ایران، موصل، عرب مشرقی افریقہ، ارضِ روم، کریمیا، قسطنطنیہ، بخارا، افغانستان، ہند، سیلون اور سیام میں برسوں گھومتا رہا۔ واپس آ کر اپنا سفرنامہ

النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار

کے عنوان سے لکھا۔ یورپ کی مختلف زبانوں میں اس کے کئی ترجمے ہو چکے ہیں۔

چند دیگر جغرافیہ دان

نام	سال وفات	جغرافیہ پہ تصانیف
شیخ زکریا بن محمد القزوینی	چودہویں صدی	آثار البلاد و اخبار العباد
ابوالحسن علی بن ابی القاسم بن ماجور	۹۳۳ء	شمالی افریقہ کے حالات لکھے
ابوالفدا اسماعیل بن علی بن محمود	۱۳۳۱ء	تقویم البلدان
الیوبی یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر۔ خراسانی	۸۹۷ء	کتاب البلدان
ابن الفقیہہ، ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق۔ ہمدانی	۹۰۳ء میں زندہ	کتاب البلدان
اِصطخری، ابواسحاق ابراہیم بن محمد الفارسی	دسویں صدی عیسوی میں زندہ	مسالِکُ الممالک
البکری، عبداللہ بن عبدالعزیز بن محمد بن ایوب اندلسی	۱۰۹۴ء	کتاب المسالک والممالک
ابنِ جُبیر	۱۱۸۵ء میں زندہ	رِحلۂ ابن جُبیر، اس کا فرانسی ترجمہ ۱۸۴۶ء میں شائع ہوا
ابن المجاہد	۱۲۳۰ء	تاریخ المستنصر
نباتی	۱۲۳۹ء	کتاب الرحلہ
آبداری	۱۲۸۹ء	کتاب الرحلہ
خلیل الظاہری	۱۴۵۰ء	کشف الممالک
عبدالواحد مراکشی	۱۲۲۴ء	کتاب المعجب
محمد بن یحییٰ	۱۳۴۷ء	صورالاقالیم
ابن ماجد	۱۵۰۰ء	کتاب الفوائد
سلیمان المہری	سولہویں صدی	کتاب العمدۃ المہریہ

سیدی علی رئیس	۱۵۵۴ء	محیط

جغرافیہ کی چند مشہور کتابیں

نزہت القلوب	از	حمد اللہ مستوفی
ہفت اقلیم	از	امین احمد رازی
سفر نامہ	از	ناصر خسرو
عجائب المخلوقات	از	احمد طوسی
عجائب البلدان	از	قزوینی
سیاحت نامہ	از	چلپی
نخبۃ الدہر	از	دمشقی
جامع الفنون	از	حرانی (ہرّانی)
خریطۃ العجائب	از	الوردی
نہایۃ الارب فی فنون الادب	از	النویری
کتاب الجغرافیہ	از	الزہری
المسالک والممالک	از	ابن خرداذبہ

جے۔ایچ۔کریمر (Kramer) نے لکھا ہے۔کہ مسلمانوں کے پاس سمندروں اور ساحلی ممالک کے مکمل نقشے تھے۔ جب ۱۴۹۸ء میں واسکوڈی گاما ملیندا (شرقی افریقہ) کے مقام پہ پہنچا۔تو وہاں ایک عرب[۳۱] ملاح احمد بن ماجد (اندازاً ۱۵۰۰ء) نے اسے ہندوستان کا راستہ بتایا۔احمد نے ایک کتاب لکھی تھی۔کتاب الفوائد جس میں ان ملاحوں کے لیے مکمل ہدایات تھیں، جو بحرِ ہند خلیج فارس اور بحرالکاہل میں جہاز رانی کریں۔اس میں تمام مقامات خطر، اچھے اور بُرے موسموں۔نیز پانی کی گہرائی وغیرہ کا ذکر تھا۔یہی احمد قطب نما کا موجد سمجھا جاتا ہے۔

تاریخ

مسلم مؤرخین کا ایک مختصر سا جائزہ لینے کے بھی طویل فرصت چاہیے حاجی خلیفہ (۱۰۶۸ء) نے عربی تصانیف کی ایک مختصر سی فہرست کشف الظنون کے نام سے تیار کی تھی۔ جس میں چالیس ہزار کتابوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے تیرہ سو صرف تاریخ پر ہیں۔

عرب میں تاریخ کا پہلا سراغ یمن کے ایک داستاں گو عبید بن شریہ کی تحریرات میں ملتا ہے۔ جو روایتی کہانیاں لکھ کر لوگوں کو سنایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ یہ امیر معاویہؓ (۶۶۱۔۶۸۰ء) کے دربار میں جا نکلا۔ امیر نے اس سے قدیم عرب بادشاہوں کے متعلق سوالات پوچھے۔ اور اس کے جوابات لکھ لیے گئے۔ یہ تحریر ''کتاب الملوک واخبار الماضین'' کے نام سے موسوم ہوئی۔ افسوس کہ آج اس کا کوئی نسخہ کہیں موجود نہیں۔ اسی دور کا ایک اور داستان گو وہب بن مُنَبِّہ یمنی تھا۔ جس کی تحریرات ''کتاب التیجان'' کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ابوعبداللہ محمد ابن اسحاق (۷۶۷ء) پہلا مؤرخ ہے۔ جس نے حضورﷺ کی سیرت کتاب المغازی۔ مؤرخانہ انداز میں لکھی۔ ابن ہشام نے اسی کتاب کا اختصار کیا تھا۔ ان کے بعد اتنے مؤرخین پیدا ہوئے۔ کہ انہیں شمار کرنا مشکل ہے۔ چند نام یہ ہیں۔

الواقدی، ابوعبداللہ محمد بن عمر (۷۴۷۔۸۲۲ء)

مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اور پھر دربار ہارون میں جا پہنچے۔ ان کی تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ التاریخ والمغازی	۲۔ اخبار مکّۃ
۳۔ طبقات	۴۔ فُتوح الشام
۵۔ فُتوح العراق	۶۔ اَلجمل
۷۔ مَقتل الحُسین	۸۔ صِفّین
۹۔ امرُ الحبش والفیل	۱۰۔ اَلسّقیفۃ وبیعۃ ابی بکر
۱۱۔ سیرۃ ابی بکر	۱۲۔ تاریخ الفُقہاء

۱۳۔تاریخ کبیر ۱۴۔ازواج النبی

۱۵۔السیرۃ ۱۶۔ضرب الدنانیز والدراہم

۱۷۔مولدالحسن والحسین ۱۸۔وفاتُ النّبی

ضربُ الدنانیر کے سوا باقی تمام کتابیں تاریخی یا نیم تاریخی ہیں۔

ابن سعد، ابوعبداللہ البصری (۸۴۵ء)

ایک جلیل القدر مؤرخ اور محدث جس نے اپنی طبقات میں حضورِ پرنور ﷺ، صحابہ اور تابعین کے حالات درج کیے ہیں۔۱۹۴۰ء یہ کتاب نو جلدوں میں لیڈن سے شائع ہوئی۔اس کے مختلف ابواب کو سولہ یورپی پروفیسروں نے ایڈٹ کیا ہے۔

البلاذُری۔احمد بن یحیٰ بن جابر (۸۹۲ء)

خلیفہ متوکل اور مُستعین کا درباری، جس کی دو تاریخی کتابیں، فُتُوح البُلدان، اور انساب الاشراف اور ایک جغرافیائی تصنیف کتابُ البُلدان دنیائے علم میں بڑی شہرت رکھتی ہیں۔آخر الذکر کو پروفیسر ڈی گوژے نے ۱۸۶۶ء میں ایڈٹ کیا تھا۔

ابن قُتَیبہ، ابوعبداللہ، محمد بن مُسلم الکوفی الدِّیناوَری (۸۲۸۔۸۸۹ء)

مُحدِّث، مؤرخ اور ادیب جو مدتوں بغداد میں معلّم رہا۔اس کی تصانیف یہ ہیں:۔

۱۔الامامۃ والسیاسۃ (دو جلد)

۲۔طبقات الشعراء

۳۔کتاب معانی الشعر (۲ جلد)

۴۔عیونُ الاخبار (لیڈن سے شائع ہوئی)

۵۔اَدَبُ الکاتب (لیڈن سے شائع ہوئی)

۶۔اَلجمع بینَ مختلف الحدیث

یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر (۸۹۷ء)

طاہری خاندان کا درباری جس کا انتقال مصر میں ہوا۔ اس کی کتاب البُلدان جغرافیہ پر ہے۔ اور التاریخ الیعقوبی تاریخ پر۔

ابنِ اثیر، عزّ الدین ابوالحسن علی بن محمد (۱۱۶۰۔۱۲۳۴ء)

مَوصَل کے رہنے والے، بغداد میں تعلیم پائی اور بحیثیت مؤرخ لازوال شہرت حاصل کی۔ آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف الکامل، مصر نے بارہ جلدوں میں شائع کی ہے۔ آپ نے صحابہ کے حالات پر اُسدُ الغابہ فی معرِفۃِ الصّحابہ لکھی۔ نیز علامہ سمعانی کی کتاب الانساب کا مُلخّص اللُّباب کے نام سے تیار کیا۔

طبری، ابوجعفر محمد بن جریر (۸۳۹۔۹۲۳ء)

طبرستان مولد، بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ اس کی تاریخ الرُسُل والمُلوک کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ اس نے ایک تفسیر بھی لکھی۔ اس کی کتابوں کی فہرست ابن ندیم میں دیکھیے۔

ابن خلکان، احمد بن محمد بن ابراہیم (۱۲۱۱۔۱۲۸۲ء)

بلخ کا رہنے والا جو کچھ عرصہ کے لیے شام کا قاضی القضاۃ بھی رہا۔ آپ کی مشہور تصنیف وَفیاتُ الاعیان ہے۔ جس میں پونے نو سو مشاہیر کے حالات ہیں۔ اس کتاب کے استنبول ایڈیشن (جو ۱۵۵۰ء میں تیار ہوا تھا) کے حاشیہ پر ایک اور کتاب 'الشقائق النعمانیہ' چھپی ہوئی ہے۔ جس میں پانچ سو بائیس مشاہیر ترک کا ذکر ہے۔

ابن الجوزی، جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد ابوالفرج بغدادی (۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)

دنیائے اسلام کے عظیم محدّث، مؤرخ فقیہ اور مُفسّر۔ جن کی تصانیف ایک سو بیس سے زیادہ ہے۔ ان میں سے تاریخی و سوانحی یہ ہیں۔

۱۔ اخبارُ البرامکہ

۲۔ تلقیح فہوم الاثر فی التاریخ والسیر

۳۔سیرۃ العمرین عمر بن الخطاب وعمر بن عبدالعزیز ۴۔سیرۃ النبی ﷺ

۵۔مناقب الامام احمد بن حنبل ۶۔مناقب معروف الکرخی

۷۔المنتظم فی تاریخ الامم ۸۔اللقط۔حکایات الصالحین

چند غیر تاریخی کتابوں کے نام یہ ہیں۔

۹۔الوفائی فضائل المصطفیٰ ۱۰۔منہاج القاصدین

۱۱۔المذہب فی المذہب ۱۲۔مجتبیٰ من انواع العلوم

۱۳۔اللآلی ۱۴۔فضائل المدینۃ المنورہ

۱۵۔عجائب النساء ۱۶۔الطب الروحانی

۱۷۔روح الارواح ۱۸۔تلبیس الابلیس

۱۹۔احکام النساء ۲۰۔اسباب النزول

ابن الحجر العسقلانی ،ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی (۱۳۷۲۔۱۴۴۸ء)

شیخ الاسلام، علامہ، فاضلِ اجل، مورخ، محدث اور مفسر۔آپ کی ولادت قاہرہ میں ہوئی۔کئی مرتبہ حج کیا۔اور مصر ہی میں زندگی کٹی اندازاً ایک سو پچاس تصانیف ان کے قلم سے نکلیں۔ان میں سے سوانحی وتاریخی یہ ہیں:

۱۔الاصابۃ فی تمیز الصحابہ ۲۔القاب الرواۃ

۳۔الایناس بمناقب العباس ۴۔تعریف الفیۃ فیمن عاش من ھذہ الامۃ ماۃ

۵۔الدرر الکامنہ ۶۔الزہر المطول فی قصۃ یوسف علیہ السلام

۷۔الفتح الوھبی فی مناقب الشاطبی ۸۔مناقب الامام الشافعی

۹۔مختصر البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر چند دیگر تصانیف:۔

۱۰۔فتح الباری ۱۱۔لسان المیزان

۱۲۔نخبۃ الفکر ۱۳۔الدرایۃ فی منتخب احادیث الھدایۃ

۱۴۔تجرید التفسیر من صحیح البخاری ۱۵۔الانارۃ فی الزیارۃ

۱۶۔اَلا مالی ۱۷۔الاعجاب

۱۸۔اسبابُ النزُّ ول ۱۹۔الاِتقان فی فضائل القرآن

۲۰۔الشمس المنیرہ

ابن کثیر، اسماعیل بن عمر عمادالدین ابوالفدا ابن الخطیب الشافعی (۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)

دمشق کے رہنے والے۔ امام ابن تیمیہ کے شاگرد، محدث اور مؤرخ آپ نے البدایۃ و النہایۃ کے نام سے ایک ضخیم تاریخ عالم لکھی تھی۔ جو ۱۹۳۵ء میں مصر سے کئی جلدوں میں شائع ہوئی۔

ابوعبیدہ معمر بن المثنّیٰ التمیمی (۸۲۸ء)

بصرے کا رہنے والا، جسے ہارون الرشید نے دربار میں بلالیا تھا۔ اس نے مختلف مسائل پہ تقریباً دو سو کتابیں لکھیں۔ ان میں سے تاریخی یہ ہیں۔

۱۔ایام بنی مازن واخبارُہم ۲۔خوارِجُ البحرین وَالیَمامہ

۳۔کتابُ الشِعر والشُعراء ۴۔الجملُ وصفین

۵۔کتابُ مآثرالعرب ۶۔کتابُ مآثرغطفان

۷۔کتابُ مقتلِ عثمان ۸۔کتابُ قُضاۃِ البصرۃ

۹۔فتوح الا ہوازِ ۱۰۔کتابِ قِصۃِ الکعبہ

۱۱۔کتاب الاوس والخزرج

چند دیگر کتابیں:

۱۲۔طبقات الفرسان (گھوڑوں پر)

۱۳۔کتاب الحیات (گھوڑوں پر)

۱۴۔کتاب الفرس (گھوڑوں پر)

۱۵۔کتاب الابل (اونٹوں پر)

۱۶۔ کتاب الحیات (سانپوں پر)

۱۷۔ کتاب العقارب (بچھوؤں پر)

۱۸۔ کتاب الزّرع (زراعت پر)

۱۹۔ کتاب السّیف (تلواروں پر)

۲۰۔ کتاب القبائل (عرب قبیلوں پر)

سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن الکمال ابی بکر بن محمد بن سابق الدین بن الفخر عثمان بن ناظر الدین مصری (۱۴۴۵۔۱۵۰۶ء)

مصر کے ایک گاؤں سیوط میں ولادت ہوئی۔ مصر ہی میں تعلیم پائی۔ اور وہیں معلّم رہے۔ اندازاً پانچ سو کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں سے سوانحی و تاریخی یہ ہیں:۔

۱۔ طبقات الشعراء
۲۔ طبقات المفسرین
۳۔ طبقات النحاۃ الکبیر
۴۔ طبقات النحاۃ الصغیر
۵۔ طبقات الکتاب
۶۔ طبقات الخطاطین
۷۔ طبقات البیانیین
۸۔ طبقات الاصولیین
۹۔ الاخبار المرویۃ فی سبب وضع علم العربیۃ
۱۰۔ بدائع الزہور فی وقائع الدھور
۱۱۔ بذل المجہود (ان صحابہ پر، جن کی عمر ایک سو بیس سال یا زیادہ تھی)
۱۲۔ تاریخ الخلفا
۱۳۔ المنتقیٰ من تاریخ ابن عساکر
۱۴۔ تبییض الصحیفۃ بمناقب ابوحنیفہ
۱۵۔ تحفۃ الکرام باخبار الاھرام
۱۶۔ تحفۃ المجتہدین باسماء المجددین
۱۷۔ مناقب الامام مالک
۱۸۔ مناقب السیدۃ فاطمہ
۱۹۔ حسن المحاضرۃ (مصر و قاہرہ کے حالات)
۲۰۔ معجم شیوخہ الکبیر (حاطب لیل)
۲۱۔ معجم شیوخہ الصغیر (المنتقیٰ)
۲۲۔ درالسحابۃ فیمن دخل مصر من الصحابہ
۲۳۔ الشماریخ فی علم التاریخ

۲۴۔طبقات الحفاظ ۲۵۔طبقات شعراء العرب

۲۶۔عین الاصابۃ (ابن حجر کی اصابہ کا اختصار) ۲۷۔الشابہ فی آثار الصحابہ

۲۸۔مسند الصحابۃ الذین ماتوا فی زمن النبی ﷺ ۲۹۔الملتقط (دُرَرِ کامِنہ کا اختصار)

۳۰۔مختصر محاضرات الادباء

ابن عساکر، علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ شافعی دِمشقی (۱۱۰۵۔۱۱۷۶ء)

مشہور مؤرخ، جن کی "تاریخ دِمشق" اسّی جلدوں میں تھی۔آج صرف دو جلدیں باقی رہ گئی ہیں۔انہوں نے المعجم میں شافعی مذہب کے تمام اکابر کے حالات درج کیے تھے۔

ابن طُولُون، محمد بن علی بن احمد شمس الدین دِمشقی (۱۴۷۶۔۱۵۴۶ء)

اپنے وقت کا بہت بڑا فاضل جس نے ستر برس کی زندگی میں مختلف موضوعات پر سات سو پچاس کتابیں لکھیں۔ان کی فہرست کشف الظنون یا جمیل بیگ العظم مصری کی عُقود الجواہر میں دیکھیے۔اس کی تاریخی وسوانحی تصانیف یہ ہیں۔

۱۔اعلام الوریٰ (دمشق کے ترک سلاطین پہ)

۲۔اخبار الاصحاب

۳۔المسامر (مجنوں کے حالات)

۴۔حور العیون (احمد بن طولون پر)

۵۔ذیل (سلاطینِ دمشق پہ)

۶۔ذیل (عبدالقادر القرشی کی طبقات الحنفیہ پر)

۷۔رایۃ النصر (نصر، اُستادِ مصنف کے حالات)

۸۔سِلک الجمان (ترکانِ عثمانی کی تاریخ)

۹۔الشمعۃ المعیہ (قلعۂ دِمشق کی تاریخ)

۱۰۔عقد النظام (علامہ ابنِ عبدالسلام کے حالات)

۱۱۔العرف العَنبری (علامہ زَمخشری کے حالات)

۱۲۔الغو ن (فرعون کے حالات)

۱۳۔الحرویات

۱۴۔الفلک المشحون (محمد بن طولون کے حالات)

۱۵۔القلائد (صالحیہ کی تاریخ)

۱۶۔کشف الحال (اولیا وصوفیا کے حالات)

۱۷۔مثیر الغرام (خضر علیہ السّلام کے حالات)

۱۸۔النطق المُنبی (مصنّف کے ایک استاد کے حالات)

۱۹۔ہدایۃ المسالک (امام مالک پر)

۲۰۔الھجاج (حلاّج کے سوانح)

۲۱۔الہادی (محدِث جمال بن ہادی کے حالات)

سَمعانی، ابوسعد بن ابوبکر مَروی (۱۱۶۶ء)

بارہویں صدی کا ایک جلیل القدر مؤرخ اور تذکرہ نگار جن کی تاریخی تصانیف یہ ہیں۔

۱۔تاریخ بغداد۔۱۵ جلد

۲۔کتاب الانساب، جس میں پندرہ ہزار اشخاص کے انساب کا ذکر ہے۔

۳۔تاریخ مَرو۔۲۰ جلد

۴۔معجم الکبیر۔۸ جلد

۵۔تاریخ القضاۃ۔۴ جلد

۶۔مُعجم الشیوخ۔۴ جلد

۷۔مُعجم البلدان۔۳ جلد (جغرافیہ)

ذہبی، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان (۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء)

امام ابن تیمیہ کا شاگرد، عظیم مؤرخ و محدث۔ آپ کی تاریخی تصانیف یہ ہیں۔

۱۔تاریخ الاسلام۔بیس جلد

۲۔طبقات الحفاظ۔دو جلد

۳۔طبقات القرّاء۔دو جلد

۴۔اِختصارِ تاریخِ خطیب۔دو جلد

۵۔اختصارِ تاریخِ ابن عساکر۔دس جلد

۶۔تاریخ البلاد۔بیس جلد

۷۔معجم الشیوخ (تیرہ سو محدّثین کے حالات)

۸۔تہذیب التہذیب۔۱۳ جلد (اندازاً بیس ہزار راویانِ حدیث کے حالات)

۹۔میزانُ الِاعتدال فی نقدِ الرّجال۔دو جلد

۱۰۔اَلمشتبِہُ فی اَسماءِ الرّجال

۱۱۔تجریدُ اَسماءِ الصحابہ

۱۲۔اخبارُ الدُّول الِاسلامیہ

۱۳۔تہذیب الکمال فی اَسماءِ الرّجال

ابنِ خلدُون، عبدالرحمان، ولی الدین (۱۳۳۲۔۱۴۰۶ء)

جدید علم تاریخ کا بانی، ابن خلدون، تونس میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے والدین اشبیلیہ سے ہجرت کر آئے تھے۔ اس کی کتاب العِبَر مشرق و مغرب میں ہر جگہ بے حد مقبول ہوئی۔ اور اس کتاب کے مقدمہ کو عالم گیر شہرت حاصل ہوئی۔ اس مقدمہ میں ابن خلدون عروج و زوال امم کے چند اصول بتاتا ہے۔ مختصراً یہ کہ زندگی کی بنیاد بلند کردار کی سنگلاخ زمین پہ رکھی جاتی ہے۔ جب تک کہ کوئی قوم سادہ وشعار، راستباز، جفاکش، متحد اور اسباب عیش سے دور رہتی ہے۔ وہ پھلتی پھولتی ہے۔ لیکن عیش پسند ہونے کے بعد اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ قوموں کو دو چیزیں مُتحد کرتی ہیں۔ اول عصبیت یعنی جتھہ بندی جس کا جدید نام قومیت ہے اور پرانا نام "قبائلیت"

تھا۔ دوم مذہب جو مختلف گروہوں اور قبیلوں کو ایک کنبہ بنا دیتا ہے۔ اگر کسی قوم کا اخلاقی زوال شروع ہو جائے۔ تو اس کے افراد۔ خودغرض، منفعت پرست، عیش کوش اور قومی سود وزیان سے لا پرواہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد نہ انہیں عصبیت متحد رکھ سکتی ہے۔ نہ مذہب، ابن خلدون جب کسی قوم کے عروج وزوال پہ بحث کرتا ہے تو اس بنیاد اصول کی طرف بار بار توجہ دلاتا ہے۔

یورپ میں کتاب العبر کے مختلف ایڈیشن نکلے۔ اور مقدمہ کے کئی تراجم ہوئے۔ مثلاً

۱۔مقدمہ انگریزی ترجمہ از ایف روزن تھال۔ طبع لیڈن

۲۔مقدمہ فرانسی ترجمہ از ڈی سلین (De Slane)

جرمنی کے ایک فاضل فان کریمر نے ابن خلدون کے فلسفۂ تاریخ پہ ایک فاضلانہ مقالہ لکھا تھا۔ جو وی آنہ (آسٹریا) کے ایک رسالہ (Sitz Der Kais) میں ۱۸۷۹ء کو شائع ہوا۔

چند دیگر مورخین:۔

نام	سالِ وفات	تصانیف
ابن الخطیب، لسان الدین قرطبی	۱۳۷۵ء	۱۔الاِحاطۃ فی تاریخ غرناطہ ۲۔فی اُدباءِ المائۃ الثامنہ ۳۔بُستانُ الدُّول ۴۔رقم الحلل فی نظم الدُّول ۵۔طرفۃ العصر فی دولۃِ بنی نصر
ابنِ ابار اُندلسی	۱۲۶۰ء	المُعجم فی اصحاب الامام ابی علی الصدفی
ابن بشکوال قرطبی	۱۱۸۳ء	تاریخ آئمۃ الاندلس
ابن القاضی، احمد بن محمد بن احمد	۱۶۱۶ء	۱۔تاریخ فارس ۲۔ذرۃ الحجال (اسماءرجال) ۳۔ المنطق المقصور (منصور عباسی پر)

مصنف	سنہ	تصنیف
ابن القفطی، ابوالحسن علی بن یوسف مصری	۱۲۴۸ء	تاریخ الحکما
ابوحیان علی بن محمد التوحیدی الواسطی	۱۰۱۰ء میں زندہ	۱۔ اخبارُ الصوفیہ
		۲۔ اخبارُ القدما
ابوالفرج علی بن حسین اِصفہانی	۹۶۷ء	کتاب الاغانی۔ ۲۱ جلد
الانباری۔ عبدالرحمٰن بن محمد	۱۱۸۱ء	فی طبقاتِ الادباء
اَلبیرونی، ابوریحان محمد بن احمد	۱۰۴۸ء	آثارالباقیہ عنِ القرُون الخالیہ
بیہقی، ابوالفضل محمد بن حسین	۱۰۷۷ء	تاریخ بیہقی
ثعالبی، عبدالملک بن اسماعیل نیشاپوری	۱۰۳۸ء	۱۔ یتیمۃُ الدہر
		۲۔ سیرۃُ الملوک
جوزجانی، ابوعمر عثمان بن سراج الدین	۱۲۴۷ء میں زندہ	طبقاتِ ناصری
حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ (کاتب چلپی) ترکی	۱۶۵۷ء	۱۔ کشفُ الظنون
		۲۔ تقویم التواریخ
		۳۔ طبقات الفحول
		۴۔ رونق السلطنت (تاریخ استنبول)
حافظ آبرو، شہاب الدین عبداللہ الخوانی ایرانی	۱۴۳۰ء	زُبدۃُ التواریخ۔ ۴ جلد
حمداللہ مستوفی بن ابوبکر القزوینی	۱۳۲۹ء میں زندہ	تاریخِ گزیدہ
خطیب بغدادی۔ ابوبکر احمد بن علی	۱۰۷۱ء	تاریخ بغداد

رشیدالدین، فضل اللہ بن عمادالدولہ (غازان کا وزیر)	۱۳۱۸ء	جامع التواریخ
سمہودی، نورالدین ابوالحسن علی بن عبداللہ	۱۵۰۵ء	وفاء الوافی
سیرافی، حسن بن عبداللہ (بغداد کا قاضی)	۹۰۳ء	اَخبارُ النحاۃ
شہرستانی، محمد بن عبدالکریم	۱۱۵۳ء	۱۔ تاریخ الحکما ۲۔ اَلمِلَل والنِّحل
شیرازی، ابراہیم بن علی بن یوسف فیروز آبادی	۱۰۸۳ء	طبقات الفقہا
مَسعودی، علی بن الحسین بغدادی	۹۴۷ء	۱۔ اخبارُ الزمان۔ ۳۰ جلد ۲۔ مُروج الذہب
مَقرِیزی، تقی الدین، احمد بن علی بن عبدالقادر مصری	۱۴۴۲ء	الخِطَط والآثار ۲۔ السّلوک لمعرِفۃ دُولِ المُلوک
المقَّری، احمد بن محمد بن احمد التلمسانی	۱۶۳۲ء	۱۔ نفح الطیب ۲۔ اَزہارُ الریاض
ابن ندیم، ابوالفرج محمد بن ابی یعقوب بغدادی	۹۸۸ء میں زندہ	الفہرست
ابنِ بَسّام، ابوالحسن علی	۱۱۴۸ء	الذخیرہ فی محاسن اہل الجزیرہ
قاسم بن قُطلُوبُغا	۱۴۷۵ء	طبقات الحنفیہ
ابوالقاسم صاعِد بن احمد اُندلسی	۱۰۷۰ء	طبقات الامم

نُویری	۱۳۳۲ء	نہایۃ الارب فی فنون الادب۔ ۳۰ جلد

مسلم مؤرخین کو شمار کرنا آسان نہیں۔ اس لیے میں اس کہانی کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ رہا یہ کہ عرب مؤرخین کی کون کون سی کتابیں یورپ میں شائع ہوئیں۔ اور کس نے کس زبان میں ترجمہ کیا۔ اتنی ہی طویل داستان ہے۔ یوں تو جرمنی، فرانس اور برطانیہ سے اس قسم کی کتابیں مسلسل شائع ہو رہی ہیں۔ لیکن ہمارے علوم کا سب سے بڑا اشاعت گھر لیڈن (ہالینڈ) میں ہے۔ جو ای۔ جے۔ برل کے نام سے مشہور ہے۔ وہ عموماً عربی کتابیں اور ان کے تراجم چھاپتے ہیں۔ ان کی کتابوں کی فہرست ۳۶۰ حصوں (ہر حصہ ۱۵۰ صفحات) میں پھیلی ہوئی ہے۔ حصہ نمبر ۳۶۰، ۱۹۶۳ء میں عموماً تاریخ کی کتابیں ہیں۔ اس میں سیوطی، واقدی، نصیر الدین، طوسی، ابن طولون، ابن طفیل، توحیدی، تفتازانی، سبکی، ثابت بن قرہ طبری، ثعالبی، شیرازی، سینا، شعرانی، ابن رشد، رشید الدین، ابن قتیبہ القطفی، ابن مسکویہ، مقریزی، کندی، ادریسی، خوارزمی، ابن حزم، ابن الحجر، امام غزالی، جاحظ، فارابی، ذہبی، ابن بطوطہ، البلاذری وغیرہ کی متعدد کتابوں، ان کے یورپی اڈیشنوں اور ترجموں کا ذکر ہے۔

عِلمُ اللُّغۃِ

عربی زبان کتنی وسیع ہے، اس کا اندازہ آج تک نہیں ہو سکا۔ جس زبان میں اونٹ کے لیے چار ہزار اور تلوار کے لیے دو ہزار الفاظ موجود ہوں۔ اس کی وسعت کا اندازہ کون کرے۔ ہمارے باہمت اسلاف نے بڑی تعداد میں لغات لکھے۔ لیکن کوئی ایسا لغت موجود نہیں۔ جسے ہم ہر حیثیت سے مکمل کہہ سکیں۔ چند لغات کے نام یہ ہیں:۔

مُصنّف	سالِ وفات	عنوانِ لغت	کیفیت
ا۔ مُفَضّل بن سَلَمہ	۸۴۶ء	کتاب الفاخر	

۲۔محمد بن علی عراقی	۱۱۶۶ء	نُزہۃُ الانفُس	
۳۔احمد ابن فارِس قزوینی	۱۰۰۶ء	مُجمل	
۴۔ابومنصور جوالیقی	۱۱۴۵ء	المُعَرّ ب	
۵۔ناصرالدین مُطرِّزی	۱۲۱۴ء	اِقناع	
۶۔خلیل بن احمد فراہیدی	۸۸۷ء	کتابُ العَین	
۷۔ابوبکر محمد بن حَسَن	۹۳۳ء	الجمہرہ	پیرس اور لنڈن میں موجود ہے
۸۔ابوعلی اسماعیل بن قاسم بغدادی	۹۷۷ء	البارع	دس ہزار صفحات میں
۹۔ابونصر اسماعیل بن حماد جوہری	۱۰۰۸ء	تاج اللُغۃ	
۱۰۔ابوعبداللہ محمد بن جعفر قیروانی	۱۰۲۲ء	جامع	
۱۱۔تمام بن غالب	۱۰۴۷ء	موعب	
۱۲۔زَمخشری	۱۱۴۶ء	اساس البلاغہ	دوجلد
۱۳۔احمد بن محمد الفیومی	۱۳۶۹ء	المصباح المنیر	دوجلد
۱۴۔بستانی	۔	البستان	دوجلد
۱۵۔مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی	۱۴۱۴ء	القامُوس	چارجلد
۱۶۔صاحِب بن عباد وزیر	۹۹۶ء	محیط	دس جلد
۱۷۔ابومنصور محمد بن احمد زہری	۹۸۱ء	تہذیب اللغۃ	دس جلد
۱۸۔ابو الحسن علی بن اسماعیل (اندھا)	۱۰۶۶ء	المحکم والمحیط الاعظم	بارہ جلد

۱۹۔ رضی الدین حسن بن صغانی لاہوری	پ۱۱۸۲ء	مجمع البحرین	بارہ جلد
۲۰۔ ابنِ سیدہ	۱۰۶۶ء	مُخصّص	بیس جلد
۲۱۔ جلال الدین محمد بن جلال الدین افریقی	۱۳۱۲ء	لِسانُ العرب	بیس جلدؔ
۲۲۔ سیّد محمد بن محمد حسینی واسطی المعروف بہ سیّد مرتضٰی زبیری (ہردویؔ (یوپی) کے رہنے والے	۱۷۹۱ء	تاج العروس	چوبیس جلد
۲۳۔ ابُو العلا معرّی	۱۰۵۷ء	الایک والغُصُون	سوجلد

عربوں نے اشخاص، حیوانات، حشرات، اَحجار، اَنساب وغیرہ کے لُغات بھی لکھے۔ جن کا اصطلاحی نام مُعجم (انسائیکلوپیڈیا) ہے۔ چند کتابیں ملاحظہ ہوں۔

مصنف	سال وفات	کتاب	کیفیت
عبدالبَرّ	۱۰۷۱ء	اِستیعاب	صحابہ پر
ابنِ حَیان	۱۰۷۷ء	معرفۃ الصحابہ	٭
ابنِ اثیر	۱۲۳۴ء	اُسدُ الغابہ	٭
ابن حجر	۱۴۴۸ء	اِصابہ	٭
علامہ ذہبی	۱۳۴۸ء	تہذیب التہذیب	٭
ابنِ نجّار	۱۲۴۶ء	ذیل	مشاہیر پر
ابنِ اَبّار	۱۲۶۰ء	مُعجم	٭
ابنِ خلِکان	۱۲۸۲ء	وفیات	٭
صَفدی	۱۳۶۳ء	وافی	٭

ابنِ قُطلُوبغا	۱۴۷۵ء	تاج التراجم	حنفی علماوفقہاپر
سُبکی	۱۳۷۰ء	طبقاتِ کبریٰ	شافی ۔ ۔
ابنِ فرحون	۱۳۹۷ء	الدّیباجُ الذّہب	مالکی ۔ ۔
یاقوت	۱۲۲۹ء	مُعجم الادبا	اہل قلم پر
قطب الدین عبدالکریم گیلانی	۱۴۲۳ء	النامُوس الاعظم	تصوف پر۔ چالیس جلد
ابن فضل اللہ دِمشقی	۱۳۴۹ء	ممالِک عبادِالصلیب	یورپ کے تمام ممالک کا معجم جس کا اطالوی ترجمہ لاماری نے ۱۸۸۳ء میں کیا۔
ابُوالفرَج اصفہانی	۹۶۷ء	کتاب الاغانی	شعراپر۔ اکیس جلد
شہاب الدین احمد نُویری	۱۳۳۲ء	نہایۃ الارب فی فنونِ الادب	تیس جلد
سَمعانی مَروی	۱۱۶۶ء	کتابُ الانساب	پندرہ ہزار اشخاص کے شجرے
ابوعمرو شیبانی	۸۲۲ء	معجم	شعراپر۔ اسی جلد
نامعلوم	۔	المشرق	۱۵۰جلد
نامعلوم	۸۸۲ء	المغرب	۱۵۰جلد
نامعلوم	۸۲۲ء	خطبات قاضی ابویوسف	تین سوجلد
نامعلوم	۸۴۲ء	کتاب الفنون	چارسوستر جلد

مولانا سعید انصاری اپنے مقالہ[۳] "عربی علم اللغۃ کی تاریخ" میں ایک ایسی کتاب کا ذکر

کرتے ہیں۔ جس کی تالیف میں چھ پشتوں نے ایک سو پندرہ سال صرف کیے تھے۔

اختصار کی خاطر میں اسی پہ اکتفا کرتا ہوں۔ ورنہ ہمارے لُغات۔ مُعاجم اور طبقات کا تو کوئی شمار نہیں۔

یہ سب کچھ ایک ایسے زمانے میں ہو رہا تھا۔ جب یورپ، جہالت، وحشت، بربریت اور غلاظت میں تا بہ فرق ڈوبا ہوا تھا۔

عربی ادب اور یورپ

عربوں نے حکایات، خطبات اور مختلف موضوعات پر اس قدر نثری ادب چھوڑا ہے۔ کہ اس کی فہرست تیار کرنے کے لیے بھی سالہا سال چاہئیں۔ الف لیلہ، کلیلہ دمنہ، مقاماتِ حریری، مقاماتِ بدیعی، حی بن یقظان وغیرہ وہ شاہکار ہیں۔ جو یورپ میں بہت مقبول ہوئے۔ کلیلہ دمنہ۔ دراصل سنسکرت کی کتاب تھی۔ جسے ابن المُقفّع (۷۶۰ء) نے عربی میں منتقل کیا تھا۔ الفونسو دہم ۱۰ (۱۲۵۲۔۱۲۸۴ء) کی فرمائش پر اس عربی ترجمے کا ترجمہ ہسپانوی زبان میں ہوا۔ پھر اٹلی کے ایک یہودی جان نے اسے لاطینی میں منتقل کیا۔

الف لیلہ سولہویں صدی میں یورپ میں پہنچی۔ اور ایک فرانسیسی سیاح و عالم جین گالینڈ (۱۷۱۵ء) نے بارہ جلدوں میں اس کا ترجمہ کیا۔ پہلی سات جلدوں میں الف لیلہ، سندباد اور قمر الزماں (حکایات) کا ترجمہ ہے۔ آٹھویں جلد میں غانم، زین الاصنام اور خدا داد کے تراجم ہیں۔ غانم کا ترجمہ گالینڈ نے کیا تھا۔ اور باقی دو کا ایک اور فرانسیسی عالم پتائی۔ ڈی۔ لا۔ کرائیکس نے گالینڈ عربی حکایات کا بہت دلدادہ تھا اور ہمیشہ ان کی تلاش میں رہتا تھا۔ اتفاقاً حلب کا ایک عالم حنّی نامی پیرس میں آ گیا۔ گالینڈ اس کے ہاں پہنچا۔ حنّی کے پاس عربی حکایات کی چند کتابیں تھیں۔ اور بے شمار حکایات اسے یاد بھی تھیں۔ گالینڈ نے اس تمام ذخیرے کا ترجمہ کیا۔ اور آخری چار جلدوں میں یہی مواد ہے۔ گالینڈ کے بعد بھی اس کتاب میں مزید تراجم کا اِضافہ ہوتا رہا۔ جو عالم بھی کسی عربی حکایت کو فرانسی میں منتقل کرتا۔ وہ اس کتاب کا حصہ بن جاتی۔

۱۷۸۸ء میں ڈے نس چاوس نے چند اور عربی حکایات کو فرانسیسی میں منتقل کیا ۹۴۔۱۷۹۲ء میں اس فرانسی ترجمہ کو جمیز اینڈرسن نے انگریزی میں ڈھالا۔ ۱۷۹۵ء میں پیٹرک رسل (تاریخ حلب کے مصنف) نے بعد دیگر حکایات کا ترجمہ کیا۔ ۱۸۱۱ء میں جمیز اینڈرسن نے انگریزی الف لیلہ کے ساتھ ایک اور جلد کا اضافہ کیا۔ جس میں چند نئی عربی حکایات کا ترجمہ تھا۔ ۲۵۔۱۷۲۲ء میں ایڈورڈ گاشیرَ نے نئی حکایات کی دو اور جلدیں ساتھ شامل کیں۔ جرمنی کے مشہور فاضل فان ہیمر نے بھی چند عربی حکایات کا ترجمہ کیا تھا۔ جسے ۱۸۲۶ء میں لیمب نے انگریزی میں منتقل کیا۔ ۱۸۲۵ء میں ایک فرانسی فاضل (Habicht) نے الف لیلہ کا نیا ترجمہ پندرہ جلدوں میں نکالا۔ ویل (Well) نے بھی اس کتاب کا ترجمہ کیا جو تین برس (۶۷۔۱۸۳۷ء) میں تیار ہوا۔ ۱۸۴۱ء میں ایک اور عالم لین (Lane) کا ترجمہ نکلا۔ ۱۸۸۴ء میں پینی نے عربی حکایات کے تراجم تیرہ جلدوں میں شائع کیے۔ پہلی نو جلدوں میں الف لیلہ کا ترجمہ تھا اور باقی چار میں دیگر حکایات مثلاً زَینُ الاصنام، اللہ دین وغیرہ کا، کچھ عرصہ بعد سر رچرڈ برٹن نے الف لیلہ اور دیگر حکایات کا انگریزی ترجمہ سولہ جلدوں میں شائع کیا۔ اس کتاب کے تراجم یورپ کی بعض دیگر زبانوں میں بھی ہوئے۔ ہسپانوی ترجمہ Vicente نے کیا، جرمنی ترجمہ ای۔ لٹ مین (چھ جلد) کے قلم سے نکلا۔ پولش میں بھی ایک ترجمہ ہوا تھا۔ لیکن وہ نامکمل رہ گیا۔ روسی ترجمہ کراکوف سکی نے ۱۹۳۴ء میں کیا[۶] ای۔ جے برِل (لیڈن) کی فہرست میں اس کتاب کے انتیس ایڈیشنوں کا ذکر ہے۔ جن میں صرف ایک شیخ عثمان کا ہے۔ اور باقی تمام علماء یورپ نے تیار کیے تھے۔

یورپ کے بعض بڑے بڑے ادیبوں اور نقادوں کا خیال یہ ہے۔ کہ اگر ''الف لیلہ'' نہ ہوتی تو نہ آئرش ادیب سِوِفٹ (Swift) (۱۷۴۵ء) کی ''گلیورز'' وجود میں آتی اور نہ ڈینیل ڈفو (۱۷۳۱ء) کی ''رابنسن کروسو'' بعض دیگر نقاد کہتے ہیں کہ ''رابنسن کروسو'' کا ماخذ ابن طفیل (۱۱۸۵ء) کی حیی بن یقظان تھی۔ جسے ۱۶۷۱ء میں پوکاک نے لاطینی میں اور ۱۷۰۸ء میں اوکلے نے انگریزی میں منتقل[۷] کیا تھا۔ اس موضوع (رابنسن کا مآخذ) پر ۱۹۳۰ء میں اے۔ آر۔ پاسٹر نے ایک کتاب ''دی آئیڈیا آف رابنسن کروسو'' کے نام سے لکھی۔

عربی حکایات کی تقلید

یورپ میں ان تراجم کا اثر یہ ہوا۔ کہ اس دور کا یورپی ادب عربی ادب کے سانچے میں ڈھل گیا۔ اٹلی اور سپین میں مقامات کی طرز پر حکایات لکھی جانے لگیں۔ اس قسم کے ایک مجموعہ حکایات کا ہسپانوی نام Eli Cavallero Cifar ہے۔ چاسر کی Squires دراصل الف لیلہ کی ایک کہانی ہے۔ ڈانٹے نے ڈوائن کامیڈی میں سیر افلاک کا تخیل معراج سے لیا تھا۔ اٹلی کے ایک ادیب بوسیشیو (۱۳۷۵ء) کی تمام حکایات عربی مآخذ سے آئی ہوئی ہیں۔ عربی اثر کی انتہا یہ ہے کہ تیرہویں صدی میں ایک فرانسی ادیب نے ایک ناول Floire Al Blauchfieur کے عنوان سے لکھا۔ اس میں عربی رنگ کی مجالس جمائیں۔ عربی ساز و سامان سے کام لیا اور ''قاسم'' کو ہیرو بنایا۔

سپین [8] کے ایک پادری جان رُوز نے چودہویں صدی کے آغاز میں ایک ایسی منظوم کہانی لکھی۔ جس میں عربی اقوال و امثال بکثرت استعمال ہوئیں۔ اس کی بیوی کا نام کریمہ تھا۔ جو خالص عربی لفظ ہے۔ اسی دور کے ایک اور ہسپانوی نے یوسف زلیخا کا منظوم قصہ ہسپانوی زبان اور عربی حروف میں لکھا۔ اس کی بحر بھی عربی تھی۔

ڈان کوئک ساٹ کی مشہور کہانی، جس کا اردو ترجمہ خدائی فوجدار کے عنوان سے ہو چکا ہے کا اصل مصنف ایک مراکشی مسلم حمید بن عنجل تھا۔

گیارہوں صدی میں مُبشر بن فاتک مصری نے دانشورانِ عالم کے اقوال کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔ جس کا پہلے لاطینی ترجمہ ہوا۔ اور پھر یہی ترجمہ Dicts and Sayings of The Philosophers. کے نام سے انگریزی میں منتقل ہوا۔ انگلستان کا پہلا پریس کیکسٹن تھا۔ جس میں سب سے پہلے یہی کتاب چھپی تھی۔ ڈان کو ئیک ساٹ، کی حکایات دراصل ہسپانوی زبان میں لکھی گئی تھی۔ انگریزی ترجمہ بعد میں ہوا۔ اس میں ہیرو کے تمام اقوال و امثال عربی الاصل ہیں قرونِ وسطٰی کے یورپ میں عربی ادب کا نفوذ ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھا۔ لاطینی کا مُفلس، بے جان اور بے کار ادب لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکتا تھا۔ اس میں نہ لذت تھی۔ نہ

گہرائی۔ دوسری طرف عربی ادب میں بلا کی قوت۔ عظمت۔ توانائی، زندگی اور وسعت تھی۔ یہ زندگی کے ہر پہلو پہ روشنی ڈالتا تھا۔ حیات کو منزل کی راہ دکھاتا تھا۔ انسان کا رابطہ اللہ سے جوڑتا تھا اور روح میں سوز وتُر ور بھرتا تھا۔ یورپ کے لیے اس ادب سے منہ موڑنا ناممکن تھا۔ درست کہا تھا۔ وکٹر ہیوگو نے:۔

"پہلے تمام دنیا یونانی تھی۔ اور اب عربی ہے۔"

شاعری

عرب میں اسلام سے پہلے ہر قبیلہ اپنے شعرا پہ نازاں تھا۔ یہ شاعر میدانِ جنگ میں رجز پڑھتے، ایام صلح میں قبائل کے کارنامے سناتے، اپنوں کو اچھالتے اور غیروں پہ آگ برساتے تھے۔ بدیگر الفاظ شاعر قبیلے کا مورخ بھی تھا اور مُصلح و مُبلغ بھی۔ اس کی مدح سے ہمتیں بلند ہوتی تھیں۔ اور اس کی ہجو نفرت کی آگ بھڑکا دیتی تھیں۔ شعرا نے جاہلیت میں اِمرُ والقیس طرَفہ شنفرہ، عُمرو بن کلثوم، حارث بن حِلزہ، زہیر، لَبید بن ربیعہ، زیاد بن معاویہ المعروف بہ نابغہ ذُبیانی، میمون بن قیس المعروف بہ اعشیٰ، علقمہ بن عبادہ الفحل، عُمرو بن قمیّہ اور عنترہ مشہور تھے۔ ان کے کلام کا کچھ نہ کچھ حصہ آج بھی موجود ہے۔ اور بعض کے دیوان مصر، بیروت، ہند اور یورپ میں باقاعدہ چھپ رہے ہیں۔ شعرائے جاہلیت کی تعداد کیا تھی، کوئی نہیں جانتا اس زمانے میں لکھنے والے ہی نہیں تھے۔ اس لیے ان کے نام محفوظ نہ رہ سکے۔ البتہ بعض باہمت لوگوں نے ان کا کچھ نہ کچھ کلام محفوظ کر لیا۔ مثلاً

ا۔ سپین کے نحوی الاعلم (۱۰۸۳ء) نے نابغہ، عنترہ، طرفہ، زُہیر، علقمہ اور امراوالقیس کے دیوان مرتب کیے۔ جنہیں ۱۸۷۰ء میں Ahlwanlt نے شائع کیا۔ السکری (۸۸۸ء) کے مجموعہ اشعار الہذیلیین کو Kobagnacn اور Wuhausen نے چھاپا۔

۲۔ حماد الراویہ (عہد امیہ) نے سبع معلقات جمع کیے۔

۳۔ مُفضل الضبی (۷۸۶ء) نے عباسی خلیفہ منصور کے لڑکے مہدی کے لیے ایک

سوا اٹھائیس نظمیں جمع کی تھیں جو مُفَضّلِیات کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی تہائی ۱۸۸۵ء میں Tlorbecke نے شائع کی۔ اور کچھ عرصہ پہلے سرچارلس لائل نے مفضلیات کا انگریزی ترجمہ مع عربی متن نکالا تھا۔

۴۔ ابوتمام (۸۵۰ء) نے حَماسَہ مرتب کیا۔

۵۔ بُحتَری (۸۹۷ء) نے بھی اسی نام سے ایک مجموعہ تیار کیا۔

۶۔ اُبُو زید محمد القُریشی نے ۱۰۰۰ء میں جَمْہرۃ اشعارِ العرب کے نام سے انچاس نظموں کا ایک مجموعہ ترتیب دیا۔

۷۔ اصفہانی (۹۶۷ء) کی کتاب الاغانی، ابوعلی القالی (۹۶۷ء) کی کتاب الامالی، المُبرّد کی الکامل اور عبدالقادر بغدادی (۱۶۸۲ء) کی خزینۂ الادب میں شعرائے جاہلیت کے ہزارہا اشعار نقل ہوئے ہیں۔

بعض تذکروں میں حماذ الروایہ کے متعلق یہ حکایات دیکھی ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ نے اسے چند اشعار سنانے کو کہا۔ اس نے ایک سو عمرو نامی شعرا کے سو سو قصائد سنائے۔ اور یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔

گو ظہور اسلام کے بعد ساری قوم کی توجہ قرآن، حدیث، فقہ، سائنس، طب، تاریخ، ریاضی، ہیئت اور دیگر علوم کی طرف ہوگئی تھی۔ تاہم شعرا کا سلسلہ جاری رہا۔ چند نام یہ ہیں:

۱۔ جمیل العذری (۷۰۱ء)

۲۔ عمر بن ابی ربیعہ (۷۱۹ء)

۳۔ عجاج (۷۱۵ء)

۴۔ فرزدق (۷۲۸ء)

۵۔ جَریر (۷۲۸ء)

۶۔ اَخطل (۷۱۰ء)

۷۔ ذُوالرُّمہ (۷۱۹ء)

۸۔مروان بن ابی حفصہ (۷۹۷ء)

۹۔مسلم بن ولید

۱۰۔اَبان لَلا اِحقی (۸۱۵ء) اس نے کلیلہ دمنہ کو منظوم کیا تھا۔

۱۱۔عباس بن اَحنَف (۸۱۳ء)

۱۲۔ابونُواس (۸۱۰ء)

۱۳۔ابوالعتاہیہ (۸۲۸ء)

۱۴۔رابعہ (۸۰۱ء)

۱۵۔مُتنبّی (۹۶۵ء)

۱۶۔ابوفراس (۹۶۸ء)

۱۷۔ابنِ الرُّومی (۹۹۶ء)

۱۸۔ابنِ عبدربّہٖ (۹۴۰ء)

۱۹۔دِعبَل (۸۳۵ء)

ہم صفحات گزشتہ میں لکھ چکے ہیں کہ قرطبہ والی لائبریری کی فہرست چوالیس جلدوں میں تیار ہوئی تھی۔اس میں عرب شعرا کے نام آٹھ سو اسّی صفحات میں دیئے ہوئے ہیں۔سپین۔بغداد۔مصر اور شام تو رہے ایک طرف، سسلی میں، جہاں ہم صرف اڑھائی سو برس رہے۔کئی سو عربی کے شاعر پیدا ہوئے تھے۔ابن القطاع الصِقلی (۱۱۲۲ء) نے اپنی کتاب الدُّرۃ الخطیرہ میں سسلی کے ایک سو ستر شعرا کے حالات لکھے ہیں اور ان کے بیس ہزار اشعار نقل کیے ہیں۔یہ شوق عورتوں میں بھی تھا۔ قرطبہ کے اموی حکمران محمد اوّل (۸۵۲۔۸۸۶ء) کی دو بیٹیاں، عائشہ اور صفیہ اور ایک کنیز مُزنہ شاعرہ تھیں۔اَلحکم دوم (۹۶۱۔۹۷۶ء) کے محل میں چار لڑکیاں اعلیٰ بلند پایہ شاعرہ تھیں:

۱۔فاطمہ: جس کے ذاتی کتب خانے میں کئی ہزار کتابیں تھیں۔

۲۔خدیجہ: جو مُغنیہ بھی تھی۔

۳۔مریم: جو دوسروں کو بھی شعر گوئی سکھاتی تھی۔

۴۔ نجم السعید: جو حکایت گوئی میں بھی مشہور تھی۔

عربی شاعری کا اثر سپین پر یہ ہوا۔ کہ وہاں کی شاعری عربی سانچے میں ڈھل گئی۔ وہی قافیہ و ردیف کا سلسلہ، وہی بحریں اور وہی اوزان۔ یہاں تک کہ عربوں کے کیکر، ارنڈ، ریت کے ٹیلے، نیل گائے، آہو۔ اونٹ اور گھوڑا تک ہسپانوی شاعری کے اجزا بن گئے۔ ہجر و وصال کی داستان عربی رنگ اور عربی استعارات و محاورات کے ساتھ بیان ہونے لگی۔ شاعر حسب و نسب، آباو اجداد اوران کے جنگی کارناموں پہ اترانے لگے۔ بعض یورپی عربی میں شعر تک کہنے لگے۔ اس قسم کے دو شعر درج ذیل ہیں۔ یہ کیمبرج کے ایک پروفیسر ایڈورڈ ہنری پامر (۱۸۸۲ء) کی تخلیق ہیں۔ فنی لحاظ سے کچھ خامیاں ہیں۔ لیکن کوشش بری نہیں:

لَیتَ شعرِی هَل کَفِی ما قَد جَرٰی
مُذجَرٰی مِن عبرتی مِن مُقلَتی

ترجمہ: کاش مجھے علم ہوتا۔ کہ آنسوؤں کی جو جھڑی میری آنکھوں سے برس رہی ہے۔ وہ ختم ہوگئی ہے یا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

قَد بَرٰی عَظمی حُزنُ اَعظَمی
وفَنٰی جِسمی حاشا اَصغَری

ترجمہ: میری ہڈی (ہڈیوں) کو میرے بڑے غم نے جلا دیا ہے۔ اور زبان کے سوا (اصغری) باقی سارے جسم کو فنا کر دیا ہے۔

یورپ میں کسی گروہ کو ہماری عربی شاعری پسند آئی اور کسی کو فارسی۔ یورپ میں عرب شعرا کے تقریباً تمام دیوان حواشی، مقدمہ اور کچھ تراجم کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔ لیڈن نے دیوان لؤ نواس کے تین اور ابوفراس کے دو ایڈیشن شائع کیے ہیں۔ نیز ابوالعلا المعرّی کا دیوان ترجمے سمیت نکالا ہے۔ یہ ترجمہ ایچ۔ بر لین نے کیا تھا۔ کتاب الاغانی کا نہایت عمدہ ایڈیشن سولہ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ عنترہ کا کلام G. Rouger نے ایڈیٹ کیا ہے۔ فرزوق، ابن الہانی، خنسا، حسّان بن ثابت۔ متنبّی۔ لبید بن ربیعہ وغیرہ کا کلام آج تک یورپ میں چھپ رہا ہے۔ اس وقت تک معلقات، مفضلیات اور متنبّی کے کئی ایڈیشن یورپ میں بک چکے ہیں۔ مزید

تفصیل کے لیے ای جے برل (لیڈن) کی فہرست مطبوعات ملاحظہ فرمائیے:

یورپ ہماری فارسی شاعری سے بھی کسی حد تک متاثر ہوا تھا۔ تھامس مور (۱۸۵۲ء) کی لالہ رُخ اور میتھو آرنلڈ کی نظم سہراب و رستم میں ایرانی تصوّرات بہت نمایاں ہیں۔ جرمن شاعر شلر (۱۸۰۵ء) کے ڈرامہ تُوران دُخت کا پلاٹ نظامی کی حکایت "دخترِ پادشاہ (ہفت پیکر) اقلیم چہارم" سے ماخوذ ہے والٹیئر (۱۷۷۸ء) کی حکایات میں ماحول، ساز و سامان اور دیگر لوازمات مشرقی ہیں۔

۱۶۷۱ء میں ایک جرمن عالم الیریس نے سعدی کی بوستان و گلستان کا جرمنی میں ترجمہ کیا تھا۔ جس نے جرمن قوم اور ادب پہ گہرا اثر ڈالا۔ ۱۸۱۲ء میں فان ہیمر نے دیوان حافظ کو جرمنی میں منتقل کیا۔ اس سے گوئٹے (۱۷۴۹۔۱۸۳۲ء) بہت متاثر ہوا اور اس نے حافظ کے رنگ میں دیوان مغرب لکھا۔ جس میں فارسی استعارات و محاورات مثلاً تیرِ مژگاں، شامِ غریباں، زُلفِ گرہ گیر وغیرہ کثرت سے استعمال کیے ہیں اور مختلف حصّوں کے عنوان تک فارسی سے لیے ہیں۔ مثلاً "ساقی نامہ، عشق نامہ، مغنّی نامہ" وغیرہ۔ گوئٹے کے بعد پلاٹن اسی رنگ کا شاعر تھا۔ یہ رومی، جامی اور سعدی کا عالم تھا اور ان کے فلسفہ سے پوری طرح آشنا۔ راکرٹ۔ فان شاک لوشکے اور لنٹ ہولڈر بھی شاعری میں گوئٹے کے پیرو تھے۔

علم البیان والمعانی

نظم و نثر کی پسند و ناپسند کا عربی معیار دنیا بھر سے جداگانہ ہے۔ عربوں نے لفظی و معنوی محاسن پہ کتابیں لکھیں۔ ان کی تفصیل دی اور ان کے نام رکھے۔ مثلاً تجنیس، حُسنِ تعلیل، مراعات النظیر وغیرہ۔ عُیوب پہ روشنی ڈالی۔ اور اس فن کو "علم البیان والمعانی" کا نام دیا۔ عربی میں اس فن کی مشہور کتابیں مختصر معانی اور مُطوّل ہیں۔

۱۷۶۳ء میں شام کا ایک عیسائی عالم، جس کا نام کسیری تھا۔ اسکوریل لائبریری کا انچارج مقرر ہوا۔ اس نے وہاں اٹھارہ سو عربی مخطوطات کی ایک فہرست بھی تیار کی تھی۔ اسی کسیری[۱۲] کا بیان ہے۔ کہ اس نے اسکوریل کی لائبریری میں بیان و معانی پر عربوں کی تین سو تصانیف دیکھی

تھیں۔ اگر اسکوریل کی مختصر سی لائبریری میں اتنی کتابیں تھیں۔ تو اندازہ فرمایئے۔ کہ مصر بغداد اور شام کی لائبریریوں میں ان کی تعداد کیا ہوگی۔

تصوّف

تصوف عیسائیوں میں بھی موجود تھا۔ لیکن نہایت ہولناک قسم کا۔ عیسائی صوفیا دنیا کو شیطان کی بازی گاہ سمجھتے اور ہر آسائش ولذت سے بھاگتے تھے۔ وہ عمر بھر مُجرّد رہتے، کانٹوں اور میخوں پہ سوتے، بہت کم کھاتے اور اپنے آپ کو ہر قسم کی اذیّت پہنچاتے تھے۔ یہی حال ہندو اور بدھ راہبوں کا تھا۔ اسلام نے جہاں زندگی کے دیگر پہلوؤں میں انقلاب پیدا کیا۔ وہیں تصوف کا تخیل بھی از سر تا پا بدل ڈالا۔ اسلامی تصوف کے عناصر یہ ہیں:

۱۔ تمام گناہوں سے اجتناب

۲۔ عبادت

۳۔ پاکیزگی اخلاق یعنی نخوت، غیبت، حسد، حرص، نمائش، بدگوئی، بداندیشی، دنیا طلبی وغیرہ سے نفرت اور تواضع، انکسار، محبت، خدمت، قناعت، تسلیم ورضا وغیرہ کو عین حیات بنالینا۔

مسلم صوفیا کا یہی وہ اندازِ حیات تھا۔ جس نے دنیا کا دل موہ لیا۔ اور یہ لوگ جہاں بھی پہنچے، زُنّار ٹوٹتے اور بُت کدے سرد پڑتے گئے۔ یہ انہی کا اعجاز تھا۔ کہ غرناطہ کے پندرہ لاکھ عیسائی ہندوستان کے کروڑوں بت پرست اور ایران کے تمام مجوسی خدائے واحد کے پرستار بن گئے تھے۔ دنیا اس اعجاز نگہ کو دیکھ کر حیرت میں ڈوب گئی اور یورپ کے اہل قلم نے ہم پر "اسلام بزور شمشیر" کا الزام عائد کر دیا۔ حالانکہ تاریخ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ کسی مسلم فاتح نے کسی ایک فرد کو بھی جبراً مسلمان نہیں بنایا تھا۔ یہ درست ہے کہ اسلام نے مُحارب فریق کے سامنے اسلام یا جزیہ پیش کیا تھا۔ لیکن یہ تین متبادل شرائط میں سے ایک تھی۔ پہلی یہ کہ اگر محارب فریق شکست سے پہلے صلح کرنا چاہے تو لڑائی بند کر دو۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (قرآن)

اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں۔ تو صلح کرلو۔

لیکن شکست کے بعد جزیہ و اسلام میں سے ایک کا اختیار دو۔ جزیہ سے مراد کوئی بھاری تاوان نہیں۔ بلکہ غریب پر سالانہ ایک روپیہ اور امیر پر زیادہ سے زیادہ بارہ روپے ٹیکس تھا۔ ضعیف، دائمی مریض، بچے، عورتیں اور مفلس اس سے مستثنیٰ تھے۔ اگر کوئی شخص مذہب سے اتنا ہی دل برداشتہ ہو کہ ایک روپیہ بچانے کے لیے اسے ترک کر دے۔ تو قصور اس کا ہے نہ کہ اسلام کا۔ پھر یہ خیال بھی غلط ہے کہ اسلام لانے کے بعد پیسہ جمع کرنے کا لائسنس مل جائے گا۔ اسلام کا پہلا سبق ہی صلوٰۃ و زکوٰۃ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان عرب قبائل کے خلاف جو نماز تو پڑھتے تھے۔ لیکن زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔ اعلانِ جنگ کر دیا تھا، زکوٰۃ کے علاوہ قدم قدم پہ صدقات اور سالانہ عشر بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ ان حالات میں یہ ناقابل یقین ہے۔ کہ ایک غیر مسلم ٹیکس کے چند پیسوں سے گھبرا کر ایک ایسے نظام میں جا گھسے جہاں پیسہ بچنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔

اسلامی تصوف نے عیسائی، ہندو اور بدھ راہبوں کو جنگلوں اور غاروں سے نکال کر انسانی بستیوں میں لا آباد کیا، انہیں زندگی کی جائز لذتوں مثلاً نکاح، کھانا، پینا وغیرہ سے متمتع ہونے کی اجازت دی۔ فاقہ کشی نفس کشی اور جسمانی اذیتوں سے بچایا۔ اور انسانوں میں رہنا سکھایا۔ یورپ میں آج بھی بڑے بڑے صوفی، راہب اور پادری موجود ہیں۔ لیکن نفس کشی اور غار نشینی اور خود اذیتی کا وہ قدیم سلسلہ باقی نہیں رہا۔ اور یہ اثر ہے اسلامی تصوف کا۔

اسلام نے بڑے بڑے صوفی پیدا کیے تھے۔ مثلاً:

نام	سالِ وفات	وطن
۱۔ خواجہ حسن	۷۲۸ء	بصرہ
۲۔ رابعہ	۸۰۱ء	بصرہ
۳۔ ذوالنون	۸۶۰ء	مصر
۴۔ ابراہیم اَدہم	۸۹۵ء	شام
۵۔ جنید	۹۱۰ء	بغداد

٦۔حسین بن منصور حلاج	۹۲۲ء	بیضا (ایران)
۷۔شیخ ابوالقاسم	۱۰۵۹ء	جرجان
۸۔ابوالحسن علی ہجویری	۱۰۷۳ء	غزنی
۹۔غوث الاعظم شیخ عبدالقادر	۱۰۶۶ء	گیلان (ایران)
۱۰۔ابونجیب سہروردی	۱۱۶۸ء	سہرورد (زنجان)
۱۱۔ابوالحسن رفاعی	۱۱۷۵ء	عراق
۱۲۔خواجہ عثمان ہارونی	۱۲۱۱ء	خراساں
۱۳۔شیخ شہاب الدین سہروردی	۱۲۳۵ء	سہرورد
۱۴۔شیخ نجم الدین کبریٰ	۱۲۲۲ء	ایران
۱۵۔خواجہ شمس تبریزی	۱۲۴۸ء	تبریز
۱۶۔شیخ ابن العربی	۱۲۴۰ء	سپین
۱۷۔فریدالدین گنج شکر	۱۲۴۸ء	پاک پتن
۱۸۔شیخ اوحدالدین	۱۲۳۸ء	کرمان
۱۹۔شیخ ابوالحسن شاذلی	۱۲۵۸ء	عمان
۲۰۔شیخ فخرالدین عراقی	۱۲۸۷ء	ہمدان
۲۱۔مولانا جلال الدین رومی	۱۲۷۲ء	بلخ
۲۲۔خواجہ بہاؤالدین محمد نقش بند	۱۳۹۰ء	بخارا
۲۳۔امام غزالی	۱۱۱۱ء	نیشاپور

یہ سلسلہ بہت طویل ہے۔تفصیل کے لیے شیخ عطار کا تذکرۃ الاولیاء یا ادارۂ تصنیف وتالیف لاہور، کی انوارالاصفیا ملاحظہ فرمایئے۔میں صفحات گزشتہ میں عرض کر چکا ہوں کہ امام غزالی کا فلسفہ یورپ کی یونیورسٹیوں میں مدتوں پڑھایا جاتا رہا۔منصور حلاج کی کتاب الطواسین پر پیرس یونیورسٹی کا ایک پروفیسر میسی ناں کافی کام کر چکا ہے۔ابن العربی کی کتب ذیل یورپ میں شائع ہو چکی ہیں۔

کتاب	ایڈیٹر
۱۔فتوحات مکیہ	عبدالقادر الجزائری
۲۔التدبیرات الاصلاحیہ	فان۔ایچ۔ایس۔نائی برگ
۳۔طائف الاسرار	عطیہ طاہا واحمد زکی
۴۔رسالۃ القدس	M. Asin Palai Cios
۵۔ترجمان الاشواق	نامعلوم

امام غزالی کی کتب ذیل یورپ میں بک رہی ہیں:

کتاب	ایڈیٹر یا مترجم
۱۔کتاب الرجاء والخوف	ڈبلیو۔میک کین نے انگریزی ترجمہ کیا
۲۔ایّھا الولَد	توفیق صباغ
۳۔فیصل التفرقہ فی الاسلام والزندقہ	سلیمان دُنیہ
۴۔احیاء علوم الدین	ایل۔زولندیک نے انگریزی ترجمہ کیا
۵۔الاقتصاد فی الاعتقاد	نامعلوم
۶۔کیمیاء السعادۃ	فان۔ایچ۔ریٹر
۷۔مقدمۂ تہافتۃ الفلاسفہ	سلیمان دُنیہ
۸۔تہافتۃ الفلاسفہ	Bouyges

حضرت غوث الاعظم کی دو کتابیں غنیۃ الطالبین اور الفتح الربانی والفیض الروحانی۔یورپ میں چھپ چکی ہیں۔اوران کی ایک کتاب فتوح الغیب کو فان۔ڈبلیو۔برونی نے ایڈٹ کیا ہے۔ غزالی،ابن العربی،رومی،بسطامی اور دیگر صوفیا اسلام پر علمائے یورپ کافی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ نیز مآخذ تصوف یعنی قرآن حکیم کے بیسیوں تراجم ہو چکے ہیں۔اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا۔کہ یورپ اسلامی تصوف سے بدستور متاثر ہو رہا ہے۔

موسیقی

موسیقی کیا ہے؟ کسی بات کو سُر میں کہنا۔ ہمارے خطیب، موذن، قاری اور گانے والے شاعر سب کے سب موسیقار ہیں۔ ہر انسان موج میں آ کر گنگناتا ہے۔ جب چرواہا پہاڑوں اور بیابانوں کے سناٹے پر گھبرا اٹھتا ہے۔ تو گا کر دل بہلاتا ہے۔ شادی۔ پیدائش اور تہواروں پر لڑکے لڑکیاں، جوان اور بوڑھے سب گاتے ہیں، کوئی مصیبت ٹوٹ پڑے۔ تو عورتیں سُر میں روتی ہیں۔ دن کی تھکان دور کرنے، دل کی بھڑاس نکالنے، فوج کا حوصلہ بلند کرنے اور روح کی پیاس بجھانے کے لیے موسیقی سے بہتر کوئی اور چیز نہیں، ہندوؤں اور عیسائیوں کے ہاں موسیقی جزو مذہب ہے۔ لیکن اسلام نے اسے ایک نعمت قرار دیا ہے۔ بشرطیکہ جو چیز گائی جا رہی ہو۔ وہ حیوانی جذبات میں اشتعال کا باعث نہ بنے۔

ہمارے اسلاف نے سب سے پہلے یونانی ماہرین موسیقی کی کتابیں عربی میں منتقل کیں۔ مثلاً اقلیدس کی ایک کتاب عربی میں کتاب النغم کے عنوان سے منتقل ہوئی۔ اور مارطیس کا ترجمہ ''کتاب فی الآلۃ المصوتۃ'' کے نام سے ہوا۔ پھر انہوں نے اس فن کو خود منضبط کیا اور کئی کتابیں لکھیں۔ مثلاً:

۱۔ فارابی کی کتاب الموسیقی

۲۔ ابن الطیب السرخسی کی المدخل الی علم الموسیقی

۳۔ الفارابی کی کتاب ترتیب النغم، الرسالۃ الکبریٰ فی التالیف، کتاب المدخل الی الموسیقی، رسالۃ فی الایقاع۔ رسالۃ فی الاخبار عن صناعۃ الموسیقی

۴۔ خلیفہ معتز باللہ عباسی نے مامون کی ایک کنیز، عُریب پر جو ایک ہزار راگ گا سکتی تھی۔ ایک مستقل کتاب لکھی تھی۔

۵۔ مامون کی ایک اور کنیز بذل نے موسیقی پہ ایک کتاب لکھی۔ جس میں سات ہزار راگوں کا ذکر تھا۔ اس کتاب پر دربار، خلافت کی ایک ممتاز شخصیت، علی بن ہشام، نے بذل کو دس ہزار درہم انعام دیا تھا۔ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں بذل وعریب کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔

موسیقی پہ چند اور لکھنے والے یہ ہیں:۔

۱۔ مسعودی کی مروج الذہب میں موسیقی پر بھی بحث ملتی ہے۔

۲۔ ابوالفرج اصفہانی نے عربی موسیقی پہ چار کتابیں لکھیں۔

۳۔ محمد بن اسحاق الوراق (۹۹۵ء) نے موسیقی کی کتابوں اور موسیقاروں کی ایک طویل فہرست تیار کی۔

۴۔ حنین بن اسحاق نے موسیقی پر ارسطو کی دو اور جالینوس وفیثا غورث کی ایک ایک کتاب کو عربی میں ڈھالا۔

۵۔ ثابت بن قُرہ۔ (۹۰۱ء)

۶۔ ابوالوفا بوزجانی (۹۹۸ء)

۷۔ ابن سینا (۱۰۳۷ء)

۸۔ ابن زیلہ، سینا کا شاگرد (۱۰۴۸ء)

۹۔ ابن الہیثم (۱۰۳۹ء)

۱۰۔ ابوالصّلت امیّہ (۱۱۳۴ء)

۱۱۔ ابن النقاش (۱۱۷۸ء)

۱۲۔ علم الدین قیصر (۱۲۵۱ء)

۱۳۔ نصیر الدین طوسی (۱۲۷۴ء)

۱۴۔ ابن فرناس اندلسی (۸۸۸ء)

۱۵۔ مسلمۃ المجریطی اندلسی (۱۰۰۷ء)

۱۶۔ ابن رشد (۱۱۹۸ء)

۱۷۔ ابن سبعین اندلسی (۱۲۶۹ء)

۱۸۔ابن باجہ اندلسی (۱۱۳۸ء)

۱۹۔خلیل عروضی (۷۹۱ء)

۲۰۔ابوالمجد (۱۱۸۰ء)

۲۱۔اسحاق الموصلی (۸۵۰ء) نے عربی راگ کو فیثا غوری ہیئت و قواعد میں ڈھالنا چاہا، الاصفہانی (۹۶۷ء) نے اس میں ایرانی موسیقی کے عناصر شامل کیے۔اوران دونوں سے پہلے مشہور عرب موسیقار ابن مسجہ رومی موسیقی کی طرف مائل تھا۔ان تینوں کی کوشش سے جو موسیقی تیار ہوئی۔وہ ایرانی رومی اور عربی موسیقی کا حسین امتزاج تھی۔

تیرہویں صدی کا ایک برطانوی مغنی، والٹراڈنگٹن، اپنی تحریرات میں عرب اساتذۂ موسیقی کا ذکر بڑے فخر سے کرتا ہے۔

تمام اموی و عباسی خلفا موسیقی کے دل دادہ تھے۔خلیفہ عمرو بن عبدالعزیز (اموی) چند سُروں کے بھی موجد تھے، مامون کے دربار میں عُریب، بذل اور سُوسن کے علاوہ ابراہیم موصلی، اسحاق بن ابراہیم موصلی، یحییٰ مکی اور کئی دیگر اماماِن موسیقی موجود تھے۔ابراہیم کا ماہانہ مشاہرہ دس ہزار درہم تھا۔فریڈرک دوم کے تمام درباری موسیقار عربی النسل تھے۔سپین میں جب کسی شہر میں کسی شادی یا تہوار پر گانے والوں کی ضرورت محسوس ہوتی تو قرطبہ یا غرناطہ سے عرب گانے والوں یا والیوں کو بلایا جاتا تھا۔

عرب ماہرین ؒ موسیقی نے یورپ پہ گہرا اثر ڈالا۔اور وہاں ان کی تصانیف کے تراجم ہونے لگے۔مثلاً:

۱۔ جالینوس وارسطو نے بھی موسیقی پہ کتابیں لکھی تھیں۔جنہیں حنین نے عربی میں منتقل کیا تھا۔ ان عربی تراجم کو بعض یورپی اہل قلم نے لاطینی لباس پہنایا۔

۲۔ الفارابی کی کتاب موسیقی کو جیرارڈ (۱۱۸۷ء) اور جہین (۱۱۲۷ء) نے لاطینی میں منتقل کیا۔

۳۔ اینڈریوالپاک (۱۵۲۰ء) اور جہین نے بوعلی سینا کی کتب موسیقی کو لاطینی میں ڈھالا۔

۴۔ مائیکل سکاٹ (۱۲۳۲ء) نے ابن رشد کی اُس کتاب کا لاطینی ترجمہ کیا۔جو اس نے ارسطو کی کتاب موسیقی پر بطور شرح لکھی تھی۔

۵۔ قسطنطین افریقی نے عربوں کی جن کتابوں کا ترجمہ کیا تھا۔ان میں ایک موسیقی پر بھی تھی۔

۶۔ یورپ کے ایک عالم Gundi Salvus (۱۱۳۰۔۵۰ء) کی تصنیف Divsione Philosophiae میں ایک باب موسیقی پر ہے۔جو الفارابی کا لفظی ترجمہ ہے۔

۷۔ راجر بیکن (۱۲۹۴ء) کی کتاب Opus Tertium میں ایک باب موسیقی پر ہے۔اس میں وہ اقلیدس و بطلیموس کے ساتھ ساتھ سینا و فارابی کی آرا بھی پیش کرتا ہے۔والٹر اوڈنگٹن (۱۲۸۰ء) اپنی تصنیف De Spculatione Musices میں اور اینگل برٹ (۱۳۳۱ء) اپنی کتاب De Musica میں سینا کی آرا کو بڑی وقعت دیتا ہے۔

۸۔ مرادیہ (چیکوسلاویکیہ) کے ایک عالم جیروم نے تیرھویں صدی میں موسیقی پر De Musica کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تھی۔جس میں ایک باب فارابی پر ہے۔

۹۔ رابرٹ کلورڈبی (۱۲۷۹ء) ریمنڈلل (۱۳۱۵ء) سائمن ٹن سٹیڈ (۱۳۶۹ء) اور آدم دی فیوڈا (۱۴۹۰ء) نے جو کچھ موسیقی پہ لکھا۔وہ عرب اساتذہ سے ماخوذ تھا۔

۱۰۔ عیسیٰ بن اسحاق یہودی نے بوعلی سینا کی قانون کو جس میں موسیقی پر بھی بحث ہے،عبرانی میں منتقل کیا تھا۔

۱۱۔ ایک اور یہودی ابراہیم بن حِیّہ (۱۱۳۶ء) نے ابُو الصّلت اُمیّہ (۱۱۳۴ء) کی ایک کتاب کا جو موسیقی پہ تھی،عبرانی میں ترجمہ کیا۔

۱۲۔ چند اور یہودیوں نے بھی عربی کتب کو عبرانی میں ڈھالا تھا۔جن میں سے مشہور یہ ہیں۔
موسیٰ بن طبّن (۱۱۸۳ء) ابن عقنن (۱۲۲۶ء) اور اسحاق طرطوسی (۱۲۶۷ء)

"راجر بیکن ۵ے اور ایڈلارڈ آف باتھ اپنے طلبہ سے کہا کرتے تھے کہ اگر علم سیکھنا ہے۔تو یورپ کے مدارس سے نکل کر عربوں کی درسگاہوں میں جاؤ۔"

سسلی میں علم کی نہریں

عرب دنیا کے جس خطے میں بھی پہنچے۔اپنی تابدار تہذیب، لازوال،علوم و فنون اور روشن روایات ساتھ لے گئے۔ یہ ہر جگہ ابرِ رحمت بن کر برسے اور دلوں کی ویران و برباد بستیوں کو بہارستانوں میں بدل گئے۔

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

(غالب)

ایک زمانہ تھا۔ کہ ہر سو مسلمانوں میں کم از کم پانچ اہل قلم ہوتے تھے۔ جن کی زبان، نوک کلک، شخصیت اور کردار سے علم و عرفاں کی نہریں بہتی تھیں۔ آج ان کی تعداد ستر کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن کہیں کوئی رازی، سینا، کندی، فارابی اور رومی نظر نہیں آتا۔ بہاریں چلی گئیں۔ نہریں سوکھ گئیں اور قلب و دماغ منجمد ہو گئے۔

رفتہ رفتہ اس قدر بربادیٔ محفل ہوئی
مشتہر دنیا کے ویرانوں میں یہ منزل ہوئی

گو سسلی میں مسلمانوں کا قیام مختصر سا تھا۔ لیکن اس قلیل عرصے میں بھی انہوں نے وہاں بڑے بڑے علما پیدا کیے۔ جنہوں نے مختلف موضوعات پر گراں قدر کتابیں لکھیں۔ مثلاً:

قرآن

نام	سالِ وفات	تصانیف
۱۔ ابوطاہر اسماعیل بن خلف	۱۰۶۵ء	۱۔ کتاب الاکتفاء فی القراۃ
		۲۔ کتاب العنوان فی القرأۃ
۲۔ ابوعبداللہ محمد بن ابی الفرج الذکی المارزی	۱۱۲۲ء	کتاب الاستیلا (قرأت)
۳۔ ابن فحام	۱۱۲۱ء	۱۔ کتاب التجرید (قرأت)
		۲۔ مفردات القرآن
۴۔ ابوعمرو عثمان بن علی السّرقوسی		کتاب مخارجِ الحروف

۵۔ نجم الدین ابنِ ظفر الصقلی	۱۱۶۵ء	۱۔ تفسیر کبیر
		۲۔ ینبوع الحیات
		۳۔ فوائد الوحی
		۴۔ فی احکام الآلٰہیہ
		۵۔ فی شرح اسماء الحسنٰی
۶۔ محمد بن خراسان	۹۹۷ء	۱۔ تفسیر
		۲۔ اعراب القرآن
		۳۔ کتاب الناسخ والمنسوخ

حدیث

مختلف تذکروں میں سسلی کے تقریباً چالیس محدثین کا ذکر ملتا ہے۔ سسلی کا فاتح قاضی اسد بن فرات (۸۲۸ء) بھی ایک بلند پایہ محدث اور حدیث میں امام مالک کا شاگرد تھا۔ چند اور نام یہ ہیں:

۱۔ ابوبکر علی بن داود سمطاری	۱۰۷۲ء	المُدَوَّنۃ الکُبریٰ
۲۔ ابوبکر محمد بن سابق (سائق)	۱۰۸۳ء	شرح المسالک
۳۔ ابوعبداللہ محمد بن علی بن عمر التمیمی	۱۱۴۲ء	کتاب العلم (شرح صحیح مسلم) اس کتاب پر ڈاکٹر گرفنی نے ایک طویل مقالہ لکھا تھا۔

فقہ

تذکروں میں اندازاً پینتیس فقہا کے نام ملتے ہیں۔ چند نام یہ ہیں:

۱۔ابو محمد عبدالحق بن محمد بن ہارون السہمی	۱۰۶۴ء	۱۔تہذیب المطالب ۲۔الاستدراک علی البراذعی ۳۔النکت والفروق
۲۔ابن یونس الصقلی	۱۰۵۹ء	۱۔شرح المدونہ ۲۔علم الفرائض
۳۔ابوعبداللہ فخر الدین محمد بن محمد الصقلی	۱۳۲۷ء	کتابُ التّنجیز
۴۔ابن الحکار الصقلی		۱۔شرح المدونۃ ۲۔الانتقاد
۵۔ابن براذعی قیروانی		۱۔مطوّل التہذیب ۲۔مختصر التہذیب

الکلام

۱۔ابن ظفر الصقلی	۱۱۶۵ء	۱۔کتاب المعادات ۲۔کتاب التّحییر
۲۔امام محمد بن مسلم مارزی	۱۱۳۶ء	۱۔ایضاح المُرہان ۲۔کتاب الکشف والِانباہ (غزالی کی تردید) ۳۔نظم الفرائد فی عِلم العقاید

تصوّف

تذکروں میں صرف بارہ صوفیا کے حالات ملتے ہیں۔ان میں مشہور ترین ابوبکر محمد بن احمد (۹۱۷ء) ابوالحسن علی حریری (۹۳۱ء) ابوالقاسم عتیق بن محمد (۱۰۳۱ء) اور ابوالقاسم البکری تھے۔ آخرالذکر کی ایک تصنیف انوار الصِقلیہ کا ایک نسخہ لیڈن میں بھی موجود ہے۔

تاریخ وسیرت

۱۔ابن حمدیس	۱۱۳۵ء	تاریخ الجزیرۃ الخضرا
۲۔شیخ ابوعتیق سمنطاری	۱۰۷۲ء	۱۔اخبار الصالحین۔دس جلد
		۲۔اخبار العلما
۳۔بوعلی حسن بن یحیٰ		تاریخ الصقلیہ
۴۔ابن القطاع الصقلی	۱۱۲۲ء	۱۔تاریخ الصقلیہ
		۲۔الدّرۃ الخطیرہ اس میں سسلی کے ایک سو ستر شعرا کے حالات ہیں۔
		۳۔کتاب السیف
		۴۔کتاب الابنیہ
		۵۔کتاب العروض والقوافی
		۶۔الحواشی علی صحاح الجوہری
۵۔ابن ظفر الصقلی		۱۔خیر البشر
		۲۔اعلام النبوۃ
		۳۔سلوان المطاع (حریری کے رنگ میں ادبی کتاب جس کا ترکی ترجمہ ۱۷۵۴ء میں محمد امین نے اور اطالوی زبان میں ۱۸۵۱ء میں مائیکل ایمری نے کیا)
		۴۔کتاب السفر
		۵۔کتاب الجود
		۶۔کتاب الصنائع

٦۔ابن بشرون الصقلی		المختار فی النظم والنثر (معاصر شعرا واُدبا کے حالات)

زُبان ولُغت

اس موضوع پہ لکھنے والوں کے صرف چند نام ملے ہیں:۔

ا۔ابن رشیق	۱۰۶۱ء	ا۔کتاب الشذ ور فی اللغتہ
		۲۔دیوان
		۳۔کتاب المساوی
		۴۔میزان العمل
		(صرف پہلی کتاب لغت پر ہے)
۲۔صاعِد بن حسن بن عیسیٰ	۱۰۲۶ء	کتاب الفصوص
۳۔ابن القوطیہ		کتاب الافعال۔تین جلد۔(اس کا ایک نسخہ میلان، دوسرا رام پور اور تیسرا اسکوریل میں ہے)
۴۔عمر بن خلف		تقیف اللّسان

شُعرا

سسلی میں شعرا کی تعداد کافی زیادہ تھی۔ان میں سے ابوالعرب مصعب (۱۱۱۴ء) ابن الشو سی اور ابن حمدیس (۱۱۳۵ء) نے کافی شہرت حاصل کی۔ابن حمدیس کا دیوان ۱۸۸۲ء میں پلر مو سے اور ۱۸۹۷ء میں رومہ سے شائع ہوا۔

طِب

یوں تو سسلی میں لاتعداد اطبا تھے۔لیکن صرف تین کی طبی وغیر طبی تصانیف باقی رہ گئی ہیں۔

یعنی:

۱۔ابو محمد عبدالسلام بن ابراہیم	۱۳۲۲ء	کتاب الجراحۃ
۲۔احمد بن عبدالسلام		۱۔کتاب الاِطبا (اس کا ایک نسخہ لیڈن اور ایک تونس میں ہے)
		۲۔شرح ارجوزہ
۲۔ابو سعید بن ابراہیم		اَل مُن جَح فی التداوی (ایک نسخہ پیرس میں)

متفرّق

۱۔ ابنِ حوقل ۹۷۵ء بطور سیاح۔ سسلی میں آیا تھا۔

اس کا سیاحت نامہ کتاب المسالک والمما لک سسلی کے ذکر سے شروع ہوتا ہے۔

۲۔ ابن جُبیر (۱۲۱۸ء) کے سفر نامہ رحلۂ ابنِ جُبیر، کی ابتدا بھی سسلی کے حالات، سے ہوتی ہے۔ یہ حصہ ۱۸۴۶ء میں فرانسی ترجمہ کے ساتھ پیرس سے شائع ہوا تھا۔ ۱۸۵۲ء میں پورا سفر نامہ فرانس سے نکلا۔ ۱۹۰۷ء میں گب میموریل نے بڑے اہتمام سے اس کا ایک ایڈیشن نکالا۔

۳۔ ادریسی (۱۱۶۶ء) راجر دوم (۱۱۰۵۔۱۱۵۴ء) کا درباری عالم تھا۔ اس نے جغرافیہ کی مشہور کتاب اِختراق الآفاق۔ راجر ہی کے لیے تصنیف کی تھی۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ رومہ سے ۱۲۹۲ء میں شائع ہوئی تھی اور اس کا اطالوی ترجمہ ۱۶۱۹ء میں نکلا تھا۔

۴۔ ابنِ بشرون نے کیمیا وصنعت پر دو کتابیں 'سِرُّ الکیمیا اور عَمَل الِاصباع والمداد' کے نام سے لکھیں۔

۵۔ سعید بن فتحوں شجرۃ الحکمۃ اور تعدیل العلوم کے مصنف تھے۔

۶۔ خلفائے فاطمی کے ایک سفیر شیخ جمال الدین نے ایک کتاب اِنبرُوریہ کے نام سے فریڈرک دوم (۱۲۱۲۔۱۲۵۰ء) کے لیے لکھی تھی۔

۷۔ اسی فریڈرک نے قدامتِ عالم اور روح کے متعلق چند سوالات سپین کے ایک فلسفی ابن سبعین (۱۲۶۱ء) سے پوچھے تھے۔ ان کے جواب میں ابن سبعین نے ایک کتاب المسائل الصقلیہ لکھ کر بھیجی تھی۔

سسلی کے مترجمین

سسلی میں بھی بعض ایسے یہودی و عیسائی علما تھے۔ جنھوں نے عربوں کی چند کتابوں کو لاطینی وغیرہ میں منتقل کیا تھا۔ مثلاً:

۱۔ قسطنطین[۶] افریقی نے تقریباً اسّی کتابوں کو لاطینی میں منتقل کیا۔

۲۔ فرقوط (فرج بن سالم) نے رازی کی الحاوی کا ترجمہ کیا۔

۳۔ موسیٰ یہودی نے، جو پلرمو کا باشندہ تھا، بقراط کے عربی تراجم کا ترجمہ کیا۔

۴۔ مائیکل سکاٹ (۱۲۳۵ء) نے، جو فریڈرک دوم کا درباری تھا۔ ارسطو کے تمام طبیعی عربی تراجم کو لاطینی لباس پہنایا۔

کچھ ترجمے اٹلی میں بھی ہوئے تھے۔ مثلاً:

۱۔ سٹیفن نے علی عباس ایرانی کے تراجم کیے۔

۲۔ ۱۲۰۰ء میں افرسیس نے جالینوس کے ایک عربی ترجمے کو لاطینی میں تبدیل کیا۔

۳۔ ۱۲۵۵ء میں بناقشہ یہودی نے ابن رشد کے تراجم کیے۔

۴۔ ۱۲۸۰ء میں وینس کے پراویسیس نے ابن زُہر کی کتاب التیسیر کو لاطینی میں منتقل کیا۔

۵۔ اٹلی کے ایک اور فاضل اینڈریوالپاگو (۱۵۲۰ء) نے سینا کی قانون نیز دو اور کتابوں کا ترجمہ کیا۔

یہ ترجمے صدیوں بطور نصاب استعمال ہوتے رہے۔

سسلی کے متعلق مآخذ

سسلی کی سیاسی وادبی تاریخ کے لیے ان مآخذ کی طرف رجوع فرمایئے:

۱۔ طبقات الشافعیہ۔ سبکی

۲۔ معجم البلدان۔ یاقوتی

۳۔ معالم الایمان۔ ابن ناجی

۴۔ کتاب العبر ۔ ذہبی

۵۔ تاریخ کبیر۔ ابنِ عساکر

۶۔ دیباج المذہب۔ ابنِ فرحون

۷۔ ترتیب المدارک۔ قاضی عیاض

۸۔ بغیۃ الوعاہ۔ سیوطی

۹۔ رحلۃ ابن جبیر

۱۰۔ کتاب المسالک والممالک۔ ابن حوقل

عربی علوم انگلستان میں

۱۹۴۰ء کے آغاز میں ڈاکٹر برنارڈ لوئس نے "انگلستان اور عربی علوم" کے موضوع پر بی۔بی۔سی لنڈن سے چھ تقریریں نشر کی تھیں۔ جن کی ایک نقل مجھے بھی بھیجی گئی تھی۔ ان تقاریر کا ماحصل درج ذیل ہے۔

عربوں نے سپین اور سسلی میں ایک ایسی شاندار تہذیب کی بنا ڈالی جس کی نظیر دنیا میں کہیں اور موجود نہ تھی۔ عربوں کے بعد بھی ان کا اثر مدتوں باقی رہا۔ ان کے جانشین عیسائی بادشاہ دو سو برس تک عربی لباس پہن کر عربی بولتے اور عربی میں پڑھتے پڑھاتے رہے۔ عربی علوم کے حصول کا شوق اس حد تک تھا۔ کہ طلباء دور دور سے عربی درسگاہوں میں آتے تھے۔ گو سپین اور انگلستان کے درمیان ایک ہزار میل تک بحرِ اوقیانوس پھیلا ہوا تھا۔ اور کشتیوں میں سفر از بس خطرناک تھا۔

تاہم برطانیہ کے شائقین علم سپین، سسلی، مصر اور بغداد تک جاتے تھے۔

۱۔ بارہویں صدی میں باتھ شہر کا ایک باشندہ جس کا نام ایڈلارڈ تھا، حصول علم کے لیے اسلامی ممالک میں گیا، عربی میں مہارت پیدا کی اور بعد ازاں زندگی بھر عربی کتابوں کو لاطینی میں منتقل کرتا رہا۔

۲۔ طامس براؤن نے عربی علوم خصوصاً فقہ میں وہ مہارت پیدا کی۔ کہ اسے سسلی کے ایک مسلم فرمانروا نے اپنا قاضی بنالیا تھا۔

۳۔ چیسٹر شہر کا رابرٹ بارہویں صدی میں سپین پہنچا۔ علم ریاضی میں مہارت پیدا کی۔ اور پھر متعدد عربی کتابیں لاطینی میں منتقل کیں۔

۴۔ ڈینیل مارلے مدتوں سپین میں پڑھتا رہا۔ وہاں سے جب واپس لوٹا تو عربی کتابوں کا ایک انبار ساتھ لے گیا۔ جنہیں شائقین نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

۵۔ مائیکل سکاٹ بھی ایک برطانوی باشندہ تھا۔ جس نے سسلی میں تعلیم پائی۔ ارسطو کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اور خود بھی کیمیا و ہیئت پہ کتابیں لکھیں۔

راجہ بیکن عربی کا بہت بڑا فاضل اور عربی علوم کا از بس دلدادہ تھا۔ اس کے کارناموں پر صفحات گزشتہ میں کافی بحث ہو چکی ہے۔

چاسر (۱۴۰۰ء) اور لڈگیٹ (۱۴۵۱ء) انگلستان کے مشہور شعرا تھے۔ اور عربی علوم و تہذیب کے از بس مداح۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے۔ کہ انگلستان کے پہلے پریس کیکسٹن میں سب سے پہلے عربی کی ایک کتاب کا انگریزی ترجمہ طبع ہوا تھا۔ اس کتاب کا نام مختار الحکم تھا۔ جو مصر کے ایک امیر مبشر بن فاتک کے قلم سے نکلی تھی۔

اصل کتاب ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔ اس کا ایک مخطوطہ ہالینڈ کے ایک کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کا ترجمہ یورپ کی بعض دیگر زبانوں میں بھی ہوا ہے۔

علمائے برطانیہ نے عربی علوم کے سلسلے میں کیا خدمات سرانجام دیں۔ اس کا مختصر سا جائزہ حاضر ہے۔

۱۔ ولیم بیڈول (۱۵۶۱۔۱۶۳۲ء) کہا کرتا تھا۔ کہ صحیح علم کے لیے عربی سیکھنا ضروری ہے۔ اس

کا وہ مقالہ آج بھی موجود ہے۔ جس میں اس نے عربی سیکھنے پر زور دیا تھا۔ اس نے چند اور کتابیں بھی لکھی تھیں۔ مثلاً:

ا۔ سات جلدوں میں ایک عربی لغات تیار کیا تھا۔ جو ابھی تک شائع نہیں ہوا۔

ب۔ ان عربی الفاظ کی فہرست تیار کی تھی جو یورپ کی مختلف زبانوں کا حصہ بن چکے ہیں۔

ج۔ قرآن عظیم پہ چند کتابیں لکھیں۔

۲۔ ایڈمنڈ کاسٹل (۱۶۰۶۔۱۶۸۵ء) کیمبرج میں پروفیسر تھا۔ اس کی تصانیف یہ ہیں:

a۔ سامی زبانوں کا لغات اٹھارہ برس میں تیار کیا۔ یہ کتاب ۱۶۶۹ء میں چھپی۔

b۔ عربی کی اہمیت پر ایک کتاب لکھی۔

c۔ اپنی عربی نظموں کا دیوان مرتب کیا اور اسے شاہِ چارلس دوم (۱۶۶۰۔۱۶۸۵ء) کی طرف منسوب کیا۔ ایڈمنڈ شاعر تھا اور عربی میں شعر کہا کرتا تھا۔

۳۔ جان گریوز (۱۶۰۲۔۱۶۵۲ء) اوکسفرڈ میں علم ہیئت کا پروفیسر تھا۔ اس نے عربی علوم کے لیے مصر و بغداد کا سفر کیا۔ اور پھر:

ا۔ عربی صرف ونحو لکھی۔

ب۔ عربوں کی چند کتب ریاضی ایڈٹ کیں۔

ج۔ عربوں کی ریاضی پہ چند کتابیں لکھیں۔

اس کا بھائی طامس گریوز بھی عربی کا فاضل اور چند مقالات کا خالق تھا۔

۴۔ سیموئل کلارک (۱۶۷۵۔۱۷۲۹ء) نے عربی عروض پہ ایک مقالہ لکھا اور بلادِ عرب کا ایک لغات تیار کیا۔

۵۔ جان سلڈن (۱۵۸۴۔۱۶۵۴ء) برطانیہ کا مشہور قانون دان جو برسوں پارلیمان کا ممبر بھی رہا، عربی علوم کا گرویدہ تھا۔ اس نے عربی مخطوطات کا بہت بڑا ذخیرہ فراہم کیا۔ نیز عربی کی ایک تاریخی کتاب کا ترجمہ بھی کیا۔

۶۔ ایڈورڈ پوکاک (۱۶۰۴۔۱۶۹۱ء) ولیم بیڈول کا شاگرد تھا۔ بچپن ہی سے عربی کا گرویدہ تھا۔ ۱۶۳۰ء میں یہ حلب پہنچا۔ اور وہاں کے ایک عالم شیخ فتح اللہ سے پانچ سال پڑھتا رہا۔ واپسی پر عربی کتابوں کی ایک خاصی تعداد ساتھ لایا۔ ۱۶۳۶ء میں اوکسفرڈ یونیورسٹی میں

عربی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ ایک سال بعد دوبارہ عربی درسگاہوں میں گیا۔ چار برس اور تعلیم حاصل کی۔ ۱۶۴۱ء میں لوٹا۔ اور باقی زندگی تدریس وتصنیف میں گذار دی۔ پہلے سفر میں یہ شام سے انجیر کا ایک پودا بھی ساتھ لایا تھا۔ جو اس نے اوکسفرڈ کے احاطے میں لگا دیا تھا۔ اب یہ درخت جوان ہو چکا تھا۔ پوکاک اسی کے سائے میں بیٹھ کر کتابیں لکھتا تھا۔ اس کی تصانیف یہ ہیں:

a۔ ابوالفرج بن سالم یہودی کی تاریخ المختصر فی الدُّول کا خلاصہ لکھا۔ (طبع ۱۶۴۹ء) بعد میں ترجمہ بھی کیا۔

b۔ طغرئی کی عربی تعلیم لامیۃ العجم کی شرح لکھی۔ طبع ۱۶۶۱ء۔

c۔ کثیر تعداد میں عربی موضوعات پر مقالے لکھے۔

d۔ اس کے بعض غیر مطبوع مسودات باڈلین یونیورسٹی میں محفوظ ہیں۔

۷۔ پوکاک (۱۶۴۸۔ ۱۷۲۷ء) ایڈورڈ پوکاک کا بیٹا اور ہم نام تھا۔ عربی سے محبت ورثے میں ملی تھی۔ اس کی تصانیف یہ ہیں:

ا۔ عبداللطیف کی تاریخ مصر کا ترجمہ کیا۔

ب۔ نیز ابن طفیل کی ایک کتاب کو انگریزی میں ڈھالا۔

۸۔ پیریڈو Prideaux (۱۶۴۸۔ ۱۷۲۸ء) نے رسول اکرم ﷺ پہ ایک کتاب لکھی۔

۹۔ چاپلو Chappelow (۱۶۸۳۔ ۱۷۶۸ء) نے طغرانی کی لامیۃ العجم اور حریری کی مقامات کا انگریزی ترجمہ کیا۔

۱۰۔ کارلائل (۱۷۹۵۔ ۱۸۸۱ء) نے ایک بغدادی سیاح سے، جو کیمبرج میں آ گیا تھا۔ عربی پڑھی۔ اور پھر بعض عربی نظموں کو انگریزی میں منتقل کیا۔

۱۱۔ سائمن اوکلے (۱۶۷۸۔ ۱۷۲۰ء) پوکاک کا شاگرد تھا اور کیمبرج میں عربی کا پروفیسر تھا۔ اس کی تصانیف یہ ہیں:

a۔ اسلام کی سیاسی وتمدنی تاریخ۔ تین جلد

b۔ ابن طفیل کی حیّ بن یقظان کا انگریزی ترجمہ

c۔ اسلامی علوم کی اہمیت پر ایک کتاب

۱۲۔ جارج سیل (۱۶۹۷۔۱۷۳۶ء) ایک وکیل تھا۔ ٭ نے اوقات فرصت میں عربی پڑھی۔ اور پھر قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

۱۳۔ سر ولیم جونز (۱۷۴۶۔۱۷۹۴ء) نے عرب کے بدوؤں اور وہابیوں پہ ایک کتاب لکھی۔ نیز عربی امثال کا ترجمہ کیا۔

۱۴۔ جی۔ ایچ۔ ہنڈلے نے متنبی کے حالات انگریزی میں لکھے۔

۱۵۔ ای۔ ڈبلیو۔ لین (۱۸۰۱۔۱۸۷۶ء) مصر میں تین سال رہا۔ وہاں سے عربی سیکھی اور پھر:

ا۔ عربی الف لیلہ کا انگریزی ترجمہ کیا۔

ب۔ مصریوں پہ ایک کتاب لکھی۔

ج۔ ۱۸۴۴ء میں عربی لغات لکھنا شروع کی۔ اس پر پچیس سال صرف کیے لیکن مکمل نہ ہو سکی۔

۱۶۔ ایڈورڈ ہنری پامر (۱۸۴۰۔۱۸۸۲ء) کیمبرج کا پروفیسر اور عربی زبان کا شاعر بھی تھا۔ اس کے دو شعر صفحات گزشتہ میں نقل ہو چکے ہیں۔ اس زمانے میں جب شاہِ ایران نے برطانیہ کا دورہ کیا۔ تو پامر نے اس سیاحت پر اردو میں ایک مضمون لکھا تھا۔ جو ہندوستان کے ایک رسالے میں شائع ہوا تھا۔ اس کی تصانیف یہ ہیں:

a۔ مصری شاعر بہاؤالدین زُہیر کا منظوم انگریزی ترجمہ

b۔ عربی گرَیمر

c۔ ہارون الرشید کے سوانح

d۔ فارسی لغات

e۔ صحرائے سینا کے حالات

f۔ کیمبرج لائبریری کے عربی و فارسی مخطوطات کی فہرست

g۔ کئی عربی و فارسی کتابوں کا انگریزی ترجمہ

۱۷۔ پروفیسر ولیم رائٹ (۱۸۴۰۔۱۸۸۹ء) کی تصانیف یہ ہیں:

ا۔ ابنِ جُبیر کا سفر نامہ

ب۔ عربی گریمر۔ دو جلد

ج۔ مُبرد کی الکامل ایڈٹ کی

د۔ المقّری کی تاریخ اندلس کی اشاعت میں
ڈوزی (۱۸۸۳ء) کا ہاتھ بٹایا۔

۱۸۔ رابرٹ سن سمتھ (۱۸۴۶۔۱۸۹۴ء) کیمبرج میں عربی کا پروفیسر تھا۔ کچھ عرصہ کے لیے انسائیکلو پیڈیا برطانیکا کا چیف ایڈیٹر بھی رہا۔ اس نے زمانہ جاہلیت اور عرب میں رسوم نکاح پر کئی کتابیں لکھیں۔

۱۹۔ سر ولیم میور (۱۸۱۹۔۱۹۰۵ء) اسلامی تاریخ، حضور ﷺ کے سوانح اور حفاظت پر کئی کتابوں کا مصنف ہے۔

۲۰۔ ولفریڈ بلنٹ (۱۸۴۰۔۱۹۲۲ء) عربی زبان میں گفتگو بھی کر سکتا تھا۔ اس نے عراق و نجد پر کتابیں لکھیں اور سبعہ معلقات کا انگریزی ترجمہ کیا۔

مذکورہ بالا اہل قلم کے علاوہ بیسیوں اور ہیں۔ جنہوں نے یا تو مختلف عربی کتب کے ترجمے کیے۔ اور یا اسلامی موضوعات پہ مستقل کتابیں لکھیں۔ مثلاً آرنلڈ اے۔ اے۔ بیون، سر چارلس لائل، لین پول، مارگولیتھ، نکلسن، براؤن، آربری وغیرہ۔ تقاضائے وقت یہ ہے کہ فرانس۔ اٹلی۔ جرمنی، سپین اور انگلستان کے تمام ایسے علماء کی فہرست تیار کی جائے۔ جنہوں نے یا تو کسی عربی کتاب کا ترجمہ کیا تھا اور یا اسلامی تاریخ و تہذیب پہ کچھ لکھا تھا۔

متفرق تراجم

قرونِ وسطیٰ میں یورپی اہل قلم نے طبع زاد کتابیں بہت کم لکھیں۔ ان کی توجہ زیادہ تر تراجم کی طرف رہی۔ بیشتر تراجم کا ذکر صفحات گزشتہ میں ہو چکا ہے چند دیگر مترجمین ؎ کے نام یہ ہیں:

مترجم کا نام	سال وفات	کتاب	کس زبان میں ترجمہ کیا
۱۔ پیٹر ایبٹ آف کلونی	۱۲۸۰ء	قرآن	لاطینی
۲۔ یہودا ابن سال اندلسی	۱۱۹۰ء	چند عربی کتب	عبرانی

۳۔سیموئل بن یہوداابن سال اندلسی	۱۲۳۲ء	ابن میمون کی چندعربی کتابیں	عبرانی
۴۔موسیٰ بن طبن		عربی اقلیدس، سینا کی قانون، ابن رشدکی مختصرشروح ارسطو	عبرانی
۵۔ یعقوب (سیموئل کا پوتا)		چندعربی کتابیں	عبرانی
٦۔یعقوب اناطولی	پ۱۱۹۴ء	ارسطوکی طویل شروح ازابن رشد	عبرانی
۷۔شم طاب (مارسیلز)	۱۲٦۴ء	کتاب المنصوری ازرازی	عبرانی
۸۔ایڈل ہارڈ	۱۱۲٦ء	خوارزمی کی الواح ہیئت	لاطینی
۹۔رابرٹ آف چیسٹر	۱۱۴۴ء	خوارزمی کی الجبرا	لاطینی
۱۰۔پلاٹوآف ٹِوالی	۱۱۴۵ءمیں زندہ	ابراہیم بن حِیّہ کی کتاب حساب	لاطینی
۱۱۔جیرارڈ آف کریمونہ (اٹلی)	۱۱۸۷ء	اسّی عربی کتابیں (سینا۔جالینوس ارشمیدس۔رازی۔کندی۔ فارابی۔ابنِ رُشدوغیرہ)	لاطینی
۱۲۔مائیکل سکاٹ	۱۲۳۵ء	بطروجی کی کتاب التَیسیر ارسطوکی کتاب الحیوانات نیزمتعددطبیع و مابعدالطبیعی کتب عربی	لاطینی
۱۳۔جیمز (اٹلی)	۱۱۲۸ء	سائنس کی چندکتابیں	لاطینی
۱۴۔یُوجین (سسلی)	۱۱۵۴ءمیں زندہ	بطلیموس کی کتاب المناظروالمجسطی	لاطینی
۱۵۔ مارک کانن (طلیطلہ)	بارھویں صدی	حنین وجیش کی تصانیف	لاطینی

یورپ کی حیاتِ ثانیہ

وحشی اور جاہل یورپ جہالت و بربریت کی دلدل سے کیسے نکلا۔ بعض متعصب اور جاہل یورپی اہل قلم کا تجزیہ یہ ہے۔ کہ جب ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد نے استنبول کو فتح کیا۔ تو وہاں سے یہودی علما بھاگ کر یورپ کے دیگر حصوں میں پہنچے، اور ان کے نور علم سے یورپ میں اجالا ہو گیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ یہودی اتنے ہی باعلم تھے۔ تو استنبول پہ کیوں تاریکی محیط رہی، شرقی رومہ میں ان کی روشنی کیوں نہ پھیلی؟ یہ بات کون تسلیم کرے کہ جن یہودیوں کے پاس اہل رومہ کے لیے جگنو کا ایک شرر تک نہیں تھا۔ وہ یورپ میں پہنچتے ہی علم کے آفتاب بن گئے۔ صحیح بات وہی ہے۔ جو ڈریپر، بریفالٹ اور ول ڈیوران جیسے مزاج علماء نے کہی ہے۔ ان کے اقوال ملاحظہ ہوں:

۱۔ ''یورپ کی حیاتِ ثانیہ عربوں کی وجہ سے ہوئی۔ یورپ کی حیاتِ نو کا گہوارہ اٹلی نہیں بلکہ سپین تھا۔ جس وقت یورپ جہالت و بربریت کے تاریک ترین گڑھوں میں گرا ہوا تھا۔ اس وقت بغداد، قاہرہ، قرطبہ اور طلیطلہ سے وہ تہذیب و زندگی نمودار ہو رہی تھی۔ جس نے بعد میں انسانی ارتقا کو اک نئی صورت دی۔''

(ملخص) (تشکیلِ انسانیت ص ۲۴۴)

یہی فاضل ذرا آگے چل کر لکھتا ہے:۔

''اگر عرب نہ ہوتے۔ تو عصر رواں کی مغربی تہذیب جنم ہی نہ لیتی۔ یورپی نشو و نما کا کوئی پہلو ایسا نہیں، جس میں اسلامی تہذیب کا یقینی سراغ نہ مل سکے۔۔۔ یہ صحیح ہے۔ کہ عربوں نے کوئی کاپرنیکی یا نیوٹن پیدا نہیں کیا۔ لیکن عربوں کے بغیر کاپرنیکی یا نیوٹن کا پیدا ہونا ناممکن تھا۔'' (ملخص)

(تشکیل انسانیت ص ۲۴۶)

ڈاکٹر ڈریپر فرماتے ہیں:

"قرونِ وسطیٰ میں سائنس کی ترقی مسلمانوں کی بدولت تھی۔ اس وقت عیسائی دنیا پر جہل واوہام کی تاریکی محیط تھی۔ اور انہیں علمی مشاغل کی ہوا تک نہیں لگی تھی۔" (معرکۂ مذہب وسائنس ص ۲۲۱)

بریفالٹ کہتے ہیں:

"بازنطینیوں نے ہزار سال گزار دیے اور تہذیب وثقافت کے ارتقاء میں کوئی حصہ نہ لیا۔ جس روشنی سے چراغ تہذیب پھر روشن ہوا، وہ رومی و یونانی ثقافت کے ان شراروں سے نہیں نکلی تھی جو یورپ کے کھنڈروں میں سلگ رہے تھے بلکہ اسے عرب اپنے ساتھ لائے تھے۔"

(ملخص تشکیل ص ۲۳۴)

پروفیسر آرنلڈ لکھتے ہیں:

"عربی کتابوں کے سینکڑوں تراجم یورپ کی برباد زمین پر بارش بن کر برسے اور مختلف شعبہائے علم نے انگڑائی لی۔" (میراث ص ۳۵۱)

لیبان کا قول ہے:

"یورپ نے عربوں سے تہذیب حاصل کی۔ یورپ میں عربوں کے علوم سپین، سسلی اور اٹلی کی راہ سے پہنچے اگر عربوں کا نام یورپ کی تاریخ سے نکال دیا جائے تو یورپ کی حیاتِ ثانیہ کئی سو سال پیچھے جا پڑتی ہے۔"

(تمدن عرب ص ۵۱۳)

ایس۔ پی۔ سکاٹ کا ارشاد ہے۔

"فریڈرک دوم نے مسلمانوں کے سارے علوم یورپ میں پھیلائے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو ممالک اس کے زیرِ نگیں نہیں تھے۔ ان میں بھی علمی تحریک پیدا ہو گئی۔۔۔۔ اور وہ یورپ جس پر اندھیرا چھایا ہوا تھا، ابن رشد کے فلسفہ، ابن بیطار کے علم نباتات، ابوالقاسم کے علم جراحی، ابن العوام کے

علم زراعت اور ابن الخطیب کے علم تاریخ سے آشنا ہو گیا۔۔۔۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ عصر رواں کی تمام ایجادات و برکات عربوں ہی کی طفیل ہیں۔" (ملخص)

(اخبار الاندلس ترجمہ ہسٹری آف دی مورش امپائر)

(ج ۳۔ ص ۵۸و۱۰۵)

---

۱ یہ تفاصیل ان آخذ سے لی گئی ہیں۔

معرکۂ مذہب و سائنس	ڈاکٹر ڈریپر
تشکیل انسانیت	رابرٹ بریفالٹ
تمدن عرب	موسیو لیبان
دی عربس	فلپ ہٹی
تہذیب اسلامی	پکتھال
تاریخ ادب عربی	پروفیسر نکلسن
میراث اسلام	پروفیسر آرنلڈ و الفریڈ
ایج آف فیتھ	ول ڈیوران
المامون	شبلی
میراث عرب	امین فارس
فلسفہ و تہذیب	چارلس۔ اے۔ مور
ہسٹری آف دی مورش امپائر	ایس۔ پی۔ سکاٹ
تاریخ صقلیہ	سیّد ریاست علی ندوی

۲ تمدن عرب ص ۴۳۸

۳ تمدن عرب ص ۴۴۰

۴ تمدن عرب ص ۴۳۸

۵ ایج آف فیتھ ص ۲۹۸

۶ دی عربس ص ۱۳۷

۷ ایج آف فیتھ ص ۲۰۶

۸۔ تمدن عرب ص ۲۸۴
۹۔ ایج آف فیتھ ص ۲۰۸
۱۰۔ معرکۂ مذہب وسائنس ص ۱۵
۱۱۔ تشکیل انسانیت ص ۲۵۵
۱۲۔ تشکیل انسانیت ص ۱۸۸
۱۳۔ تشکیل انسانیت ص ۲۵۶
۱۴۔ تشکیل انسانیت ص ۲۴۷
۱۵۔ تشکیل ص ۲۲۰
۱۶۔ ایج آف فیتھ
۱۷۔ تمدن عرب ص ۴۳۳
۱۸۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
۱۹۔ میراث ص ۲۳۳
۲۰۔ ایج آف فیتھ ص ۳۰۵
۲۱۔ فلسفہ وتہذیب مشرق ومغرب میں۔از چارلس اے مور ص ۱۷۶
۲۲۔ ایک روایت یہ ہے کہ مروان بن حکم (۶۸۳۔۶۸۵ء) نے یہ ترجمہ کرایا تھا۔
۲۳۔ تمدن عرب ص ۴۴۵
۲۴۔ میراث ص ۳۲۹
۲۵۔ میراث ص ۳۲۵
۲۶۔ میراث ص ۳۲۶
۲۷۔ تمدن عرب ص ۴۵۱
۲۸۔ میراث ص ۳۳۰
۲۹۔ میراث ص ۳۳۰
۳۰۔ ایج آف فیتھ ص ۳۳۰
۳۱۔ میراث ص ۳۳۸
۳۲۔ میراث ص ۳۴۰
۳۳۔ میراث ص ۳۴۰
۳۴۔ میراث ص ۳۳۱۔۳۳۲

۳۵۔ معرکہ مذہب و سائنس ص ۴۲۸

۳۶۔ میراث ص ۲۷۲

۳۷۔ میراث ص ۲۷۸۔۲۷۹

۳۸۔ سپین کا ایک یہودی، جو فلسفہ و تصوف میں ابن مسرہ اندلسی (۹۳۱ء) کا پیرو تھا۔ اس نے Fons Vitae کے عنوان سے ایک عربی میں کتاب لکھی تھی جو بعد میں لاطینی میں ترجمہ ہوئی۔

۳۹۔ معرکۂ مذہب و سائنس ص ۲۰۲

۴۰۔ فرانسس اٹلی کا ایک پادری تھا (۱۱۸۲۔۱۲۲۶ء) جس نے کوڑھیوں اور اپاہجوں کی خدمت کے لیے ۱۲۱۰ء میں ایک فرقے کی بنا ڈالی۔ جو فرانسکن کے نام سے مشہور ہے۔

۴۱۔ ٹارچ بیئرز آف ہسٹری ص ۵۵

۴۲۔ میراث ص ۲۷۵۔۲۷۶

۴۳۔ میراث ص ۲۷۱

۴۴۔ معرکۂ مذہب و سائنس ص ۴۱۳

۴۵۔ معرکۂ مذہب و سائنس ص ۴۱۵

۴۶۔ ایج آف فیتھ ص ۳۲۱

۴۷۔ میراث ص ۳۹۰

۴۸۔ میراث ص ۳۹۵

۴۹۔ ایج آف فیتھ ص ۳۲۱

۵۰۔ میراث ص ۳۸۱

۵۱۔ میراث ص ۳۸۰

۵۲۔ میراث ص ۳۸۷

۵۳۔ میراث حاشیہ ص ۳۸۸

۵۴۔ میراث ص ۳۹۴

۵۵۔ میراث ص ۳۹۵

۵۶۔ میراث ص ۱۱۵

۵۷۔ معرکۂ مذہب و سائنس ص ۱۶۰

۵۸۔ مولانا کراچی میں ۱۹۶۳ء میں بعمر ۷۱-۷۲ سال زندہ تھے۔ عصر رواں میں عربی ادب کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ان کی کئی کتابیں مصر میں چھپ چکی ہیں۔ آپ ہمیشہ عربی میں لکھتے تھے۔

۵۹ تمدن عرب ص ۳۷

۶۰ تمدن عرب ص ۴۳۲

۶۱ تمدن عرب ص ۴۲۷

۶۲ تاریخ ادب عربی از ڈاکٹر نکلسن ص ۲۵۷

۶۳ میراث ص ۹۶

۶۴ راقم نے لغت کے متعلق بیشتر مواد اسی مقالہ سے لیا ہے جو ادارۂ معارف اسلامیہ ہند کی روداد اجلاس اول ص ۳۶۶ میں شائع ہوا تھا۔ یہ اجلاس ۱۹۳۴ء میں ہوا تھا۔

۶۵ میراث ص ۱۹۶

۶۶ مزید تفاصیل کے لیے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام "الف لیلہ" ملاحظہ فرمائیے۔

۶۷ میراث ص ۲۰۱

۶۸ میراث ص ۳۷۔۳۹

۶۹ میراث ص ۲۰۱

۷۰ تاریخ ادب عربی۔ نکلسن ص ۱۲۸

۷۱ تمدن عرب ص ۳۷۱

۷۲ تمدن عرب ص ۴۱۶

۷۳ المامون۔ شبلی ص ۱۳۷

۷۴ میراث ص ۳۶۹

۷۵ میراث ص ۳۷۱

۷۶ میراث ص ۳۲۴-۳۲۵

۷۷ یہ تمام تفاصیل ول ڈیوران کی ایج آف فیتھ ص ۹۱۰ سے حاصل کی گئی ہیں۔

چھٹا باب

ماضی، حال اور مستقبل

آپ اپنے تابدار و عظیم ماضی کی داستان پڑھ چکے ہیں۔ حال آپ کے سامنے ہے۔ اس وقت صورتِ حال یہ ہے۔ کہ مسلمان جہاں بھی ہیں، خواہ وہ آزاد ہیں یا غلام، علم میں پس ماندہ، اقتصادی لحاظ سے محتاج اور اخلاقی حیثیت سے کئی امراض میں مبتلا ہیں، سوال یہ ہے۔ کہ جو مسلمان ساری کائنات کو علوم وفنون، اخلاق، تہذیب اور تمدن کا درس دے رہا تھا۔ اسے یکا یک کیا ہو گیا۔ کہ اس کے اعضا شل، حوصلے سرد اور دماغی قوا مفلوج ہو گئے۔ اس سوال کا کوئی اطمینان بخش جواب آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ میرا تجزیہ یہ ہے:۔

اول۔ اسلام نے پہلی چھ صدیوں میں بڑے بڑے علما و حکما پیدا کیے تھے۔ انہوں نے نہ صرف یونانیوں کی میراث اخلاف کو دی تھی، بلکہ طبع زاد تصانیف کے بھی انبار لگا دیئے تھے۔ علم کے یہ دریا وادیٔ حیات میں ہر چار سو رواں تھے کہ دنیائے اسلام پہ تاتاری آگ بن کر برسے اور ہر خشک و تر کو جلا گئے۔ انہوں نے ہماری سلطنت کو ختم کر دیا۔ کتابیں جلا دیں اور تقریباً تمام علما کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ظاہر ہے کہ جن بچوں کا استاد قتل کر دیا جائے اور ان کی ہاتھ سے کتابیں چھین لی جائیں۔ وہ جاہل بن جائیں گے۔ اگر کوئی کسر رہ گئی تھی۔ تو وہ اِیزابلا، فرڈینان، صلیبی عیسائیوں اور پادریوں نے پوری کر دی۔ ان لوگوں نے قرطبہ، غرناطہ، طلیطلہ، اشبیلیہ، تونس اور دیگر مقامات پر ہماری تقریباً ساٹھ لاکھ کتابیں جلا دیں۔ اور علمائے کرام کو قتل کر دیا۔ چند سو سال بعد جب اسلامی ممالک پر مغربی اقوام کا تسلط ہو گیا۔ تو یہ لوگ خاص سازش کے تحت ہماری بچی کھچی کتابیں اپنے ہاں لے گئے۔ آج ہمارے اسلاف کی باقی ماندہ کتابیں لیڈن، لندن، پیرس، برلن اور اسکوریل میں تو موجود ہیں۔ لیکن اسلامی ممالک میں بہت کم ملتی ہیں۔

دوم۔ جونہی ہم خوارزمی، سینا، جابر بن حیان اور الکندی جیسے علماء کی تصانیف اور ان کے تلامذہ کے فیض سے محروم ہو گئے۔ تو ہمارا تصور علم مسخ ہو گیا۔ ہم فقہ، ادب، شعر، نحو، حدیث اور تفسیر

ہی کو علم سمجھنے لگے اور تسخیر عناصر کا آئیڈیل نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ہم اس حقیقت سے غافل ہو گئے۔ کہ زندگی روح و جسم ہر دو کا نام ہے۔ اسلام دونوں کی تربیت کرتا اور دنیا و آخرت ہر دو پہ نظر رکھتا ہے۔ مسلمان کی تمام تر توجہ دنیائے دل کی طرف مبذول ہو گئی۔ اور وہ کائنات ارضی کے تمام انعامات سے محروم ہو گیا۔

سوم۔ گو الکیمیا، الجبرا اور ٹیکنالوجی کے موجد ہم تھے۔ لیکن تدریس کو ہم ایک تحریک نہ بنا سکے۔ ہم نے اصلاح اخلاق اور درس قرآن پر تو بے شمار وعظ کیے۔ لیکن حصول طبیعیات اور تسخیرِ کائنات پر ایک جملہ تک نہ کہا۔ پھر سائنس اور ٹیکنالوجی میں رابطہ قائم نہ رکھ سکے۔ جابر بن حیان کے بعد سائنس زبانی زبانی پڑھاتے رہے۔ اور تجربات کے لیے کوئی تجربہ گاہ قائم نہ کی۔

چہارم۔ گو ہمارے سلاطین کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ لیکن ہارون، مامون، عبدالرحمان، الحکم، نوح بن منصور سامانی، ملک شاہ اور سنجر کے سوا باقی کسی اور نے علم کی طرف توجہ ہی نہ دی۔ اگر دی بھی تو صرف شعر و موسیقی کی طرف۔ نتیجہ یہ کہ اہل قلم فکرِ معاش میں الجھ گئے۔ اور تصنیف و تخلیق کے لیے وقت نہ نکال سکے۔

ایک زمانہ تھا۔ کہ تمام دنیا یونان کے گُن گاتی تھی۔ اس کے بعد ایک ہزار سال تک۔ شرق و غرب پہ ہم مسلط رہے۔ دنیا ہماری نقل اتارتی۔۔۔۔۔۔ ہماری زبان بولتی، ہمارا لباس پہنتی اور ہمارے علوم پڑھتی رہی۔ آج خشک و تر پر غرب کا علم لہرا رہا ہے۔ ہر طرف مغربی تہذیب کا چرچا ہے۔ چین، جاپان، ملایا، برما، جزائر شرق الہند، بھارت، پاکستان، ایران، افریقہ اور تمام عربی ممالک کے طلبہ اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ یا ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں جاتے ہیں۔ ایشیا اور افریقہ کے ہر طالب علم کو علم کی خاطر انگریزی، فرانسیسی یا جرمن زبان سیکھنی پڑتی ہے۔ کل دنیا کی قیادت ہمارے پاس تھی۔ ہماری اجازت کے بغیر کوئی پتہ تک نہیں ہلتا تھا۔ اور یورپ کے بڑے بڑے فرمانروا ہمارے باجگزار تھے۔ لیکن آج دنیا کی سیادت یورپ کے پاس ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ صورت حال ہمیشہ یونہی رہے گی؟ جواب ہے، غالباً نہیں، قوموں کی طرح تہذیبوں کی بھی خاص عمر ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایک قوم کی تہذیب اس کے زوال کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔

اس کی مثال مصر، بابل اور یونان ہیں۔ کہ جونہی ان اقوام کا سیاسی زوال ہوا۔ ان کی تہذیبیں دم توڑ گئیں۔ اور کبھی کبھی بعد از زوال بھی باقی رہتی ہے۔ مثلاً بھارت، جو بارہ سو سال تک محکوم رہنے کے باوجود اپنی تہذیب سے چمٹا رہا۔ یہی حالت اسلامی تہذیب کی ہے۔ کہ مسلسل مار کھانے کے بعد بھی زندہ ہے۔ اور اب حیاتِ ثانیہ کا خواب دیکھ رہی ہے۔

غربی تہذیب کا مستقبل

تہذیب مغرب کے چند روشن پہلو بھی ہیں۔ مثلاً اہل یورپ کا بے پناہ علم، ذوقِ تجسس، محنت، ابنائے وطن۔ سے محبت آزادی سے الفت، تسخیر کائنات کا جنون، صفائی، چمک، شوقِ تعمیر، بلندیٔ ہمت، جرأت، استقلال، جفاطلبی شجاعت وغیرہ۔ لیکن کچھ خرابیاں بھی ہیں۔ جو اس تہذیب کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں۔

اول۔ تمیز رنگ ونسب، جو اس حد تک بڑھ گئی ہے۔ کہ کئی سال پہلے ایک سرخ حبشی کو امریکہ کی ایک درس گاہ میں داخل کرانے کے لیے فوج بلانی پڑی تھی۔ امریکہ کے صدر کینیڈی کو دسمبر ۱۹۶۳ء میں ٹیکساز کے اوزویلڈ نے محض اس لیے گولی ماردی۔ کہ وہ مساوات انسانی کا قائل تھا۔ لنڈن میں آئے دن اسی بنا پر پاکستانیوں اور افریقیوں پر حملے ہوتے رہتے ہیں۔ یہی حال فرانس اور سپین کا ہے۔ جنوبی افریقہ اور روڈیشیا میں گوروں کی حکومت ہے۔ اور یہ لوگ اہل افریقہ کے لیے وبال جان بنے ہوئے ہیں۔ جنوبی افریقہ کو برطانیہ نے کامن ویلتھ سے نکالا۔ اقوامِ متحدہ نے متفقہ قرار دادِ ملامت پاس کی۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بھارت کی طرح نسل کشی کی راہ پہ بدستور رواں ہے۔ بھارت مسلمانوں کو ذبح کر رہا ہے اور وہ افریقیوں کو۔

ابن آدم کی یہ توہین نہ اللہ کو پسند ہے اور نہ اس کی مخلوق کو، بے گناہوں کا لہو انتقام فطرت کو آواز دے رہا ہے۔ اور ایک نہ ایک دن یہ فریاد سنی جائے گی۔

دوم۔ مغربی تہذیب کی دوسری خرابی توہین عورت ہے۔ ان لوگوں نے عورت کو خواہ وہ ماں یا بیٹی، جنس بازار بنا رکھا ہے۔ آج وہاں پاک دامانی وعصمت کا کوئی تصور باقی نہیں رہا۔ غیرت کا

جنازہ نکل گیا ہے۔ اگر کسی گھر میں کوئی باغیرت موجود ہے۔ تو اس کا کام بیوی کی بے راہ روی اور بیٹی کی آوارہ گردی پہ کڑھنا ہے و بس۔ لڑکی آج شام جیک کے ساتھ جارہی ہے۔ کل جل کے ساتھ اور پرسوں جم کے ساتھ ہوگی۔

یورپ میں ایک نوجوان کو شام گذارنے کے لیے عموماً اشیائے ذیل کی ضرورت پڑتی ہے۔

اول: شراب کی بوتل۔	قیمت ستر ڈالر
دوم: نمکین اشیاء، سوڈا وغیرہ۔	دس ڈالر
سوم: ٹیکسی	بیس ڈالر
چہارم: سنیما	دس ڈالر
پنجم: سگریٹ	پانچ ڈالر
ششم: ہوٹل میں رات کا کھانا	چالیس ڈالر
ہفتم: مشاغل شب سے فارغ ہونے کے بعد تحائف یا نقد	پچاس ڈالر
میزان:	دوسو ساٹھ ڈالر

کیا اتنی رقم ہر نوجوان روزانہ کما سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں، کیا وہ ان اشیاء کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے؟ گناہ میں بڑی لذت ہوتی ہے۔ اس لذت کی خاطر وہ یہ رقم یا تو کسی سے ادھار لے گا، یا ڈاکہ ڈالے گا اور اگر بے ہمت ہے۔ تو چند روز کے بعد خودکشی کر لے گا۔

یہی وجہ ہے کہ یورپ میں خودکشی اور بینک لوٹنے کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

''پاکستان ٹائمز'' مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۶۳ء میں یہ خبر درج تھی۔ کہ ریاستہائے متحدہ جیسے خوشحال ملک میں یکم جنوری سے یکم نومبر ۱۹۶۳ء تک دس لاکھ افراد نے خودکشی کی۔ کیوں؟ بھوک کی وجہ سے؟ امریکہ میں بھوک کہاں؟ اس کی وجہ یا تو جذبۂ رقابت ہو سکتا ہے اور یا اسباب عیش کی نایابی۔

فحش کاری کو یا تو حکومت روک سکتی ہے۔ اور یا رائے عامہ جس ملک میں یہ دونوں بند شیں موجود نہ ہوں۔ وہاں مرد و زن کا اختلاط بڑھتا جاتا ہے۔ اور آخرکار ساری قوم اس دلدل میں

ڈوب کر دنیا و مافیہا سے غافل ہو جاتی ہے۔ نیرو کی قوم، ہندوستان کے مغلوں، بغداد کے آخری عباسیوں، کیانیوں، ساسانیوں اور بابلیوں کے ساتھ یہ حادثہ پیش آ چکا ہے۔ اور اگر یورپ نہ سنبھلا تو اس کا حشر بھی وہی ہو گا۔

جنسی آلودگی انسان کو ناکارہ، بے ہمت اور تساہل پسند بنا دیتی ہے۔ وہ زندگی کے حادثوں کو برداشت کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اور بالآخر ایک طاقتور دشمن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔

سوم۔ یورپی تہذیب کی تیسری خرابی ''حیوانیت'' ہے۔ حیوانیت سے مراد روحانی تقاضوں سے غافل ہو کر جسمانی لذتوں کے پیچھے بھاگنا ہے۔ انسان جسم و روح ہر دو کا مجموعہ ہے۔ جسم فانی ہے۔ اور روح ازلی و سرمدی، ہر جسمانی لذت کے ساتھ ایک دُکھ وابستہ ہے، لیکن رُوح کی لذتیں الم سے ناآشنا ہوتی ہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک پادری شام تک دس آدمیوں سے سگریٹ اور شراب چھڑا کر گھر آتا ہے۔ اور دوسری طرف ایک نوجوان شراب کے دس گلاس پی کر بکواس کرتا پھرتا ہے۔ فرمایئے کس کی لذت عمیق و پائیدار ہے؟ ایک شخص دو روپے کما کر ایک روپیہ کسی اپاہج یا اندھے کو دے آتا ہے۔ اور دوسرا کسی راہ رو سے دس روپے چھین لاتا ہے۔ کہیے ان میں سے خوش کون ہے؟ روح کو عمدہ موسیقی، خوبصورت نظاروں، بہاروں اور ادب پاروں سے بھی لذت ملتی ہے۔ لیکن یہ لذت پائیدار، عمیق اور مستقل لذت عبادت میں ہے، عبادت روح کو خدائے کائنات سے ہم کلام اور نوریانِ عرش کا ہم عناں بنا دیتی ہے۔ یہ روح کی قوت، زینت، عظمت اور زندگی ہے۔ یورپ اس لحاظ سے بدنصیب ہے۔ کہ وہ قوت کے اس عظیم سرمائے سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ اور یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ کہ جس جسمانی قوت کے ساتھ روحانی طاقت شامل نہ ہو۔ وہ ناکارہ ہو جاتی ہے۔

چہارم۔ یورپ کی چوتھی خرابی استعمار یعنی ایشیا کے ممالک میں لوٹ مار کرنا اور انہیں کمزور رکھنا ہے۔ یورپ نے دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے اول ایشیا و افریقہ۔ ان کا فرض اہل یورپ کے لیے غلّہ پیدا کرنا اور ان کی مشینوں کے لیے خام مال مثلاً کپاس، چمڑا، پٹ سن، ربڑ وغیرہ بہم پہنچانا ہے۔ دوم یورپ و امریکہ، جن کا کام موٹریں اور فولادی مصنوعات ایشیا و افریقہ

میں فروخت کرنا ہے۔ایشیائی وافریقی اپنی پیداوار میں جتنا اضافہ کرتے ہیں۔اہل یورپ موٹر یا ٹریکٹر کی قیمت اتنی ہی بڑھا دیتے ہیں۔اگر ۱۹۳۴ء میں ایک زمیندار ہزار من گندم دے کر ایک موٹر خرید سکتا تھا۔تو آج اسے ایک موٹر کے لیے پانچ ہزار من غلہ دینا پڑتا ہے۔مطلب یہ کہ زرعی اقوام اپنی پیداوار میں کتنا ہی اضافہ کریں۔وہ غریب تر ہوتی جائیں گی اور یورپ زیادہ امیر بنتا جائے گا۔اس لوٹ کھسوٹ کا انسداد ایک ہی طریقے سے ہوسکتا ہے۔کہ ایشیا وافریقہ کے تمام ممالک اپنے ہاں بھاری صنعتیں لگا کر اپنے خام مال کو گھر ہی میں استعمال کریں،لیکن اس میں یورپ کی موت ہے۔اس لیے یورپ ایشیا میں بھاری صنعت کو روکنے کے لیے ہر قدم اٹھائے گا۔خواہ وہ جنگ ہی کیوں نہ ہو۔آج ایشیا کی اقوام جاگ اٹھی ہیں اور اپنے ہاں بھاری صنعتیں لگانے کی کوشش کررہی ہیں۔اگر وہ کامیاب ہوگئیں۔تو یورپ میں غذا و مالِ خام کی قلت ہوجائے گی۔اس کی صنعتوں کو نقصان پہنچے گا۔آسودہ حالی رخصت ہوجائے گی۔اس کے اوقاتِ فرصت کم ہوجائیں گے۔اسے علمی وادبی تخلیقات کے لیے وقت نہیں ملے گا۔اور یہ ہوگی یورپ کی رجعت قہقہری۔یعنی دورِ جہالت کی طرف واپسی۔

پنجم۔وطنیت۔اللہ نے انسان کو ایک باپ کی پشت سے پیدا کیا تھا۔ہمارا فرض تھا۔کہ ہم اس اخوت کو قائم رکھتے۔لیکن جونہی انسانی قیادت یورپ کے ہاتھ میں آئی۔اس نے انسان کو برطانیہ،فرانس،جرمنی،ایران اور افغانستان میں بانٹ دیا۔اور اس تقسیم کا نتیجہ یہ ہوا۔کہ انسان انسان کا بیری بن گیا۔انسانوں کو متحد رکھنے کے لیے مذہب محکم ترین رشتہ تھا جسے یورپ نے ترک کردیا۔جغرافیائی اور لسانی بنیادوں پہ قومیت کی تعمیریں اٹھالیں۔اور پھر ہر قوم دوسری کی تخریب و تباہی کے منصوبے سوچنے لگی۔صرف بیس برس کی قلیل مدت میں دو تباہ کن جنگیں ہوچکی ہیں۔پہلی جنگ (۱۹۱۴۔۱۹۱۸ء) میں چھ کروڑ انسان زخمی یا ہلاک ہوئے تھے اور دوسری (۱۹۳۹۔۱۹۴۵ء) میں بارہ کروڑ۔

وطنیت،انسان کو خود غرض،تنگ نظر اور متعصب بناتی اور انسانیت کے مقامِ بلند سے اٹھا کر فرقہ بندی کے جہنم میں پھینک دیتی ہے۔یہ تصور کس قدر ہولناک ہے۔کہ ایک برطانوی کسی

جرمن، اطالوی یا فرانسیسی کا بھلا سوچ ہی نہیں سکتا۔ انسانیت کی یہ منزل بہیمیت و بربریت کے زیادہ قریب ہے۔ بیشک آج یورپ کے پاس علم کے لامحدود خزائن ہیں۔لیکن اس کا علم تن پروری عیاشی اور دوسروں کی تباہی پہ صرف ہو رہا ہے۔ اس نے ابھی تک انسانیت کبریٰ دنیائے دل، عشق، الوہیت، انسان کی آقائی و خدائی کے متعلق سوچا ہی نہیں۔ اس نے علم کو ارتقائے انسانیت کے لیے استعمال ہی نہیں کیا۔ اور اب ایک ایسی جنگ کی علامات نمودار ہو رہی ہیں۔ جو یورپ کی تہذیب کو جلا کر راکھ دے گی۔ اور ممکن ہے کہ کرۂ زمین سے زندگی ہی کو ختم کر دے۔

یہ درست ہے کہ اسلام بھی تقسیم انسانیت کا قائل ہے۔لیکن وہ انسانیت کو صرف دو گروہوں میں بانٹتا ہے۔ اول۔ مومن۔ جو الہامی ہدایات پہ عامل ہوں، دوم۔ کافر جو خدا کے باغی اور اقدار سماویہ کے منکر ہوں۔ یہ کافر برائے نام مسلمانوں میں بھی ہوتے ہیں۔ اسلام خدائی نظام کا نام ہے۔ اور اس کا طرز عمل بالکل واضح ہے۔ وہ ہر نیک انسان کو اپنا بھائی سمجھتا ہے۔ خواہ وہ کالا ہو یا گورا ایرانی ہو یا تورانی، ہندی ہو یا چینی اور ہر بدکار کے خلاف لڑتا ہے۔ خواہ وہ اسلام کا نام لیوا ہی کیوں نہ ہو۔ ہمارے حضور ﷺ نے حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی کی نمازِ جنازہ مدینہ میں پڑھی تھی۔ اور شرقی رومہ کے شہنشاہ ہرقل کو لکھا تھا۔ کہ:۔

> ''آؤ ہم اور تم ان احکام پہ مل کر عمل کریں۔ جو قرآن و تورات میں مشترک ہیں۔''

اسلام کا مقصد وحدت آدم تھا۔ اور یہ خط اس حقیقت پہ شاہد ہے۔ ہمارے بعض علماء نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا۔لیکن واقعات اس روایت کی تائید نہیں کرتے۔ نجاشی ایک بادشاہ تھا۔ اگر وہ مسلمان ہو جاتا۔ تو ہمارے تمام مورخین اس واقعہ کو وضاحت سے بیان کرتے۔ پھر اس کے اسلام کا کچھ نہ کچھ اثر اس کے اپنے گھر پر بھی پڑتا۔لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ نجاشی کے گھرانے میں کسی اور مسلمان کا سراغ نہیں ملتا۔ اس کے تمام جانشین عیسائی تھے اور حبشہ کا فرمانروا اہیل ثلاثی بھی عیسائی تھا۔

ششم۔ شراب حیات مغرب کا جزو بن چکی ہے۔ اس کے مفاسد سے کون آگاہ نہیں۔ یہ

صحت کو بگاڑتی، حیوانی جذبات کو ابھارتی، بدکاری کی ترغیب دیتی اور حلال وحرام کے تمام امتیازات کو ختم کر دیتی ہے۔ ایک شرابی کی کوشش یہی ہوتی ہے۔ کہ وہ تمام حرم گر جائیں۔ جن میں حسن مستور ہے۔ اور تمام معاشرہ اس قدر بے حیا اور بے غیرت بن جائے۔ کہ اس کا دست گستاخ ہر حسینہ کے دامن عصمت تک پہنچ سکے۔ مذہبی قیود یک طرف، صرف سماجی نقطۂ نگاہ سے دیکھئے۔ کہ کیا یہ صورت حال گوارا ہو سکتی ہے:

۱۔ کہ زید گھر میں آئے اور اس کی بیوی بکر کے ساتھ ہم بستر ہو۔

۲۔ یا اس کی بیٹی کو کوئی شرابی استعمال کر رہا ہو۔

۳۔ یا اس کی بہن کسی راہ گزر سے آنکھیں لڑا رہی ہو۔ عورت کی عظمت، عصمت، مستوری اور عفت میں ہے۔ وہ ان صفات سے محروم ہو جائے۔ تو قحبہ اور فاحشہ کہلاتی ہے۔ شرفا اس پہ تھوکتے اور لعنت بھیجتے ہیں۔ شرابی کی کوشش یہی ہوتی ہے۔ کہ مذہب و معاشرہ کی یہ تمام قیود ختم ہو جائیں۔ اور تمام مستورات قحبہ بن جائیں۔ تا کہ وہ ہر پھول کو توڑ سکے اور ہر گھاٹ سے پانی پی سکے۔

اس حقیقت پہ دنیائے انسانی کی طویل تاریخ شاہد ہے۔ کہ ہر قوم کا زوال اس کے شرابیوں، عیاشوں اور بدکاروں کی وجہ سے ہوا تھا۔ یہ عیاش لوگ، جفاکشی، استقلال، ثبات، صبر، ایثار، جانبازی، محنت اور سرفروشی جیسی صفات سے محروم ہو کر پٹتے اور ساری قوم کا بیڑہ ڈبو دیتے ہیں۔

شراب تہذیب مغرب کا جزو اعظم ہے۔ یورپ اب تک اپنی بعض خوبیوں کی وجہ سے زندہ تھا۔ اب یہ خوبیاں کم ہو رہی ہیں۔ اگر یورپ نے سنبھالا نہ لیا۔ تو دیر و زود اس کی شان و شوکت کا جنازہ نکل جائے گا۔

ہفتم۔ مذہب کیا ہے؟ یہ وہ راستہ ہے۔ جو انسان کے لیے خالق کائنات نے تجویز کیا ہے۔ اس راستے پہ چل کر انسان مندرجۂ ذیل فوائد اٹھاتا ہے۔

۱۔ وہ اپنی زندگی کو خدا و خلقِ خدا کے لیے وقف کر دیتا ہے اور قدم بہ قدم انسانیت عظمیٰ کی منزل تک جا پہنچتا ہے۔

۲۔ وہ تمام اخلاقی و روحانی امراض مثلاً خود غرضی، حرص، حسد، رقابت، جنسی آلودگی، بددیانتی۔ کذب وفریب وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے۔

۳۔ وہ عدل واحسان کو شعارِ زندگی بنالیتا ہے۔

۴۔ قوت کے مآخذ دو ہی تو ہیں۔ کائنات اور رب کائنات۔ وہ دونوں مآخذ سے قوت حاصل کرتا ہے۔ تسخیر کائنات کے لیے علم اور صیدِ یزداں کے لیے عشق سے کام لیتا ہے۔ عشق یعنی عبادت انسانی شخصیت کے لیے سنگھار، نور، لوچ اور زندگی ہے اور اسی سے دلوں کو سکون وقرار ملتا ہے۔

یورپ نے مذہب کو سیاست سے الگ کر دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس سیاست میں مذہب نہ ہو وہ درندگی وراہ زنی بن جاتی ہے۔ گزشتہ دو سو برس میں یورپ کی مختلف اقوام نے ایشیا وافریقہ میں حکومتیں قائم کیں۔ لیکن وہ کہیں بھی ایک سو برس سے زیادہ نہ ٹھہر سکیں۔ محکوم اقوام نے ان کی لوٹ مار، درندگی، بے حیائی، ناانصافی، کذب وفریب اور تشدد کے خلاف وہ طوفان اٹھایا۔ کہ یہ سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگیں اور اپنے گھروں میں جا دم لیا۔ آج برطانیہ، فرانس، اٹلی، بلجیم اور ہالینڈ اپنی تمام نو آبادیات سے نکل گئے ہیں۔ اور کروڑوں انسانوں نے چین کا سانس لیا ہے۔

کسی وقت اسلام نے بھی نو آبادیات قائم کی تھیں۔ ہم عرب سے نکل کر جنوب میں ملتان، شمال میں بحیرۂ اسود، مشرق میں چینی ترکستان اور مغرب میں مراکش اور سپین تک جا پہنچے تھے۔ ہم سپین میں آٹھ سو برس رہے۔ ہند پر ہزار سال حکومت کی۔ اور عراق، شام، فلسطین، ایشیائے خورد، ایران، افغانستان، مصر، لیبیا، تونس، الجیریا اور مراکش بدستور ہمارے قبضے میں ہیں۔ ان ممالک کے باشندوں نے ہماری حکومت کو، جس کی بنا عدل واحسان اور علم وعشق پہ رکھی گئی تھی۔ اور جس کا مقصد انسان کا رابطہ اللہ سے قائم کرنا تھا۔ اس قدر پسند کیا، کہ انہوں نے ہماری تہذیب ومذہب تک کو اپنا لیا اور اس طرح من وتو کا امتیاز مٹ گیا۔ انگریز اپنے تمام علوم وفنون اور ایجادات وصنائع کے باوجود ہندوستان میں ایک سو سال سے زیادہ نہ ٹھہر سکا۔ اور دوسری طرف ہمارا پرچم ایشیا وافریقہ کے بڑے بڑے خطوں پر چودہ سو برس سے لہرا رہا ہے۔ یہ برکت ہے صرف مذہب کی۔ جس نے عدل واحسان، خدمتِ خلق، انکسار، قناعت، درویشی، علم نوازی اور تحقیق وتجسس کو

ہماری زندگی کا جزو بنا دیا تھا۔ اور ہم دوسرے ممالک میں لوٹ کھسوٹ کے لیے نہیں، بلکہ صرف خدمت وراہنمائی کے لیے جاتے تھے۔

اِسلام کا مستقبل

تہذیب کیا ہے؟ اس سوال کے بے شمار جوابات ہمارے سامنے ہیں۔ کسی نے موسیقی و مصوری کو تہذیب سمجھا۔ کسی نے بت تراشی و بت پرستی کو اور کسی نے رقص و بادہ کو۔ لیکن اسلام کا تصور تہذیب سے جداگانہ ہے۔ لفظ ''تہذیب'' کے معنی ہیں ''سجانا۔ آراستہ کرنا اور حسین بنانا''۔ ہمارے ہاں ہر وہ تصور اور عمل جزو تہذیب ہے۔ جو ہماری شخصیت کو حسین اور ہمارے تمدن کو عظیم بنائے۔ نیز ہماری دنیا و آخرت ہر دو کو سنوارے۔ ہماری تہذیب کے اجزا دو ہی ہیں۔ علم اور عشق۔

علم سے مراد ہے:۔

ا۔ علم کائنات، تاکہ ہم فولاد، سٹیم، بجلی اور ایٹمی قوت سے مسلح ہو کر شیاطین کا مقابلہ کر سکیں۔ اور کرۂ ارض کو امن وسکون کا گہوارہ بنائیں۔

۲۔ علم تاریخ، تاکہ ان اسباب وعلل کو سمجھ سکیں، جو اقوام ماضیہ کے زوال کا باعث بنیں۔

۳۔ شعر و ادب، جغرافیہ، معاشیات، ریاضیات، قانون، فلسفہ، زراعت، تعمیرات، لسانیات، اخلاق، سیاست، افلاک، بحار و جبال وغیرہ کا علم، تاکہ کسی پہلو میں لاعلمی ہماری پس ماندگی کا سبب نہ بن جائے۔

۴۔ خدا و مخلوق کے حقوق کا علم تاکہ معاشرہ میں ابتری نہ پھیل جائے۔

رہا عشق۔ تو اس کے عناصر ترکیبی دو ہیں۔ اول پاکیزگی، اخلاق، یعنی راست بازی، دیانت داری، عفت، انکسار، تواضع، حلم، میٹھی گفتگو، ہر فرد کا احترام، احسان، انفاق، ایثار، خدمتِ خلق اور ہر گناہ سے اجتناب۔

دوم۔ اللہ کی عبادت، اس سے شخصیت میں مقناطیسیت، پیشانی میں چمک، آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ کائنات کی تمام مخفی طاقتیں جو پھولوں میں رنگ، پھلوں میں رس،

بہاروں میں حسن، گھٹاؤں میں مستی اور انجم میں نور بھرتی ہیں۔ مطیع و معاون بن جاتی ہیں۔ دماغ کا تعلق دنیائے اثیر سے قائم ہو جاتا ہے۔ اور وہاں سے سکون و قرار کی شبنم خیابان دل پہ مسلسل برستی رہتی ہے۔ عبادت انسانی شخصیت کا سب سے بڑا سنگھار ہے۔ کس قدر حسین ہیں۔ وہ لوگ جو ہر روز کئی بار آستانِ ذوالجلال پر حاضر ہو کر اس کے قدموں پہ سر جھکاتے ہیں اور جب وہ سر اٹھاتے ہیں تو تمام کائنات کو اپنے سامنے سربسجود پاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کے مفہوم و منزل کو پا گئے ہیں اور اس حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ کہ کاروانِ حیات کا رخ قبر کی پستیوں کی طرف نہیں بلکہ عرشی بلندیوں کی طرف ہے۔ قطرے کا کمال یہ ہے کہ سمندر میں گر کر سمندر بن جائے۔ اور انسان کا کمال یہ کہ وہ منزل بہ منزل یزداں تک پہنچ جائے۔

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی (قرآن)

(اے انسان تیری آخری منزل اللہ ہے)

دنیا کے مختلف گروہوں پہ نظر ڈالو، کوئی زر و زن کے پیچھے ہلکان ہو رہا ہے۔ کوئی شراب و رقص پہ مر رہا ہے، کسی کی نظر انڈونیشیا کے ربڑ پر ہے۔ اور کسی کی ایران و عرب کے تیل پر۔ لیکن مسلمان کا کعبہ صرف ایک ہے۔ یعنی اللہ یہ علم کے زور سے کائنات کو مسخر کرتا اور کمندِ عشق جبریل و یزداں پہ پھینکتا ہے۔ یہی اس کی زندگی، خودی اور تہذیب ہے۔

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

آج انسان ظواہر کے پردے ہٹا کر باطن کی طرف جا رہا ہے اور وہ دن دور نہیں۔ جب وہ زندگی کی حقیقت اور منزل ہر دو کو پا لے گا۔ اور اس پر یہ بات کھل جائے گی، کہ عشق شبابِ زندگی ہے اور یہ رقص و شراب عذابِ زندگی۔

گزشتہ ایک سو سال ہماری تاریخ کا تاریک ترین زمانہ تھا۔ اس عرصے میں یورپ کی مختلف

اقوام اسلامی ممالک پہ چھا گئیں اور مسلمانوں کو مفلس، اوباش اور جاہل بنا دیا۔ ان ممالک میں ریلوں اور سڑکوں کا جال بچھا کر ساری دولت گھر لے گئیں، رؤسا اور حکام اعلیٰ سے مذہب چھین کر انہیں شراب و رقص کا عادی بنا دیا۔

ہمارے مدارس میں ایسا فلسفہ و ادب پڑھایا۔ کہ ہم اپنی اقدار سے متنفر ہو گئے۔ ہماری تاریخ کو یوں مسخ کیا کہ ہمیں اپنے ماضی سے گھن آنے لگی۔ اور ہمیں ایسے چکر دیئے۔ کہ ہم پتلون پہنے، منہ بگاڑ کر انگریزی بولنے، شراب پینے اور ناچنے کو بلند اقدار سمجھنے لگے۔ یہ صورتِ حال اکثر اسلامی ممالک میں آج بھی باقی ہے۔ لیکن میں اپنے مستقبل سے مایوس نہیں ہوں۔ یورپ کی عُریاں، متعفن اور زوال پذیر تہذیب کے خلاف نفرت ہمہ گیر ہے۔ ایک مرتبہ انڈونیشیا کے صدر سُکارنو نے ایک حکم کی رُو سے اپنے وسیع ملک میں رقص بند کرا دیا تھا۔ پاکستان کے اکثر ادیب، شاعر اور مفکر اس لعنت کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ اور رائے عامہ ہر روز قوی سے قوی تر ہوتی جا رہی ہے۔ شمالی افریقہ کی اسلامی سلطنتیں ان لعنتوں سے کسی حد تک آزاد ہو چکی ہیں، ترک چالیس برس تک مذہب سے دور رہنے کے بعد اب پھر مائل بہ اسلام ہو رہے ہیں، عراق، شام اور جارڈن میں اہل قلم کا شدید قحط ہے۔ اس لیے وہ بدستور غربی اثرات کی گرفت میں ہیں۔ لیکن تابکے۔ کعبہ کے ہمسایوں کو بالآخر ربِ کعبہ کے سامنے سر جھکانا ہی پڑے گا۔

اسلامی تہذیب کو آب و تاب دینے کی ذمہ داری سب سے زیادہ پاکستان پہ عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے۔ اور ہم نے یہ ملک اسی مقصد کے لیے حاصل کیا تھا۔ گو یہاں یورپ زدہ لوگوں کی خاصی تعداد موجود ہے۔ جو حرام و حلال کے تمام امتیازات سے ورا تر ہے۔ لیکن یہ دور عبوری ہے۔ یہاں اہل علم و قلم کی وہ کثرت ہے۔ مبلغین و مفسرین کا وہ ہجوم ہے۔ اخبارات و رسائل کی تنقید اتنی شدید ہے۔ نو بہ نو تصانیف اس رفتار سے نکل رہی ہیں۔ علوم طبیعی کے لیے اتنی تڑپ ہے۔ اور مساجد اس تیزی سے آباد ہو رہی ہیں۔ کہ دیر و زود جہالت کی ظلمتیں چھٹ جائیں گی۔ میخانے اجڑ جائیں گے، شبستانوں کی شمعیں بجھ جائیں گی اور اسلامی تہذیب علم و عشق کی مشعلیں ہاتھ میں لیے یوں ابھرے گی کہ ساری کائنات میں اجالا ہو جائے گا۔

یورپ کے پاس بے شک علوم طبیعی موجود ہیں۔لیکن وہ دولتِ عشق سے نا آشنا ہے۔اور علم و سیاست کی کوئی منزل عشق کا بدل نہیں بن سکتی۔یورپ کو اپنی تہذیب کے کھوکھلے پن اور بے جان ہونے کا شدید احساس ہو چکا ہے۔یہ اپنے نوجوانوں کی خرمستیوں، رنگ و نسل کے جھگڑوں، خواتین کی کجراہیوں اور فراوانی دولت کے نتائج سے گھبرا اٹھا ہے۔اور راہِ فرار تلاش کر رہا ہے۔یورپ کو صرف ایک تہذیب بچا سکتی ہے۔اور وہ ہے اسلام کی عظیم، توانا، صحت مند اور طاقت ور تہذیب۔اور میرا اندازہ یہ ہے۔کہ بالآخر یورپ کو یہ کرنا ہی پڑے گا۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔کہ جس تہذیب کے پیچھے مادی قوت نہ ہو۔وہ دنیا پہ اثر انداز نہیں ہو سکتی۔پس اسلامی ممالک کو فوراً یہ قدم اٹھانے چاہئیں۔

اول: سائنسی علوم کے فروغ کے لیے ہر ممکن کوشش۔

دوم: بھاری صنعتوں کا قیام۔جب تک اسلامی ممالک میں فولاد کے بڑے بڑے مل اور موٹریں، توپیں وغیرہ ڈھالنے کے کارخانے نہیں ہوں گے۔وہ ہمیشہ یورپ کے محتاج رہیں گے۔

سوم: درسگاہوں میں ایسی کتابوں کی تدریس جو انسان کا رابطہ کائنات کے عظیم ترین مخزنِ توانائی یعنی اللہ سے قائم کریں۔

چہارم: اہل قلم کی سرپرستی کہ وہ فکر معاش سے بے نیاز ہو کر تخلیقِ علم کر سکیں۔

پنجم: قیام صلوٰۃ

ہمارے حضور ﷺ نے ہمیں بشارت دی تھی۔کہ آخری زمانے میں تمام دنیا اسلام قبول کرے گی۔اور یہ دور چالیس سال تک رہے گا۔غالباً اس پیش گوئی کے ظہور کا وقت قریب آ رہا ہے۔۱۹۱۸ء میں روئے زمین پر ایک بھی اسلامی سلطنت موجود نہیں تھی اور اب پچپن سے زیادہ ہیں۔ان میں سے ہر ملک روایات ماضی کو زندہ کرنے اور ترقی کی دوڑ میں آگے نکلنے کے لیے بے قرار ہے۔اور یہ علامات ایک روشن مستقبل کی غماز ہیں۔

کھول آنکھ زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ

آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے — دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے

ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے — پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے

تعمیرِ خودی کر اثرِ آہِ رسا دیکھ

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ط

مآخذ

۱. طبقات — ابن سعد
۲. وفیات الاعیان — ابن خلکان
۳. تاریخ الحکما — القفطی
۴. معجم الادباء — یاقوت حموی
۵. معجم البلدان — یاقوت حموی
۶. کتاب الخطط و الآثار — مقریزی
۷. الفخری — ابن الطقطقی
۸. کتاب السلوک — المقری
۹. نفخ الطیب — المقری
۱۰. رحلة — ابن جبیر
۱۱. کتاب المسالک و الممالک — ابن حوقل
۱۲. تاریخ کبیر — ابن عساکر
۱۳. معالم الایمان — ابن ناجی
۱۴. طبقات الشافعیہ — سبکی
۱۵. عیون الانباء فی طبقات الاطباء — ابن ابی اصیبعہ
۱۶. تذکرۃ الاولیا — عطار
۱۷. طبقات سلاطین اسلام — عباس اقبال
۱۸. المامون — علامہ شبلی

۱۹. تاریخ صقلیہ — سیّدریاست علی ندوی
۲۰. اخبار الاندلس — منشی خلیل الرحمان
۲۱. تہذیب اسلامی — محمد مارمڈیوک پکتھال
۲۲. تاریخ ادب عربی — نکلسن
۲۳. تاریخ عرب — ہٹی
۲۴. میراث عرب — امین فارس
۲۵. تمدن عرب (موسیولی بان) — ترجمہ از سیّد علی بلگرامی
۲۶. معرکۂ مذہب و سائنس (ڈاکٹر ڈریپر) — ترجمہ از مولانا ظفر علی خان
۲۷. تشکیل انسانیت (رابرٹ بریفالٹ) — ترجمہ از مولانا عبدالمجید سالک
۲۸. ایج آف فیتھ — وِل۔ڈیوران
۲۹. فلسفہ و تہذیب در شرق و غرب — چارلس۔اے۔مور
۳۰. انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
۳۱. انسائیکلوپیڈیا برطانیکا
۳۲. نیو سٹینڈرڈ انسائیکلوپیڈیا
۳۳. انسائیکلوپیڈیا آف یوزفل انفارمیشن
۳۴. نوعِ انساں کی کہانی — ہنڈرک وان لون
۳۵. انسائیکلوپیڈیا آف انگلش لٹریچر
۳۶. چھ لکچر — برنارڈ لوئیس
۳۷. تاریخ عالم — ڈبلیو۔این۔وتج
۳۸. انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف ویسٹرن یورپ — جیمز شاٹ ویل

۳۹. تاریخ انگلستان	گیرٹ
۴۰. ٹارچ هیررز آف هسٹری	اے۔ایچ۔سٹرلنگ
۴۱. دی آؤٹ لاین آف هسٹری	ایچ۔جی۔ویلز
۴۲. تاریخ عالم ایك نظر میں	جوزف ری تھر
۴۳. مڈیول اینڈ ماڈرن هسٹری	فلپ۔وی۔این۔مائرس
۴۴. میراث اسلام	آرنلڈ والفریڈ

مصنف کی دیگر کتب
من کی دنیا
دو قرآن
معجم القرآن
معجم البلدان
تاریخ حدیث
عظیم کائنات کا عظیم خدا
بھائی بھائی
رمز ایمان
دانش رومی و سعدی
میری آخری کتاب
عظیم کائنات کا عظیم خدا
فرمانروایان اسلام
مضامین برق
حرف محرمانہ
سلاطین اسلام
دانش عرب و عجم
الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
ISBN 969-503-833-6
9 799695 038337